جہانِ حمد و نعت

شمارہ : 5

ریاست جموں و کشمیر میں حمدیہ و نعتیہ شعر و ادب
کا اوّلین سلسلہ

اُمتِ مسلمہ کے
765 اِجماعی مسائل

یعنی

کِتَابُ الاِجمَاع

تالیف : اِمام ابوبکر ابن المنذر نیشاپوریؒ

اجماعی مسائل پر بازار میں عموماً کتابیں نایاب ہیں۔ دوسری طرف بعض سطح بین علماء فقہی احکام میں چند فروعی مسائل کو لیکر اُمت کے اندر، بالخصوص برصغیر میں، مسلکی، مکتبی اور گروہی منافرت وتعصب کی ایسی مسموم فضا پیدا کر چکے ہیں، جس کی بھاری قیمت سادہ دِل مسلمانوں کو چکانا پڑ رہی ہے۔ اِس تناظر میں زیر نظر کتاب: ''اُمتِ مسلمہ کے 567 اِجماعی مسائل''، جو اصل میں امام ابن المنذر (ابوبکر محمد نیشاپوری) کی عربی کتاب 'کِتَابُ الاِجمَاع' کا اُردو ترجمہ ہے، کو بفضلہ تعالیٰ ''تمام مسالک کے احترام پر مبنی فرقہ واریت سے پاک دِلوں کی آواز: مکتبہ الحیات'' پہلی بار اپنے اُردو قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

سائز : 23x36/16 صفحات : 128 ہدیہ : 75روپے

مکتبۃ الحیات

مدینہ چوک، گاؤکدل، سرینگر 9419403126

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسمِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِ اللّٰہِ

نعت اکادمی جموں وکشمیر (سری نگر) کے زیر اہتمام شائع ہونے والا

حمدیہ ونعتیہ ادب کے فروغ واشاعت کے لیے وقف ادبی وتحقیقی مجلہ

Jahan-e-Hamd-o-Naat

5

جہانِ حمد و نعت

{ریاستِ جموں وکشمیر میں حمدیہ ونعتیہ شعروادب کا اوّلین کتابی سلسلہ}
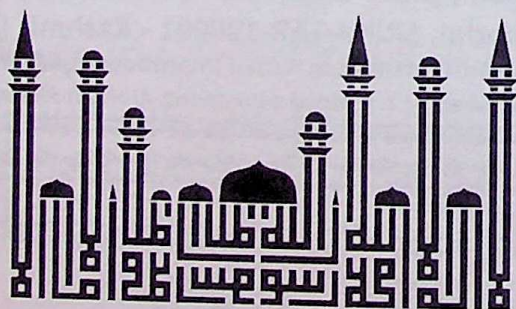
مُدیر ڈاکٹر جوہر قدّوسی

نعت اکادمی جموں وکشمیر صدر دفتر: مدینہ چوک، سرینگر-190001 (کشمیر)

زیر اہتمام : نعت اکادمی جموں و کشمیر

حمدیہ ونعتیہ ادب کے فروغ واشاعت کے لیے وقف ادبی و تحقیقی مجلّہ

جہانِ حمد و نعت

ریاستِ جموں و کشمیر میں حمدیہ ونعتیہ شعر و ادب کا اوّلین کتابی سلسلہ

Vol. : 05 • Issue No : 05 | Price : Rs. 250.00 | Pages : 452

مُدیر : ڈاکٹر جوہر قدّوسی

• جلد : ۵ • شمارہ : ۵ • [سال 2023ء] (ربیع الاوّل ۱۴۴۵ھ / اکتوبر 2023ء)

• جنرل منیجر : اے۔جی۔قدوسی • منتظم : آصف مسعود

• تزئین کار : پرویز احمد میر • سرورق : ای۔قدوسی

ناشر : نعت اکادمی (جموں و کشمیر)

1st Floor, Khan Complex, Madeena Chowk,
Gaw Kadal, SRINAGAR-190001 - Kashmir (J&K)
Cell : 9906662404, 9419403126 Email : hamdonaatjk@gmail.com
Printed and Published by: J. Quddusi • Printed at: *Al-Hayat Printographers* Sgr.

ایک شمارہ رفتگان کے نام

کشمیر کے گمنام نعت نگاروں ، بالخصوص :

صاحبزادی زینب بی بی محجوبؔ (مرحومہ)

میر غلام رسول نازکی (مرحوم)

چودھری خوشی محمد ناظرؔ (مرحوم)

سعد الدین تارہ بلی (مرحوم)

پروفیسر محمد طیب صدیقی ضیغمؔ (مرحوم)

اور

مولوی عبد القدیر بدری (مرحوم)

کی حمد و نعت شناسی کے نام

لمعاتِ ثنا

حرفِ آغاز (اداریہ) — ڈاکٹر جوہر قدوسی — 13

حمدِ ربِّ کائنات — حفیظ تائب مرحوم — 21

مناجات بہ بارگاہِ قاضی الحاجات — سلطان الحق شہیدی — 22

اے خاصۂ خاصانِ رُسل ... ﷺ [رجحان ساز استغاثہ] — الطاف حسین حالی مرحوم — 23

باب تفکّرات — 25

اِکتشافِ فکر ، اِقتضائے فن

[حمد ونعت گوئی کے فن اور آداب واسالیب پر مضامین]

خدا در انتظارِ حمد مانیست — علی محمد عاجزؔ — 27

حمد گوئی کے فضائل، تقاضے اور ثمرات — ڈاکٹر اصغر عابدی — 35

حمد نگاری کے آداب — طاہر حسین طاہر سلطانی — 53

اُردو کی حمدیہ شاعری اور جدید اسلوب — ڈاکٹر عزیز احسن — 59

نعت میں تنقید و اِصلاح کی افادیت — علی محمد عاجز — 75

نعت گوئی کی فکری وفنی نزاکتیں — ڈاکٹر عزیز احسن — 88

باب تدبّرات — 95

عکسِ تحقیق ، نقشِ تنقید

[حمدیہ ونعتیہ شاعری اور شعراء پر تحقیقی وتنقیدی مضامین]

سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ: دربارِ رسالت میں — ڈاکٹر شکیل شفائی — 97

دیارِ مغرب میں آفتابِ حمد ومناجات کی کرنیں — تنویر پھول — 109

سید نصیر الدین نصیر گیلانی کی نعتیہ شاعری — میر امتیاز آفرین — 127

قصیدۂ ابیات نعت پر امیر مینائی کی تضمین	ڈاکٹر یحییٰ نشیط	131
مولانا حسرت موہانی کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر محمد آصف	158
سید محمد نورالحسن کی نورانی جہتیں	ڈاکٹر سروشہ نسرین قاضی	167
مخلص مصوری اور ترفعاتِ نعت	ڈاکٹر سراج احمد قادری	172
اُردو نعت گوئی میں سکھ شعراء کا حصہ	فاروق ارگلی	177
مظفر وارثی کا نعتیہ کلام: ایک مطالعہ	ڈاکٹر تابش مہدی	189
اعجاز رحمانی کی نعت گوئی	ڈاکٹر تابش مہدی	194
نعوت میں سیرت طیبہ کی ترجمانی	ڈاکٹر جوہر قدوّسی	201
نعتیہ شہر آشوب: ایک تحقیقی مطالعہ	علیم ناصری	205
نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حفظِ مراتب	عبدالمعید قاسمی	228
علیم صبا نویدی کی نعتیہ نثری نظمیں	ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی	241
میر غلام رسول نازکی کا نعتیہ کلام	ڈاکٹر نسرین کوثر	245
جدید اُردو نعت کا پھیلتا کینوس	ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی	255
بابِ تفہیمات		261

بابِ تفہیمات

اِنتقادِ سخن ، احتسابِ اسلوب

[حمدیہ ونعتیہ کتب وفن پاروں پر تبصرے اور تاثرات]

شوکت محمد شوکت کا حمدیہ شعری مجموعہ 'اللہ اکبر'	اظہر محمود تنہا	263
شفیق رائے پوری کے ''قصیدہ نور'' کا تجزیاتی مطالعہ	عبدالرزاق پیکر رضوی	269
مطالعات حمد ونعت (تنقیدی مضامین)	اختر سعیدی	276
''جہانِ حمد'' (کتابی سلسلے کا خصوصی نمبر)	اختر سعیدی	277

حیرت الٰہ آبادی کا مجموعہ ''منارۂ نور'' علیم صبا نویدی 278

صبیح رحمانی کا مجموعہ ''جادۂ رحمت'' علیم صبا نویدی 281

تنویر پھولؔ کا شعری مجموعہ ''انوارِ حرا'' ڈاکٹر نجم الہدیٰ 284

''مجلہ نقوش'' (لاہور) کا رسولؐ نمبر: ایک جائزہ عبداللہ خاور 288

کتاب : ''مداح رسول سیدنا حسان بن ثابتؓ محمد احسان 292

کے نعتیہ اشعار میں موجود نقوشِ سیرت''

پروفیسر محمد رفیق چودھری کی ''شفاف نعتیں'' محمد احسان 293

''تنقیدِ نعت، تناظرات و امکانات'' سید خورشید نواز لائق بخاری 294

ڈاکٹر شاہدہ پروین کا منفرد تحقیقی و تنقیدی کارنامہ ڈاکٹر جوؔہر قدّوسی 296

301

باب تصوّرات

اقوالِ زرّیں، افکارِ روشن

[حمد و نعت سے متعلق اربابِ فکر و دانش کے منتخب اقوال]

نعت کا فن اور اس کے لوازمات و مقتضیات مرتب: مدیر'جہانِ حمد و نعت' 302

307

باب تخیّلات

حمدوثنائے ساقئ ازل، مدح و ثنائے ساقئ کوثرؐ

[مشرق و مغرب کے شعرائے کرام کا منظوم حمدیہ و نعتیہ کلام]

حمدیہ کلام : پروفیسر حافظ محبوب، تنویر پھول، سرفراز بزمی، پروفیسر اشفاق انجم، منظر انصاری، قمر آسی، نادر اسلوبی، ریاض انور بلڈانوی، سلیم اختر رضوی، پروفیسر طارق تمکین، شارق رشید، شفیقؔ رائے پوری، سلمان غازی، شہباز راجوروی، پروفیسر ڈاکٹر سید امین تابش، نوری، ساز الاطہر 309

نعتیہ کلام : تنویر پھول (امریکہ) / سرفراز بزمی/ مقصود علی شاہ/ علیم صبا 346
نویدی/ حافظ محبوب احمد/ نادر اسلوبی/ اشفاق احمد غوری/ ڈاکٹر مقصود احمد عاجز/
ریاض احمد قادری/ پروفیسر محمد طاہر صدیقی/ رخسانہ جبین/ شفیق رائے پوری/ معظم
علی سدا مدنی/ ریاض انور بلڈانوی/ ایس۔ حسن انظر/ سید اسلم صدا آمری/ محمد
ابراہیم خان شوق آکوٹی/ مظہر علی خان/ محمد اکبر عزیزی/ حافظ محمد عبدالجلیل/ غلام
مصطفی ربانی/ مطلوب الرسول قمر/ مشتاق فریدی/ مرتضیٰ اشعر/ عمران الحق چوہان/
فدا راجوری/ ڈاکٹر شکیل شفائی/ منظر انصاری/ میر امتیاز آفریں/ ذوالفقار نقوی/
محمد احمد زاہد/ سید قاسم ریحان/ پروفیسر ڈاکٹر سید امین تابش/ سلطان الحق شہیدی/
مشتاق مہدی/ اشرف عادل/ ولی محمد اسیر کشتواڑی/ سید اعجاز حسین عاجز/ سلمان
رسول/ سلمان غازی/ ڈاکٹر مبشر احمد نشتر/ بلال احمد لون/ علی شیدا/ شارق رشید/
ڈاکٹر مقبول احمد مقبول/ عابد خان عابد/ ساز الاطہر/ غلام احمد رضا نیپالی
423

باب تاثرات

نامہ ہائے شوق، رقعاتِ ذوق، نقطہ ہائے نظر

[صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے]

425 تا
مشتاق فریدی، حافظ مقصود احمد ضیائی، ڈاکٹر ابو عائشہ،
446
مفتی محمد اسحٰق نازکی، حامد حبیب
447

باب متفرقات

[حمدیہ و نعتیہ ادب کی اہم شخصیات کا تذکرہ * اُردو حمدیہ
و نعتیہ ادب کے فروغ کے حوالے سے عالمی سطح کی سرگرمیاں]

448
'دائرہ ادب' نیویارک کا حمدیہ اور نعتیہ مشاعرہ محسن علوی

***

(اداریہ)

حرفِ آغاز

اُردو میں حمد نگاری اور نعت گوئی کا عصری منظرنامہ کئی لحاظ سے اطمینان بخش ہے۔ بعض استثنائی مثالوں سے قطع نظر ہر دو اصناف میں فکروفن اور عشق وعقیدت کے اعلیٰ نمونے سامنے آرہے ہیں؛ اور دلچسپ امر یہ ہے کہ لکھنے والوں میں عصر حاضر کی متعدد عبقری شخصیات شامل ہیں، جنھوں نے اِن دو پاکیزہ اصناف میں طبع آزمائی کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ نتیجہ کے طور پر معاصر حمدیہ ونعتیہ ادب میں بہت سے ادبی شاہکار اور فنی شہ پارے پڑھنے کو مل رہے ہیں۔

''حمد'' کا لفظ اپنے تمام تر مفاہیم اور مطالب کے ساتھ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ بابرکت کے ساتھ مختص ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ عربی اور فارسی سے ہوتے ہوئے یہ لفظ اردو میں پہنچ کر ہر ایسی منظوم کاوش کا نام پڑ گیا، جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق کی تعریف وتوصیف اور حمد وثناء کی جائے۔ یہ ایک موضوعی صنف ہے، لہٰذا اِس میں ہیئت اور صنف کی کوئی قید نہیں۔ کسی بھی صنف سخن کے پیرایہ میں حمدیہ مضامین نظم کئے جاسکتے ہیں اور رکیے گئے ہیں۔

حمد لکھنے کے لیے نعت کی طرح زیادہ کڑی شرائط بھی نہیں۔ بس اتنا ضروری ہے کہ شاعر خالقِ کائنات کی ذات وصفات کا کماحقہٗ عرفان رکھتا ہو۔ اس میں تعریف کی کوئی حد وانتہا نہیں۔ شاعر اپنی بساط اور وسعت علم کے مطابق کلماتِ حمد کہتا چلا جائے، کہیں بھی گرفت نہیں۔ والہانہ پن کے ساتھ دیوانہ پن کا جس قدر بھی اظہار کرتا جائے، کوئی مضائقہ نہیں۔ حمد نگاری کے برعکس نعت گوئی پر ہر چہار جانب پابندی ہے اور یہ حد درجہ احتیاط کی متقاضی ہے۔

اُردو میں حمد نگاری کی روایت اتنی ہی قدیم ہے، جتنی خود اُردو زبان۔ کم وبیش ہر قلمکار اور شاعر نے اپنے نثری اور منظوم فن پاروں کا آغاز روایتی انداز واسلوب میں 'حمد ونعت' ہی سے کیا ہے۔ بعد میں نعت گوئی ہی کی طرح حمد نگاری نے بھی ایک باضابطہ صنفِ سخن کی حیثیت اختیار کی۔ چنانچہ

اب تک جہاں اُردو میں سینکڑوں نعتیہ مجموعے شائع ہوکر اُردو زبان کو نعتیہ ادب کے ذخیرے اور ورثے کے حوالے سے عدیم النظیر بنا چکے ہیں، وہاں خالص حمدیہ مجموعے بھی کثیر تعداد میں منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ اِن 'نغماتِ توحید' میں عشقِ الٰہی کے بعض وہ مظاہر سامنے آرہے ہیں، جن کی مثال دیگر زبانوں کے حمدیہ ادب میں ملنا مشکل ہے۔ بالکل یہی حال اُردو کے نعتیہ ادب کا بھی ہے۔ کئی مشاہیر اس بات کا بے لاگ طریقے پر اس بات کا اعلان و اظہار کر چکے ہیں کہ اُردو نعتیہ سرمایہ نہ صرف کمیت، بلکہ کیفیت کے لحاظ سے بھی دُنیا کی دیگر زبانوں کے مداحیہ کلام سے بڑھ کر ہے۔

○

اب اُردو میں نعتیہ ادب کے حوالے سے چند معروضات۔

ہر چند کہ مدح و ثنائے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آغاز ہی سے نعت کے مرکزی موضوع کی حیثیت حاصل رہی ہے، لیکن موضوع کی بوقلمونی کے لحاظ سے نعت کی معنوی وسعت و عظمت کا اندازہ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ چنانچہ عربی کے ابتدائی نعتیہ کلام میں دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وابستہ شعراء کے نعتیہ شہ پاروں میں نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت طیبہ، جمال ظاہری، حسن باطنی، محاسن ذاتی و صفاتی، خاندانی شرف و نجابت، نسلی امتیاز و بزرگی، انبیائے کرام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فضیلت و برتری، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آباء و اجداد اور آل و اصحاب کی مدح، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امانت دیانت، صداقت، شجاعت، اسلامی عقائد اور نوخیز اسلامی تحریک کا تذکرہ، نیز تبلیغ و اشاعت اسلام میں نبی آخر الزمانؐ کی مساعی جمیلہ کا ذکر ملتا ہے۔ یوں مدح خیر البشرؐ کے ساتھ ساتھ اسلام اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بے شمار پہلوؤں کا ذکر بھی نعت میں شامل ہوگیا۔ بعد کی نعتیہ شاعری میں شاعر کے ذاتی احساسات و معتقدات بھی نعت میں شامل ہوتے گئے۔

○

نعت گوئی کا یہ فن جب عربی سے نکل کر فارسی اور اُردو تک پھیل گیا، تو دیارِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دوری نے عجم زادوں کی آتشِ فراق کو کچھ اور ہی بھڑکا دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نعتیہ شاعری میں متعدد دوسرے موضوعات و مضامین داخل ہوگئے، جن میں مدینہ طیبہ سے دُوری، بادِ صبا و موجِ نسیم کے ذریعے روضۂ رسول تک پیغام رسانی، درپیش مصائب و آلام میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فریاد، تمنائے زیارت، گنبدِ خضریٰ کا حسن و تقدس، روضۂ مطہر کی سنہری جالیاں، حریری پردے، سنگِ درِ اقدس، مدینہ طیبہ کی بہار، وہاں کے ذرّے ذرّے سے عقیدت و فرطِ محبت اور

استغاثہ و استمداد وغیرہ مضامین شامل ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی مسائل و مشکلات اور قومی وملّی سانحات و حادثات بھی نعت میں قلمبند ہونے لگے اور یوں نعت کا دائرہ مدح وتوصیف سے پھیل کر مسلمانوں کے قومی وملّی محسوسات ومشکلات کا بھی احاطہ کرنے لگا۔

○

عہد بہ عہد اور ملک بہ ملک بدلتی ہوئی صورتحال میں جب سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نئے نئے پہلو اور امکانات ظاہر ہوئے تو نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے نت نئے سماجی، تہذیب، تمدنی، معاشرتی، سیاسی، معاشی، اقتصادی، تاریخی اور دیگر قسم کے ان گنت موضوعات ومضامین نعت آشنا ہوگئے۔ چنانچہ عصرِ حاضر کے نعتیہ کلام میں موضوعات کی یہ بوقلمونی اور رنگارنگی بآسانی دیکھی جاسکتی ہے۔ نعت نے اب جن وسیع تر موضوعات و مضامین کو احسن طریقے سے اپنے اندر سمولیا ہے، ان میں (نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح وستائش کے علاوہ) آپؐ کی ذات اقدس، حیات طیبہ، غزوات، معجزات، احسانات، عادات، معمولات، تعلیمات، شاعر کے شخصی واردات و کیفیات، قومی وملّی مسائل اور انسانی وآفاقی تصوّرات ونظریات کے مختلف پہلوؤں کا ذکر شامل ہے۔

○

مجموعی طور پر اُردو کی نعتیہ شاعری میں جو موضوعات ومضامین نظر آتے ہیں، ان کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے ایک بڑا حصہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اقدس سے متعلق ہے، جس میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت، دوسرے انبیاء کرام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فضیلت و برتری، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خاندانی شرف، نسلی امتیاز و بزرگی، جمال ظاہری، رحمت سراپا، نور مجسم، سراپائے مبارک، رخسار وگیسو، قدِ دلجو، نگاہ لطف وکرم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پرتو جمال الٰہی اور مظہر ذات خداوندی ہونا، آپؐ کا صاحب خلق عظیم، خاتم النبیینؐ اور رحمۃ للعالمینؐ ہونا اور آپؐ کا نور مِن نور اللہ ہونا وغیرہ بیان کیا جاتا ہے۔

○

دوسرا حصہ نعتیہ کلام کی اُن شعری کاوشوں پر مشتمل ہے جن میں نبی برحق کی سیرت وسوانح بیان کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت، پرورش، بچپن کے واقعات، بعثت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت و کردار، اعلان نبوت، کفار ومشرکین کی ایذا رسانی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بوریا نشینی، فاقہ کشی، مکہ سے ہجرت، مدینہ میں آمد، اسلامی سلطنت کا قیام،

غزوات، فتح مکہ، معجزہ رجعت شمس وشق القمر، کنکری کا کلمہ پڑھنا، حیوانات ونباتات کا سجدہ کرنا، بتوں کی فریاد اور سر کے بل گرنا اور واقعہ معراج وغیرہ موضوعات ومضامین کو نظم کیا جاتا ہے۔

———— ○ ————

نعتیہ شاعری میں موضوع کے لحاظ سے تیسرا حصہ وہ قرار دیا جاسکتا ہے جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفات، تعلیمات اور بنی نوع انسان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے جن اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ کو بیان کیا جاتا ہے، ان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت، نجابت، صداقت، عدالت، سخاوت، خطابت، رسالت، نبوّت، امانت، دیانت، شفاعت، شجاعت، اخوت، محبت، بخشش، عنایت، جودوسخا، صدق وصفا، فضل وعطا، صبرورضا، علم وحلم، ثبات وعزم، رحم وکرم، خلق عظیم اور دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ شامل ہیں۔ تعلیمات کے باب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات، ارشادات، خطبات، اسلامی تحریک کا تذکرہ اور تبلیغ واشاعت دین کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مساعی جمیلہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جبکہ بنی نوع انسان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات کے ضمن میں نعت گو حضرات دین اسلام، قرآن حکیم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ منشورہ، اُسوۂ حسنہ اور شریعت جیسے عطیات کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت، شفاعت اور اپنے امتیوں سے محبت وشفقت کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔

———— ○ ————

اُردو کی نعتیہ شاعری میں ان موضوعات کا بیان تمام تر جزئیات کے ساتھ نظر آتا ہے۔ بعض نعت گو شعراء نے اپنی نعتوں میں ایسا سماں باندھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات اور معمولات کے باریک سے باریک پہلو بھی سامنے آئے ہیں۔ اس انداز کی نعتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایفائے عہد، طریق عیادت وتعزیت، خلقِ خدا سے ہمدردی وغم خواری، جاندار چیزوں پر نگاہ رحم وکرم، عفو ودرگزر، ایثار واحسان، حسن معاملات، وسعتِ قلبی، عالی ظرفی، طرزِ گفتگو اور آداب مجلس وغیرہ جیسے مضامین عام ملتے ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ مبارک کی جزئیات (چہرۂ انور، قد، قدم، پنجے، ایڑیاں، ناخن) آپؐ کے لباس، آپؐ کی خوراک اور مہر نبوت وغیرہ کا ذکر بھی نعت کے موضوعات میں شامل ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ذاتِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت وشیفتگی کے سبب نعت گو شعراء نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین، لعاب، پسینہ اور نقشِ پا کو بھی نعت کا موضوع بنایا ہے اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس

سے نسبت رکھنے والی ہر شئے سے اپنا قلبی تعلق ظاہر کیا ہے۔

○

عصر حاضر میں نعت کے موضوعات اور بھی زیادہ وسیع ہو گئے ہیں اور بقول نعیمؔ صدیقی ''اب تو دنیا بھر کی کوئی اہم بحث نہیں جسے کسی نعت یا کسی ایک ہی نعتیہ شعر میں نہ سمو دیا جائے''۔ ڈاکٹر ریاض مجید کے الفاظ میں ''آج کی نعت اپنے مرکزی موضوع (مدحِ رسولؐ) سے پھیل کر کائنات بھر کے مسائل کو محیط نظر آتی ہے۔ نعت کا موضوع بلاشبہ ارتقاء پذیر اور بتدریج بڑھنے اور پھیلنے والا موضوع ہے۔ اس کے مضامین میں عہد بہ عہد وسعت پیدا ہو رہی ہے۔ جیسے جیسے زمانہ ترقی کر رہا ہے اور نئے نئے سائنسی انکشافات رونما ہو رہے ہیں، ویسے ویسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ، انکی تعلیمات اور انسانی تہذیب و معاشرت اور تاریخ و سیاست پر ان کے بڑھتے ہوئے اثرات سے پیدا ہونے والے نت نئے محسوسات نعت کا موضوع بن رہے ہیں۔ جدید طرز احساس رکھنے والے تخلیقی شاعروں نے نعت کے لامحدود امکانات سجائے ہیں''۔ اب گزشتہ چند برسوں سے نعت میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے اپنے مسائل اور احوال کا جائزہ لینے کا رجحان بہت عام ہو رہا ہے اور بقول حفیظؔ تائب ''زندگی کا ہر مسئلہ نعت کا موضوع بن رہا ہے اور یوں نعت کا کینوس وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے''۔

○

اُردو میں نعت کے کینوس کی وسعت کا اندازہ یوں بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت کے حوالے سے اب سینکڑوں ایسے موضوعات بھی نعت کے دائرے میں شامل ہو گئے ہیں اور ہو رہے ہیں، جن سے نعت کا بظاہر کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ مثلاً سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور بعثت سے قبل زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی عادات، معاشرت اور تہذیب و تمدن کا احوال، سرزمین عرب کا جغرافیہ، پہاڑ، ریگستان، موسم، آب و ہوا وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان موضوعات کا تعلق نعت سے نہیں بلکہ تاریخ اور جغرافیہ سے ہے۔ بایں ہمہ ان کا بیان نعتیہ شاعری میں بکثرت نظر آتا ہے۔ اسی طرح عمرانیات، سیاسیات، اخلاقیات، اقتصادیات، افرادِ ملّت کی اخلاقی کجروی اور انتشار، مغربی تہذیب سے مرعوبیت، عصر حاضر کی مادیت زدہ زندگی اور اس سے پیدا ہونے والی بداخلاقی، گمراہی اور بے اعتدالی جیسے (بظاہر بعید از نعت) موضوعات کو بھی شعراء نے اپنی نعتوں کا موضوع بنایا

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت کے موضوعات و مضامین میں جتنا تنوع آج نظر آتا ہے، اتنا اردو کے کسی بھی عہد کی نعت میں کبھی بھی نہیں رہا ہے۔ بقولِ سلیم احمد:

''اب تک کے سرمایۂ نعت کو اگر ہم سمیٹنا چاہیں تو ہمیں تین بنیادی رویوں کا واضح اظہار ملتا ہے۔ پہلے رویّے میں عقیدے کی بنیاد پر نعت کو ثواب کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ دوسرے رویّے میں شعراء نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو اپنے ذاتی تعلق اور محبت کے وسیلے سے اپنا موضوع بنایا ہے اور تیسرا رویہ ان شعراء کا رہا ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انسانی تاریخ کے ایک کامل رہنما اور ہادی کے تصورات کے تحت محسنِ انسانیت کی صورت میں پیش کرتے ہیں''۔

○

جہاں تک ان تین روّیوں کا تعلق ہے، ان میں سے پہلے اور دوسرے روّیے میں نعت گو شعراء نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفاتِ کاملہ سے اپنا گہرا رشتہ ظاہر کرتے ہیں، جب کہ تیسرے روّیے میں ملّت کے اجتماعی زوال اور بحرانی ادوار کے حوالے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک آئیڈیل کی صورت میں پیش کرکے ماضی کی عظمتوں اور کارناموں کو زندہ کیا جاتا ہے۔ تینوں روّیوں میں سب سے زیادہ تخلیقی صداقت کا اظہار دوسرے روّیے کے شعراء کے یہاں پایا جاتا ہے، جب کہ تینوں روّیوں میں شاعر کی طبیعت، اس کے عقائد و معتقدات، ذہنی افتاد اور ذاتی افکار و رجحانات کے اثرات موضوعاتِ نعت کا تعین کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض شعراء نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''محبوب'' قرار دے کر نعتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراپا کا نقشہ کھینچتے ہوئے قوالی اور فلموں کی قدیم غزلوں کے طرز پر اپنے ''معاشقے'' کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ بعض نے نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت پاکیزہ و سنجیدہ تذکار اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے والہانہ فدائیت کا مظاہرہ کیا ہے، بعض کے یہاں رسالت کے پہلو پر زیادہ زور ہے، بعض بشریت کے پہلو کو زیادہ اُجاگر کرتے ہیں، بعض کی نعتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت اور جذبۂ جہاد سے متعلق فرمودات نمایاں نظر آتے ہیں، بعض کے یہاں معجزات کا بیان غالب ہے اور بعض کے اشعار میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغامِ رسالت کا بیان نمایاں ہے۔ تاہم اکثر اُردو نعت نگاروں کے یہاں ان تمام موضوعات کی مِلی جلی صورت نظر آتی ہے۔

○

الحمد للہ! ''جہانِ حمد و نعت'' کے اب تک کے پانچوں شماروں میں ادارے کی یہ حتی الامکان کوشش رہی ہے کہ اُردو کے حمدیہ و نعتیہ ادب کے متذکرہ بالا اسالیب اور میلانات کی نمائندہ منثور و منظوم نگارشات و تخلیقات قارئین کے لیے پیش کی جائیں۔اس کام میں ہم لوگ کس حد تک کامیاب رہے ہیں، اس کا محاکمہ اور محاسبہ قارئین کرام بہتر طور کر سکتے ہیں۔

اب آیئے! آج کے اصل نکتے کی طرف آتے ہیں۔

ایک طرف یہ بڑے اطمینان کی بات ہے کہ اُردو میں حمدیہ و نعتیہ ادب، بالخصوص منظوم کلام کا ذخیرہ اور اثاثہ اس قدر جمع ہوگیا ہے کہ شاید ہی کوئی اور زبان اس کا مقابلہ کر سکے، لیکن دوسری طرف اگر (حمدیہ کلام کو چھوڑ کر) نعتیہ کلام کے نام پر دستیاب منظومات کے اِس ذخیرے کو شرعی اور فنی محاسبے کے عمل سے گزارا جائے، تو بلا شک و تردد اچھا خاصا ذخیرہ ان دو کسوٹیوں پر کھرا نہیں اترے گا اور مسلّمہ قواعد اور مقرر کردہ معیار سے فروتر ثابت ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ کیا نعت گوئی کے شرعی و فنی اسقام کو محض اعتقاد و عقیدے کے بہانے اور عشق و عقیدت کے نام پر شرعی مسلمات اور فنی ضوابط سے صرفِ نظر کر کے انتقادی اصولوں اور نقد و نظر کے پیمانوں کو بالائے طاق رکھا جا سکتا ہے؟ کیا نعت گوئی کا تقدس تنقید و اصلاح کے عمل سے مجروح ہوگا؟ کیا نعت کے نام پر ہر صغیر و کبیر شاعر کو کچھ بھی، یہاں تک کہ رطب و یابس پیش کرنے کی آزادی دی جا سکتی ہے؟ کیا ایک نعت نگار فنی تقاضوں اور شرعی حد بندیوں سے محض اس بناء پر مستثنیٰ ہوگا کہ وہ ذاتِ مقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح و ستائش کا دعویٰ کرتا ہے؟

یہ سوالات اور اہلِ نظر کے انہی جیسے دیگر سوالات نعتیہ ادب کے ہمارے ناقدین کے لیے ایک چیلنج سے کم نہیں، جو پہلے ہی اس سمت میں اچھا کام کر رہے ہیں۔اب وہ وقت آن پہنچا ہے، جب نعتیہ فن پاروں کو دیگر ادب پاروں کی طرح نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھنے کا عمل (جو الحمد للہ بہت پہلے شروع ہو چکا ہے) تیز کرنا ہوگا، تاکہ اصل کو فرع سے، گہر کو خذف سے اور جواہر ریزوں کو رطب و یابس سے الگ کر کے پیش کیا جائے اور ایسے نعت نگاروں کو آئینہ دکھایا جائے، جو یا تو نعت کے نام پر الوہیت کے ڈانڈے رسالت سے ملا کر؛ یا نعت گوئی کی رفعتِ شان سے فروتر اسلوب و

انداز، لہجہ وسلیقہ اورزبان وبیان اختیار کر کے توہینِ رسالت کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

○

ضرورت اس بات کی ہے کہ نعت گوئی کے تمام تر تقاضوں کا گہرا ادراک رکھنے والے ہمارے نعت ناقدین اپنی مساعی جمیلہ میں سرعت لائیں اور ہرگز اپنی رفتار دھیمی نہ کریں۔

○

زیرنظر پانچویں شمارے کو بروقت منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے اور حسب اعلان اس کی اشاعت وطباعت کا کام (تاخیر کا شکار ہوئے) چوتھے شمارے کے، الحمدللہ، معاً بعد بفضلہٖ تعالیٰ پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔ اس شمارے میں بھی حسب سابق پہلے سے متعین کردہ تقسیم ابواب کے مطابق نثر ونظم میں معیاری تحاریر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جن مقالہ ومضمون نگاروں، حمدیہ ونعتیہ کلام مرحمت کرنے والوں اور مکتوب نویسوں نے ہمارے ساتھ قلمی تعاون کیا، ادارہ اُن کا بے حد شکر گزار ہے اور بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہے کہ وہ ان اصحابِ فکر ونظر کو اپنے شایانِ شان اجر عطا فرمائے۔

○

مقالات ومضامین اور حمدیہ ونعتیہ کاوشوں کی ہر ہر سطر سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ نہ ہی ان ادبی شہ پاروں سے کسی مخصوص مکتبِ فکر یا دبستان کی ترجمانی مقصود ومطلوب ہے۔ یہ کام للہ فی اللہ محض حصولِ رضائے الٰہی کے لیے انجام دیا جاتا ہے۔

ہمیں اس نوعیت کی علمی، ادبی اور دینی کاوشوں کا بھرپور احترام ہے، تاہم ہم ان کو تنقید وتبصرہ سے بالاتر نہیں سمجھتے۔ لہٰذا اس علمی سرمایے کا تنقیدی جائزہ لینا، اس کی ناپسندیدگی کو مستلزم نہیں۔ اس ضمن میں کسی بھی طرح کی مہذب اور متوازن رائے، تبصرہ یا تنقید کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔

○

زیرنظر شمارے کے مندرجات ومشمولات سے متعلق اربابِ فکر ودانش، اہلِ نقد ونظر اور اصحابِ قرطاس وقلم کے قیمتی تاثرات اور تجاویز کا انتظار رہے گا۔

ڈاکٹر جوہرؔ قدّوسی [مدیر]
E-mail : hamdonaatjk@gmail.com   Cell / WhatsApp No : (Journal) : 8082024253

***

حفیظ تائب (مرحوم)

حمدِ ربِّ کائنات جل جلالہ

کس کا نظام راہ نما ہے افق افق
کس کا دوام گونج رہا ہے افق افق

شانِ جلال کس کی عیاں ہے جبل جبل
رنگِ جمال کس کا جما ہے افق افق

کس کے لیے نجوم بکف ہے روش روش
بابِ شہود کس کا کھُلا ہے افق افق

کس کے لیے سرودِ صبا ہے چمن چمن
کس کے لیے نمودِ ضیا ہے افق افق

مکتوم کس کی موجِ کرم ہے صدف صدف
مرقوم کس کا حرفِ وفا ہے افق افق

کس کی طلب میں اہلِ محبت ہیں داغ داغ
کس کی ادا سے حشر بپا ہے افق افق

سلطان الحق شہیدی (سرینگر)

مناجات بہ بارگاہِ قاضی الحاجات جلّ جلالہ

اے کہ تجھ سے میرا دم خم چال ڈھال تجھ کو سب کہتے ہیں ربِّ ذی الجلال
حیّ و قائم اور دایم تیری ذات تو اکیلا ہے ، نہیں تیری مثال
تو عظیم و اکبر و اعلیٰ تمام شکر پڑھتا ہے یہ میرا بال بال
کرکے پیدا یہ زمین و آسمان پھر کہا مجھ سے کہ لے اس کو سنبھال
تیرا بندہ ہے عظیم المرتبت ہے مگر ابلیس اس پر اک وبال
روز و شب بیم و رجا کے ساتھ ساتھ طے کئے ہیں میں نے اپنے ماہ و سال
ہر طرف غارت ہوا امن و اماں تو جو چاہے اس بھنور سے دے نکال
ہوگئے ایمان والے تجھ سے دور کر رہا ہے کفر اُن کو پائمال
سامراجوں میں ہے جنگِ زرگری ہر طرف ایٹم بموں کا ہے اچھال
تو جو چاہے تو بدل ڈالے اسے ہے تجھے معلوم سارا نقد حال
گھومتا ہے درد دل کے اردگرد تیرے پیغمبرؐ کا سارا قیل و قال
ہم قتیلِ حُسن ٹھہرے اے جمیل دیکھ پا گئے نہ ہم تیرا جلال
غاصبوں نے کردیا ویراں جسے ایک وہ خطہ کہ تھا جنت مثال
برگزیدہ شب میں ہے میری دُعا رکھ سلامت میرا سب اہل و عیال
اے مرے مولا مجھے رکھ صحت مند دوسروں کے رحم پر مجھ کو نہ ڈال
خیر و شر کی چکی میں پستا رہا ہوگیا ہوں اب بڑھاپے میں نڈھال
بحر و بر کے حادثوں کو دیکھ کر کیا تجھے ہوتا نہیں کوئی ملال
عمر بھر سمجھا نہ کچھ تو آخرش تیری جھولی میں دیا ہے خود کو ڈال

رجحان ساز استغاثہ

الطاف حسین حالیؔ مرحوم

اے خاصۂ خاصانِ رُسل ... صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے || امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے || پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر و کسریٰ || خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے
وہ دین، ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں || اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے
جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہباں || اب اس کا نگہبان اگر ہے تو خدا ہے
جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے || اس دین میں خود تفرقہ اب آ کے پڑا ہے
جس دین نے غیروں کے تھے دل آ کے ملائے || اس دین میں اب بھائی خود بھائی سے جدا ہے
جو دین کہ ہمدرد بنی نوعِ بشر تھا || اب جنگ و جدل چار طرف اس میں بپا ہے
جس دین کا تھا فقر بھی اکسیر، غنا بھی || اس دین میں اب فقر ہے باقی نہ غنا ہے
جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب || اب معترض اس دین پہ ہر ہرزہ سرا ہے
ہے دین تیرا اب بھی وہی چشمۂ صافی || دیں داروں میں، پر، آب ہے باقی، نہ صفا ہے
عالم ہے سو بے عقل ہے، جاہل ہے سو وحشی || منعم ہے سو مغرور ہے، مفلس سو گدا ہے
یاں راگ ہے دن رات وہاں رنگِ شب و روز || یہ مجلسِ اعیاں ہے، وہ بزمِ شرفا ہے
چھوٹوں میں اطاعت ہے، نہ شفقت ہے بڑوں میں || پیاروں میں محبت ہے، نہ یاروں میں وفا ہے
دولت ہے، نہ عزت، نہ فضیلت، نہ ہنر ہے || اک دین ہے باقی، سو وہ بے برگ و نوا ہے
ہے دین کی دولت سے بہا علم سے رونق || بے دولت و علم اس میں نہ رونق نہ بہا ہے
شاہد ہے اگر دین تو علم اس کا ہے زیور || زیور ہے اگر علم تو مال سے کی جلا ہے
جس قوم میں اور دین میں ہو علم نہ دولت || اس قوم کی اور دین کی پانی پہ بنا ہے
گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی || پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے
ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر || مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

جس قصر کا تھا سر بفلک گنبدِ اقبال || ادبار کی اب گونج رہی اس میں صدا ہے
بیڑا تھا نہ جو بادِ مخالف سے خبردار || جو چلتی ہے اب چلتی خلاف اس کے ہوا ہے
وہ روشنئ بام و درِ کشورِ اسلام || یاد آج تلک جس کی زمانے کو ضیا ہے
روشن نظر آتا نہیں واں کوئی چراغ آج || بجھنے کو ہے اب گر کوئی بجھنے سے بچا ہے
عشرت کدے آباد تھے جس قوم کے ہر سو || اس قوم کا ایک ایک گھر اب بزمِ عزا ہے
چاوش تھے للکارتے جن رہ گزروں میں || دن رات بلند ان میں فقیروں کی صدا ہے
وہ قوم کہ آفاق میں جو سر بہ فلک تھی || وہ یاد میں اسلاف کی اب رو بہ قضا ہے
فریاد ہے اے کشتئ امت کے نگہباں || بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے
اے چشمۂ رحمت بابیؑ انت و امی || دنیا پہ ترا لطف صدا عام رہا ہے
کر حق سے دعا امت مرحوم کے حق میں || خطروں میں بہت جس کا جہاز آ کے گھرا ہے
امت میں تریٔ نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن || دل دادہ ترا ایک سے ایک ان میں سوا ہے
ایماں جسے کہتے ہیں عقیدے میں ہمارے || وہ تیریٔ محبت، تری عترت کی ولا ہے
ہر چپقلش دہر مخالف میں تیرا نام || ہتھیار جوانوں کا ہے، پیروں کا عصا ہے
جو خاک تیرے در پہ ہے جاروب سے اڑتی || وہ خاک ہمارے لئے داروے شفا ہے
جو شہر ہوا تیریٔ ولادت سے مشرف || اب تک وہی قبلہ تریٔ امت کا رہا ہے
جس ملک نے پائی تریٔ ہجرت سے سعادت || کعبے سے کشش اس کی ہر اک دل میں سوا ہے
کل دیکھئے پیش آئے غلاموں کو ترے کیا || اب تک تو ترے نام پہ اک ایک فدا ہے
ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمہارے || نسبت بہت اچھی ہے اگر حال برا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی || ہاں ایک دعا تریٔ کے مقبول خدا ہے
خود جاہ کے طالب ہیں، نہ عزت کے خواہاں || پر فکر ترے دین کی، عزت کی، صدا ہے
گر دین کو جوکھوں نہیں عزت سے ہماری || امت تریٔ ہر حال میں راضی بہ رضا ہے
ہاں حالیؔ گستاخ، نہ بڑھ حدِ ادب سے || باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلہ ہے
ہے یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہے کون مخاطب || یاں جنبشِ لب خارج از آہنگِ خطا ہے
اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے || امت پہ تیریٔ آ کے عجب وقت پڑا ہے

***

باب

تفکّرات

جہانِ حمد و نعت

اِکتشافِ فکر ، اِقتضائے فن

[حمد و نعت نگاری کے فن اور آداب و اسالیب پر مضامین]

❄

خدا درانتظارِ حمد مانیست
علی محمد عاجزؔ
27

❄

حمد گوئی کے فضائل، تقاضے اور ثمرات
ڈاکٹر اصغر عابدی
35

❄

حمد نگاری کے آداب
طاہر حسین طاہر سلطانی
53

❄

اُردو کی حمدیہ شاعری اور جدید اسلوب
ڈاکٹر عزیز احسن
59

❄

نعت میں تنقید و اِصلاح کی افادیت
علی محمد عاجز
75

❄

نعت گوئی کی فکری وفنی نزاکتیں
ڈاکٹر عزیز احسن
88

❄

❄

❄

❄

علی محمد عاجزؔ

ماگام، بڈگام (کشمیر)

خدا دَر اِنتظارِ حمدِ ما نیست

"ہماری ادبی مجالس اور شعری محافل میں حمد باری تعالیٰ کو نظرانداز کیا جاتا ہے"

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ و علیٰ آلہٖ وصحبہ الیٰ یوم الوعد۔ دنیا کی ساری مخلوق اپنے خالق و مالک رب ذوالجلال کی حمد و ثنا بیان کرنے سے عاجز اور بے بس ہے۔ اگرچہ پوری کائنات اللہ کی تسبیح وتحمید اور تہلیل و تکبیر میں بلاتوقف رطب اللّسان ہے، پھر بھی آخر پر مکلف انسان کے قلب و ذہن کی عمیق گہرائیوں سے یہ صدا آتی رہے گی کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ کہاں وہ ماء مہین کا قطرہ، جسے تبارک اللہ احسن الخالقین نے مختلف تخلیقی مراحل سے گذار کر اس کے وجود کو نہایت خوبصورت پیرائے میں ٹھیک ٹھاک اور درست کرلیا اور قرآن مجید میں لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم اور لقد انزلنا الیکم کتبا فیہ ذکرکم افلا تعقلون کے تعریفی جملے فرما کر اس کی خوب عزت افزائی کی۔ وہی انسان اپنی اکثریت کے ساتھ خود فراموش اور خدا فراموش بن کر اسفل السافلین کی راہ پر چلا جارہا ہے۔ عالم اصغر کہلانے والا انسان اگر خود اپنے آپ پر غور و فکر کرے اور اپنے ہی من میں ڈوب کر دیکھے تو وہ اپنی زندگی کا راز اور سراغ پا کر اپنے رب کے پاس پہنچ جائے گا اور من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ کی توثیق و تصدیق کرے گا۔ پھر عالم اکبر یعنی باہر کی دنیا میں ہر شئے کی تسبیح و تحمید سے اس کے کان بجنے لگیں گے۔ یہ بھی ایک مقام ہے جہاں پر مشہور صحابی عبداللہ بن مسعودؓ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہم پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ غذا تناول کرتے تو کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ہم ان کانوں سے کھانے کی تسبیح کو سنتے تھے۔ سبحان اللہ! انسان کے ہاتھوں تیار شدہ کھانا بھی خیر الرازقین کے ذکر میں محو ہے اور کوئی ایسا بھی ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ سے بھی بے خبر اور غافل ہے تو کھانے کے بعد اس کا الحمد للہ نہ پڑھنا کچھ بھی تعجب کی بات نہیں ہے۔

درونِ سینۂ ما سوز آرزو کجا است
سبو ز ماست ولے بادہ در سبو کجا است
(اقبالؒ)

مسجودِ ملائکہ، خلافتِ الٰہیہ کا علمبردار اور اشرف المخلوقات کا تاجدار جس کے سینے میں قلب ذاکر ہے، آنکھوں میں بحر رحمت ہے اور کانوں میں اللہ کی عظمت اور بزرگی کی بازگشت فطرتاً ودیعت ہے، جب خود اپنی غفلت اور لاپرواہی کے سبب چوپایاں سے بھی بدتر ہو کر پستی کے کھڈ میں جا گرے تو اس سے بڑا المیہ کیا ہو سکتا ہے۔ ہر آقا کو اپنے خادم کی فکر اس کے ماں باپ سے بھی زیادہ ہوتی ہے، جس کے ساتھ اس کا معاہدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آقا کی بے لوث خدمت کرے اور آقا اس کی ہر طرح کی ضرورت اور حاجت کو پورا کرے۔ پھر جب آقا اس معاہدے کی پوری پابندی کرتے ہوئے اپنی ہر ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھائے اور خادم بے وفا بن کر حیلے بہانے تراشتا رہے اور آقا کی خدمت سے جی چراتا جائے، آقا مالک و مختار ہو کر بھی ایسے نالائق خادم کی فوری گرفت کرنے کے بجائے اسے سدھرنے اور سنبھلنے کا خوب موقع دے لیکن خادم پھر بھی اپنی روش سے باز نہ آئے تو ایسے آقا کا کردار کس قدر قابل تعریف ہے۔ اسی قدر ایسے نمک حرام نوکر کا رول بھی قابل مذمت و ملامت ہے۔ بلاتشبیہہ اللہ اور بندہ کے درمیان جو رحمت و محبت کا رشتہ ہے، اس کے مقابلے میں والدین کی اپنے بچوں سے محبت اور شفقت اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے، کیونکہ بروئے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی رحمت و رافت کا صرف ایک فیصد حصہ زمین پر اتارا گیا ہے، جب کہ ننانوے فیصد رحمت کا خزانہ اللہ کے پاس ہے۔

ہر مخلوق جاندار کی ماں کی ممتا صرف ایک فیصد رحمت الٰہی کا نتیجہ ہے۔ عہد میثاق کے بعد عدم سے آتے ہوئے پشت در پشت انسان کو اللہ کی یاد وقت وقت پر دلائی جاتی رہی۔ پیدائش سے لے کر دوبارہ راہئ مُلکِ عدم ہونے تک اسے دن رات اذان و تکبیرات کی گونج سنائی دیتی رہی۔ عالم اسباب میں مسبب الاسباب آقا اسے والدین بیوی اولاد مال و دولت زمین و جائیداد تجارت و معیشت، صحت و فراغت سمیت بے شمار نعمتوں سے نوازتا رہا لیکن یہ متاع غرور کا سودائی ان نعمتوں کو انما اوتیت علیٰ علم عندی کے غرور میں اپنا حق جتلا کر ان کو ہڑپ کرتا رہا اور کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا رہا۔ وہ دنیائے دوں کے حقیر مفادات اور اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے ہر جائز و ناجائز ذریعہ کو اختیار کرتا رہا۔ دوسروں کی خوشامد اور چاپلوسی کرنے کے لیے جھوٹی قصیدہ خوانی اور بے جا تعریفیں کرنے کے لیے اس کے پاس شیریں دہاں اور میٹھی زبان تھی لیکن منعمِ حقیقی رب ذوالجلال کی حمد و ثنا اور شکر و سپاس میں اس کی زبان سے کبھی دو بول بھی نہیں نکلے۔ وہ اللہ کو چھوڑ کر اصحاب اقتدار سیاسی سوداگروں سماجی اور مذہبی رہنماؤں، پیروں، فقیروں اور درویشوں اور گندم نما جو فروشوں کے پاس جا جا کر اُن کی تعریف کرتا اور چوکھٹوں پر جبین سائی کرتا رہا لیکن بدلے میں اس کو مقدر کے سوا اگر کچھ ملا تو دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی

کاشا خسانہ ملا۔ اس کے پاس اللہ کی حمد کرنے کے لیے اس کی نظروں میں کچھ بھی باقی نہ بچا تھا ؎

عزیزے کہ از در گہش سر بتافت

بہ ہر در کہ شد ہیچ عزّت نہ یافت

خالق نے اپنی مخلوق کے اس مانیٹر کی کیا تصویر کھینچی ہے جس کے پاس بقولِ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام ایک سو بھیڑیں تھیں۔ ان میں سے ایک بھیڑ کھوگئی تو لالچی چرواہا باقی ننانوے بھیڑوں کو درندوں کے خطرے میں ڈال کر گم شدہ بھیڑ کی تلاش میں چلا جاتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے ان الانسان لربہ لکنود وانہ علیٰ ذالك لشھید ونۂ لحب الخیر لشدیں۔ یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور وہ خود بھی اس حقیقت پر شاہد ہے اور وہ مال و دولت کی محبت میں بُری طرح مبتلا ہے۔

اس بات کا کیا ملال ہے کہ ہماری ادبی مجلسوں اور مشاعرہ کی محفلوں میں حمد باری تعالیٰ کو نظر انداز کیا جاتا ہے یا یہ کہ لوگ حمد و نعت کو صنف سخن کا درجہ دینے کو تیار نہیں۔ وہ اسے صرف عقیدت کی شاعری قرار دیتے ہیں۔ ایسے تنگ نظر اور تنگ ظرف ادباء و شعراء کے لیے ہی سورہ شعراء کے آخری رکوع میں کہا گیا ہے جو کچھ کہا گیا ہے لیکن اہل ایمان کو اس سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ الحمد للہ۔ عصر حاضر کی تہذیبِ نو نے انسان کے اعصاب پر عورت کو سوار کر رکھا ہے۔ اس کی ہر محفل میں اصنافِ سخن کا محور صنف زن یا صنفِ نازک ہی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ کھلے عام اپنے دل کی بات کہتے ہیں کہ ہم شاعر نہیں تھے لیکن قوم کی حسیناؤں کو دیکھ کر ہم شاعر بن گئے ؎

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس

آہ! بیچاروں کے اعصاب پر عورت ہے سوار

(اقبالؒ)

ظاہر بات ہے کہ ایسی محفلوں کو حمد و ثنائے رب جلیل سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ اصنافِ سخن غزل، نظم، قصیدہ وغیرہ دور جدید کی پیداوار ہیں۔ انسانی ذہن کی اختراع اور تقسیم ہیں جو شرعی قیود و حدود کی پابندی سے آزاد ہیں۔ جب کہ خالق کائنات کی حمد و ثنا ازلی اور قدیم ہے اور ابتدائے آفریش سے ہی ارض و سماء کی پہنائیوں میں مسلسل جاری ہے۔ جرثومہ سے لے کر حاملین عرش تک سب اسی کی تعریفوں کے گن گا رہے ہیں جس کی تعریف انسان کے اصناف سخن میں نہ سما سکتی ہے اور نہ ہی جچتی ہے آیت ما قدرو اللہ حق قدرہ، ان اللہ لقوی عزیز کی رو سے بھی عیاں ہے کہ خالق کی حمد مخلوق کی اصناف سے وراء الوریٰ ہے۔ اسے ماوراہی رہنے دیا جائے۔ یوں بھی تو انسان کا ہر کام بالعموم

ناتمام اور سودائے خام ہی ثابت ہوتا ہے اور بڑی مشکل سے پائے تکمیل کو پہنچ پاتا ہے۔ اس لیے کہ انسان بشر ہی اپنی فطرت میں کمزور پیدا ہوا ہے ظلوماً جھولاً کا مرکب ہے اور سہو وخطا کا پتلا ہے۔ اسی لیے تو اسے بار بار توبہ کرنے اور اپنے رب سے مغفرت مانگنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ولو شاء اللہ لجعلکم امة واحدہ ولٰکن لیبولکم فی ما اٰتکم فاستقبوا الخیرات الی اللہ مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم فیه تختلفون (المائدہ) اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی امت بنا دیتا لیکن جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے اس میں وہ تمہیں آزمانا چاہتا ہے پس تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو تم سب اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہو پھر وہ تمہیں تمہارے اختلاف کے بارے میں سب کچھ بتادے گا۔

معلوم ہوا کہ سب لوگ ایک ہی ڈگر پر نہیں چل سکتے لوگ امتحانی حال میں ہیں ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہونے کے باوجود وہ ایک نہیں ہو سکتے۔ کچھ مومن ہیں کچھ کافر ہیں کچھ مسلمان نیکوکار اور کچھ بدکار ہیں۔ ان میں ظالم بھی ہیں مظلوم بھی ہیں قادیانی بھی ہیں منکرین سنت بھی ہیں ملحدین بھی ہیں اور لادین بھی ہیں۔ مسلکی مکتبی اور فروعی اختلافات کے شکار بھی ہیں اور شکاری بھی ہیں اس پر طرّہ یہ کہ کل حزب بمالدیہم فرحون، ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس پر خوش ہے نازاں ہے، گروہ بندی کے شکار لوگوں کی ساری توجہ ان کے قائدین پر مرکوز ہوتی ہے۔ قرآن وسنت کی واضح ہدایات کے بجائے ان کے مذہبی پیشواؤں کی ہر بات ان کے لیے حرف آخر ہوتی ہے اور وہ اس پر مر مٹنے کو تیار ہوتے ہیں۔ وہ بنی اسرئیل کی طرح اپنے علماء ومشائخ کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جان کر ان کی بندگی کرتے ہیں۔ اپنی کتاب سے بے خبر یہ لوگ ان کی کتاب پڑھتے ہیں ان کی بے جا تعریفیں کرتے ہیں ان کے لیے قیام کرتے ہیں ان کے حضور سجدہ کرنے کو اپنی شان سمجھتے ہیں اور ان کو چنیدہ القاب دے کر ان کے سروں کو اور بھی پُر غرور کر دیتے ہیں۔ بھلا ایسے لوگوں سے رب ذوالجلال کی پُر خلوص اور بے لوث حمد وثنا بیان کرنے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے جو اندھی تقلید کرتے ہوئے نفسانی خواہشات کے غلام ہوں اور اخلاق وآداب کے حدود کو پھاندنے میں ثانی نہیں رکھتے۔ دروغ بر گردن راوی اگر باور نہ ہو تو ان کی مجلسوں میں جا کر صورت حال کا مشاہدہ کیجئے اور اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہ کا ثبوت دیجئے۔

کتاب کفر در بغل خدا کا نام بر زبان
یہ زہد ہے تو الحذر یہ دین ہے تو الامان

ایمان کا تقاضا ہے کہ ملت اسلامیہ کے ادباء وشعراء جو ملک وقوم کی تعمیر وترقی اور فکر ونظر کی اصلاح

میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں جو دین حق کے داعی اور شریعت اسلامی کے پاسبان کی حیثیت سے آقا اور عوام کے درمیان جوڑنے والے پل کا کام انجام دیتے ہیں کہ وہ اپنی اولین فرصت میں کتاب وسنت کے ترجمان بن جائیں۔ دین حق کے اس سرچشمے سے علم وعرفان کی پیاس بجھاتے رہیں اور اپنے رب کی ذات وصفات اور حقوق واختیارات کا علم حاصل کریں۔

قرآن وسنت کے علم کے بغیر حمد ونعت کے سلسلے میں طبع آزمائی کرنا سراسر بے ادبی اور گستاخی ہوگی .....

.... جس میں نوکِ قلم کی ذراسی چوک سے ایسی غلطی سرزد ہوسکتی ہے جس کی تلافی پھر کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح عمر بھر نہیں ہوسکتی اور جو عابد ومعبود کے بیچ وصل کرنے کے بجائے فصل کا باعث بن سکتی ہے۔ معاذ اللہ جو ادبی ذوق رکھنے والے مروجہ علوم سے آراستہ ہوکر کتاب وسنت کے علم سے دور جا پڑے ہیں اور اپنی نثری وشعری تخلیقات میں جو کچھ ان کے ذہن میں آئے اسے وہبی اور عطائی کہہ کر قلمبند کرتے ہیں اور کسوٹی پر پرکھنے کے بغیر ہی نشر واشاعت کے حوالے کرتے ہیں وہ اپنی قوم میں افتراق وانتشار کو ہوا دیتے ہیں اور اصلاح احوال کے فرض منصبی سے بے وفائی کرتے ہیں۔ مورخین ان سے اپنی عقیدت اور عقیدہ کے مطابق چاہے انہیں مایہ ناز سپوت یا بطل جلیل کے طور پر کیوں پیش کریں لیکن کراماً کاتبین کسی لحاظ کے بغیر ان کی کارکردگی پر مہر تصدیق ثبت کریں گے اور اللہ کے حضور کھڑا کریں گے ۔

وہ وقت بھی دیکھے ہیں تاریخ کی گھڑیوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں سے سزا پائی

یہ وہ دن ہوگا جس کے بارے میں ارشاد ہوا ہے وجاءت کل نفس معها سائق و شهيد لقد كنت فى غفلة من هٰذا فكشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد (سورۃ قٓ) اس دن ہر شخص کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا۔ کہا جائے گا کہ تم اس دن سے غفلت میں رہا تو ہم نے آج تیری آنکھوں سے تیرا پردہ ہٹادیا پس آج تیری نظر بڑی تیز ہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہی دو فرشتے ہیں جو دنیا میں اس کے قول وعمل کو دفتر مرتب کرنے پر مامور تھے۔ مراد کراماً کاتبین ہیں ایک اسے عدالت الٰہی کی طرف ہانکتا ہوا لے چلے گا اور دوسرا اس کا نامہ اعمال ساتھ لئے ہوئے ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده۔ اللہ کا فرمانبردار بندہ وہ ہے جو مسلمانوں کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھوں کے شر وفساد سے

محفوظ و مامون رکھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان کی زبان اور قلم سے تیار کردہ اس کا تقریری اور تحریری مواد خود اس کے خلاف بطور شہادت پیش کیا جائے۔ اس نے اللہ کی عظمت کو چھین کر خود اپنی بڑائی کا ڈھنڈورا پیٹ لیا ہوگا۔ اللہ کی تعریفیں کرنے سے زیادہ خود اپنی تعریفیں کی ہوں گی۔ اور اللہ کی سچی تعریفوں سے زیادہ اپنی جھوٹی اور مبالغہ آمیز تعریفیں سن لی ہوں گی۔ ادھر محشر کی عدالت عالیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقدمہ دائر کریں گے۔ وقال الرسول یرب ان قومی اتخذوا ھٰذا القرآن مھجورا (فرقان: ۳۰) کہ اے میرے رب! میری امت نے اس قرآن کو بالکل چھوڑ رکھا تھا۔ نہ اسے قبول کیا تھا نہ اس سے کوئی اثر لیا تھا۔ یہ لوگ احسن الحدیث کے بدلے لھوالحدیث میں قصے کہانیاں اور بے بنیاد جھوٹیں باتیں لوگوں کو سناتے تھے۔ غیر ضروری ترانے گا گا کر مجلسیں گرماتے تھے اور داد و تحسین وصول کرتے تھے۔ سیدھی سادی فقر و قناعت کی زندگی پر پُر تکلف اور شاہانہ طرز حیات کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کے سروں کے اوپر مسجدوں اور خانقاہوں میں پتھروں اور تیروں کے بجائے روپیوں اور نوٹوں کی بارش ہوا کرتی تھی۔ کتاب و سنت کی روشنی میں امت کی اصلاح سے زیادہ یہ سامعین کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بدعات اور خرافات کو فروغ دیتے تھے۔ یہ قرآن ان کی خواہشات کی راہ میں سنگ گراں کی طرح حائل تھا یہ لوگ محفلوں میں صرف اس کی تلاوت پر اکتفا کرتے تھے اور اس کی آڑ میں اپنے من پسند کلام کی ترجمانی اور تشریح کرتے تھے۔ پھر مصنوعی دیوانگی میں الوہیت اور عبدیت کے ڈانڈے ملاتے تھے۔ اور سورہ اخلاص پڑھ پڑھ کر ایصال ثواب کی میٹھی میٹھی ضیافتیں کھاتے تھے۔ اس طرح کتاب و سنت کے ساتھ غفلت اور لاپرواہی برتنے کا خمیازہ انہیں ضرور اٹھانا پڑے گا۔ اور اپنی سچی یا جھوٹی محبت کا انجام دیکھنا پڑے گا۔ یالیت قومی یعلمون۔

مرزا مظہر جان جاناںؒ نے خوب کہا ہے کہ خدا در انتظارِ حمد مانیست۔ اللہ بندوں کی زبان سے حمد و ثنا اور تعریف و توصیف سننے کا منتظر نہیں رہتا۔ جس طرح کہ دنیا کے بادشاہ اپنے امیروں، وزیروں اور لوگوں سے اپنی تعریفیں سننے کے انتظار میں رہتے ہیں۔ اللہ احکم الحاکمین مخلوق کی تعریفوں سے اعلیٰ و بالا ہے اس کی ذات حمید مجید ہے وہ صمد اور غنی ہے وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ سب اس کے محتاج ہیں وہ اپنے بے شمار صفاتی ناموں اسماء الحسنیٰ سے ممتاز اور معروف ہے۔ کوئی آقا تھوڑا ہی اپنے نوکروں کی زبان سے تعریفیں سننے کا محتاج ہوتا ہے۔ اللہ اپنی ثنا آپ ہے ظالم اور جاہل انسان اس کی کیا تعریف کرسکتا ہے۔ انسان کو تھوڑا علم دیا گیا ہے اس کا علم سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ قطرہ بحر بے پایاں کی کیا تعریف بیان کرسکتا ہے۔ امیر المومنین سیدنا علیؓ کا یہ قول کتنا فصیح و بلیغ ہے الحمد للہ

الذی لا یبلغ مدحتہ القائلون۔ کہ حمد ہے اس ذات کے لیے جس کی مدح سرائی تک بولنے والوں کی رسائی نہیں۔ کیونکہ وہ اللہ کے علم میں سے کسی چیز کا نہ ادراک کر سکتے ہیں اور نہ کبھی احاطہ کر سکتے ہیں سوائے جس قدر اللہ چاہے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰؑ اور خضرؑ کے سمندری سفر کے دوران ایک چڑیا کشتی کے ایک سرے پر بیٹھ گئی اور اس نے سمندر کے پانی میں ایک دو چونچیں ماریں۔ یہ دیکھ کر خضرؑ نے موسیٰ سے کہا کہ جتنا پانی سمندر میں سے اس چڑیا کی چونچ مارنے سے کم ہوا۔ تیرے اور میرے علم نے کل ملا کر اتنا ہی اللہ کے علم میں سے کم کیا ہے۔ یا موسیٰ انی علی علم من علم اللہ علمنیہ لا تعلمہ انت وانت علی علم علمکہ لا اعلمہ (بخاری) معلوم ہوا کہ ساری مخلوق کا علم چاہے خضرؑ کا علم تکوینی ہو یا موسیٰؑ کا علم تشریعی ہو اللہ کے علم کے سامنے ناقص اور محدود ہے۔ ہمیں اللہ کے بارے میں اتنا ہی علم ملا ہے جتنا کہ قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے اب جو علم پڑھنے کے باوجود بھی علم قرآن اور علم حدیث کی رُو سے محروم رہا تو ایسا جاہل حمد و نعت کی کیا خبر دے سکتا ہے؟ یہاں عام انسان تو کیا خاص الخواص بھی اللہ کی حمد و ثنا، مدح و ستائش اور شکر و سپاس کو بیان نہ کر سکے اور وہ اللہ کی عظمت و کبریائی کے آگے اپنی عجز و بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ سبحانک ما عبدناک حق عبادتک سبحانک ما عرفناک حق معرفتک سبحانک ما ذکرنا حق ذکرک سبحانک ما شکرنا حق شکرک کہ اے ہمارے پروردگار تیری عبادت و معرفت اور تیرے ذکر و شکر کو جو حق ہم پر تھا وہ ہم سے ادا نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نبوت کے منصب پر فائز ہو کر روز و شب کی اَن تھک محنت و مشقت اور عبادت و تلاوت کے باوجود اپنی عبدیت کا یوں اعتراف فرما گئے۔ لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علیٰ نفسك۔

تیری ثنا ادا کر سکے کیا زبان
زبان میں بھلا اتنی طاقت کہاں

ہم شاہد ہیں کہ اللہ کی ہر نعمت پر اس کی حمد بجا لانے کے تمام آداب اپنی امت کو معلم اخلاق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سکھاتے رہے اور عمل کر کے دکھاتے رہے۔ اسلام ضابطہ حیات کا نام ہے یہ ایک ایسا دستور العمل ہے جو ہماری پوری زندگی پر حاوی ہے اور جس کے سوا کوئی اور خود ساختہ نظریہ حیات عند اللہ قابل قبول نہیں، یہ اللہ کا فرمان ہے کسی شوریٰ کا فیصلہ نہیں۔ ومن یتبغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین۔ اللہ رحم فرمائے کہ ہم نے اللہ کے اس قانون کو عشق و

محبت کا نام دے کر عاشق ہونے کا ڈھونگ رچایا اور دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی اور نقل کرنے میں وہی کچھ کیا جس سے ہمیں منع کیا گیا تھا لیکن ہم رُک نہیں گئے۔ ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاءھم البیّنٰت واُولٰئك لھم عذاب عظیم (آل عمران) ہمیں مثالیں دے کر خوب سمجھایا گیا تھا کہ کتاب وسنت کی آمد کے بعد تم میں کوئی اختلاف نہ رہے۔ لم یکن الذین کفروا من اھل الکتٰب والمشرکین منفکین حتیٰ تاتیھم البینة رسول من اللہ یتلوا صحفا مطھرة فیھا کتب قیمة وما تفرق الذین اوتوا الکتٰب الا من بعد ما جاءتھم البینة۔ لیکن ہم نادانستہ طور پر نہیں بلکہ دانستہ طور پر قرآن اور رسول کے آنے کے بعد بھی اختلاف اور انتشار کی بھینٹ چڑھ گئے اور جمعیت کو متفرق کرتے ہوئے غیر مختتم تقسیم کرنے میں یہود ونصاریٰ کو مات دے کر اول نمبر پر رہے اور نمازوں میں غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پڑھتے ہوئے ان ہی کی تہذیب وتصویر کا مجسمہ بنتے رہے جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور جو راہ حق سے بھٹک گئے۔ جو عبادات اللہ کی حمد وثنا کا مظہر تھیں ہم ان کی رسم پوری کرتے رہے اور اللہ کی بیش بہا نعمتوں، قابلیتوں اور صلاحیتوں کا حظ اٹھاتے ہوئے دوسروں کا شکر ادا کرتے رہے۔ حالانکہ ہم نے کفرانِ نعمت کرنے والوں کا عبرتناک انجام بھی دیکھ لیا۔ ان کی ویران بستیوں کے آثار و کھنڈرات بھی دیکھ لیے لیکن اپنی روش پر قائم رہے۔

حمد کی ضد جب ذم ٹھہرا تو ذم کا دوسرا نام ناشکری ہے کفران نعمت ہے۔ جب زبان پر حمد ہو اور دل میں ناشکری ہو تو یہ بعینہ نفاق ہے اور اللہ کی ناراضی کا باعث ہے۔ اس کی نظر قیل و قال پر نہیں دلوں کے احوال پر ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو نفاق اور ناشکری کی برائیوں سے نجات دے اور ہمیں زندگی بھر اپنی حمد وثنا بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وباللہ توفیق پھر اسی پر ہمارا خاتمہ بھی ہو جائے۔

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
کہ ظرف جو خالی ہے صدا دیتا ہے

***

ڈاکٹر اصغر عابدی
استاد محلہ، جموں خاص

حمد گوئی کے فضائل، تقاضے اور ثمرات

1*; اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ (اٰمین یارَبَّ الْعَالَمِینَ)

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے؛ سب خوبیاں اللہ جل جلالہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا، بہت مہربان رحمت والا، روز جزا کا مالک،، ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا، نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔ (آمین)

2: أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰہَ يُسَبِّحُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَه.(النور، 24: 41)

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ (سب) اللہ جل جلالہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں اور پرندے (بھی فضاؤں میں) پر پھیلائے ہوئے (اسی کی تسبیح کرتے ہیں)، ہر ایک (اللہ جل جلالہ کے حضور) اپنی نماز اور اپنی تسبیح کو جانتا ہے۔'' (سورۃ النور)

3; وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اور اگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی ہوں' اس کے بعد ان میں سات سمندروں کا اور اضافہ ہو تب بھی اللہ جل جلالہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے' بیشک اللہ جل جلالہ بہت غالب' بے حد حکمت والا ہے۔ (سورۃ لقمان)

تفسیر ضیاء القرآن میں ہے؛ روئے زمین پر جتنے درخت ہیں ان کی قلمیں بنالی جائیں اور سمندر روشنائی بن جائے اور جب ایک سمندر کا پانی ختم ہونے لگے تو یکے بعد دیگرے سات سمندروں کے پانی روشنائی بنتے چلے جائیں۔ قلمیں گھس کر رہ جائیں گی۔ سات سمندروں کا پانی ختم ہو جائے گا، لیکن علم الٰہی

کا ایک قلیل حصہ بھی رقم نہیں ہوسکا ہوگا۔ دانائے شیراز نے بھی اپنی حد تک خوب کہا ہے۔

دفتر تمام گشت دیپایاں رسید عمر... ما ہمچناں در اول وصف تو مانده ایم

''کاغذ ختم ہو گیا، عمر انتہا کو پہنچ گئی۔ ہم ساری زندگی سمند رقلم دوڑاتے رہے، تیری صفات کا احاطہ تو کجا ابھی تو تیری پہلی وصف کا بیان بھی مکمل نہیں ہوا''۔

اب ذرا آیت کے کلمات میں غور کیجئے والبحر کے بعد لفظ مداد مقدر ہے۔ کیونکہ یمدہ کا لفظ اس کے معنی پر دلالت کرر ہا ہے، اس لیے اس کا عدم ذکر باعث خلل نہیں۔ والبحر مبتداء ہے یمدہ اس کا حال بھی بن سکتا ہے اور خبر بھی۔ پھر یہ جملہ حال واقع ہوگا۔ کلمات اللہ سے مراد اللہ تعالی کے علوم ہیں کیونکہ وہ غیر متناہی ہیں، اس لیے ان کی گنتی اور شمار محال ہے۔ والمراد بکلماته تعالی کلمات علمه سبحانه وحکمته جل ثناءه (روح المعانی) (ضیاء القرآن)

عربی میں حمد کے معنی ثنائے جمیل کے ہیں یعنی اچھی صفتیں بیان کرنا۔ تعریف کرنا۔

اللہ جل جلالہ کی تعریف میں کہی جانے والی نظم کو حمد کہتے ہیں۔

حمد، نعت و حکمت پر مبنی اشعار نا صرف جائز بلکہ باعث رحمت و برکت ہوتے ہیں۔ فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے؛ حضرت ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً

بعض شعروں میں دانائی ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری 6145, کتاب: ادب کا بیان)

شاعری کی مختلف اصناف میں سے پہلی صنف جس کا یہاں ذکر کیا جارہا ہے ''حمد'' کہلاتی ہے۔ حمد ایک عربی لفظ ہے، جس کے معنی ''تعریف'' کے ہیں۔

حمد باری تعالیٰ، کئی زبانوں میں لکھی جاتی رہی ہے۔ عربی، فارسی اور اردو زبان میں اکثر دیکھی جاسکتی ہے۔ رب کریم کی تعریف ہر زبان میں اور ہر مذہب میں پائی جاتی ہے۔ وہ نظم جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جائے اللہ جل جلالہ کی صفات اس کی عظمت کا ذکر کیا گیا ہو۔ یہ نظم کسی بھی ہیت میں ہوسکتی ہے۔

اللہ جل جلالہ کی تعریف و توصیف ہر زمانے میں ہوتی رہی ہے۔ یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ عربی کا لفظ ''حمد'' اللہ تعالیٰ کی تحمید و تمجید کے لیے مختص ہو گیا ہے۔ جس کے لیے حمد یہ شاعری نے ایک مستقل صنف سخن کی صورت اختیار کر لی ہے۔ صرف عربی، فارسی ہی نہیں دیگر زبانوں میں بھی اس کا ذخیرہ موجود ہے۔

قرآن ایک ایسا مخزن علم ہے جس سے ہر مسئلہ کا حل نکالا جاسکتا ہے۔ یہ ایک ایسا بحر بیکراں ہے جس میں سے ہر قسم کے موتی کھنگالے جاسکتے ہیں سوال غوطہ لگانے کا ہے۔ جو رب کریم کی عطاء ہے جس

کو چاہتا ہے عطاء کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو طریقہ زندگی سکھانے کے لئے اور زندگی کے ہر پہلو پر رہنمائی کے لئے اپنے حبیب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لئے نمونہ بنا کر بھیجا۔

قرآن پاک کی ابتداء اور کئی سورتیں حمد سے اسی مفہوم سے شروع ہوتی ہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ جل جلالہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

یہ ترغیب ہے بنی نوع انسان کے لئے کہ وہ بھی اللہ جل جلالہ کی پاکی بیان کرے۔ یہاں اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ خدائے لم یزل کی پاکی بیان کرنا، اس کی ذات وصفات کی تعریف کرنا حمد کے زمرہ میں آتا ہے۔ یہ قرآن کا اپنا ایک منفرد اسلوب بیان ہے۔

قرآن پاک اور حمد باری تعالیٰ

قرآن پاک میں حمد کے مفہوم کی بہت سی آیات مبارکہ موجود ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔ اللہ جل جلالہ کی اس سے بہتر حمد کیا ہوسکتی ہے کہ وہ خود فرمائے کہ اس کی حمد اس طرح بیان کی جائے۔

1۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ (اٰمين يَارَبَّ الْعَالَمِينَ)

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے؛ سب خوبیاں اللہ جل جلالہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا، بہت مہربان رحمت والا، روز جزا کا مالک،، ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا، نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔ (آمین)

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے؛

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي شَطْرَيْنِ، فَنِصْفُهَا لِي، وَنِصْفُهَا لِعَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَءُوا يَقُولُ الْعَبْدُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سورة الفاتحة آية 2 فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ حَمِدَنِي عَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ،

فَيَقُولُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ سورة الفاتحة آية 3، فَيَقُولُ أَثْنَى عَلَيَّ عَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، يَقُولُ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ سورة الفاتحة آية 4، فَيَقُولُ اللّٰهُ

مَجَّدَنِي عَبْدِي، فَهَذَا لِي، وَهَذِهِ الْآيَةُ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ، يَقُولُ الْعَبْدُ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ سورة الفاتحة آية 5، يَعْنِي فَهَذِهِ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، وَآخِرُ السُّورَةِ لِعَبْدِي، يَقُولُ الْعَبْدُ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ 6 صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلا الضَّالِّينَ 7 سورة الفاتحة آية 6-7، فَهَذَا لِعَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ.

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، آدھا میرے لیے ہے، اور آدھا میرے بندے کے لیے، اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پڑھو! جب بندہ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَمِدَنِي عَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، میرے بندے نے میری حمد و ثنا بیان کی، اور بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے، اور جب بندہ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے أَثْنَى عَلَيَّ عَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، میرے بندے نے میری تعریف کی، اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے، پھر جب بندہ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَجَّدَنِي عَبْدِي، فَهَذَا لِي، وَهَذِهِ الْآيَةُ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ، میرے بندے نے میری عظمت بیان کی تو یہ میرے لیے ہے، اور یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی ہے، یعنی پھر جب بندہ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَهَذِهِ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ وَآخِرُ السُّورَةِ لِعَبْدِي یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی ہے، اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے، اور سورت کی اخیر آیتیں میرے بندے کے لیے ہیں، پھر جب بندہ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ 6 صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلا الضَّالِّينَ (آمین) کہتا ہے تو اللہ جل جلالہ فرماتا ہے فَهَذَا لِعَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ۔ یہ میرے بندہ کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے۔

تخریج دار الدعوہ تفرد بہ ابن ماجہ، (تحفۃ الأشراف ١٤٠٤٥)، وقد أخرجہ صحیح مسلم/ الصلاۃ ١١ (٣٩٥)، سنن ابی داود/ الصلاۃ ١٣٦ (٨٢١) مسند احمد (٢/ ٢٤١، ٢٥٠، ٢٨٥، ٢٩٠، ٤٥٧، ٤٧٨) (صحیح) (سنن ابن ماجہ **3784**، کتاب: آداب کا بیان۔ جلد سوم۔ باب: قرآن کا ثواب۔)

2۔ سورۃ الانعام کی ابتدا اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔

الحمد اللہ الذی خلق السمٰوت والارض

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے؛ تمام تعریفیں اس اللہ جل جلالہ کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔

3۔ اسی طرح آیت الکرسی حمد کی بہترین مثال ہے۔ یہ آیت اکثر لوگوں کو یاد ہوتی ہے اس لئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

4۔ ''سورۃ الحشر'' اور ''الصّف'' اس آیت سے شروع ہوتی ہیں۔

"سبح للہ ما فی السمٰوت و ما فی الارض"

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے؛ پاکی بیان کرتے ہیں اللہ جل جلالہ کی جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور سورۃ الحشر کی آخری آیتیں جن میں اللہ تعالیٰ کے صفات بیان کی گئی ہیں۔ جوامت مسلمہ کے لئے بطور تحفہ اور بہت بابرکت آیات مبارکہ ہیں؛

ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو، عالم الغیب والشھادہ ھو الرحمن الرحیم

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے؛ وہی ہے اللہ جل جلالہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا۔ وہی ہے بڑا مہربان اور رحمت والا

ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الملك القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحٰن اللہ عما یشر کون

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے؛ وہی ہے اللہ جل جلالہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بادشاہ، نہایت پاک، سلامتی دینے والا، امن بخشنے والا، حفاظت فرمانے والا، عزت والا، عظمت والا، تکبر والا۔ اللہ کو پاکی ہے ان کے شرک سے۔

ھو اللہ الخالق البارئ المصور له الاسماء الحسنیٰ یسبح له ما فی السمٰوت والارض وھو العزیز الحکیم

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے؛ وہی ہے اللہ جل جلالہ بنانے والا، پیدا کرنے والا، ہر ایک کو صورت دینے والا اسی کے ہیں سب اچھے نام، اس کی پاکی بیان کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ ہی عزت والا حکمت والا ہے۔

5۔ اسی طرح ''سورۃ الجمعہ'' اور ''التغابن'' کی ابتدا بھی اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔

"یسبح للہ ما فی السمٰوت و ما فی الارض"

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے؛ اللہ جل جلالہ کی بیان کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

6۔سورۃ الاخلاص بہترین حمد ہے اس کے پڑھنے کے بے حساب فوائد و برکتیں ہیں۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ○ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: وہ اللہ جل جلالہ ایک ہے۔ اللہ جل جلالہ بے نیاز ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور نہ اس کا کوئی ہم سیر ہے۔ (الاخلاص: ٤۔١)۔

تفسیر تبیان القرآن میں ہے؛ سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا ذکر فرمایا ہے اور شرک کا رد کیا ہے، اس مناسبت سے ہم چاہتے ہیں کہ توحید پر دلائل دینے کے بعد شرک کی وضاحت کریں۔

اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم ہے، اس کی ہر صفت مستقل بالذات ہے اور وہ مستحق عبادت ہے، سو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب اور قدیم ماننا یا اس کی کسی صفت کو مستقل بالذات ماننا شرک ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز شرک نہیں ہے۔ (تبیان القرآن)

7۔قرآن پاک میں ایسی بھی آیتیں ہیں جن میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں۔

١)... ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ (سورۃ الاعلیٰ، آیت نمبر ١)

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے؛ پاکی بیان کرو اپنے رب کی جو سب سے بلند ہے۔

تفسیر ضیا القرآن میں ہے؛

1 اپنے حبیب کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اپنے پروردگار کی پاکی بیان کیا کرو۔ یعنی اپنے دل میں بھی یہ اعتقاد رکھو اور اپنی زبان سے بھی اس کا اعتراف کرو کہ میرا پروردگار ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔ ہر قسم کے اختیارات کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کے کئی طریقے ہیں۔ اس کے لیے ایسے لفظ استعمال نہ کیا جائے جس میں کسی نقص یا عیب کا شائبہ ہو یا اس کی صفات کمال کے منافی ہو۔ نیز اس کا ذکر ناپاک جگہ، ناپاک حالت میں نہ کیا جائے۔ ایسی محفل جہاں ملحد قسم کے لوگ ہوں، وہاں اس انداز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے کہ وہ مضحکہ اڑانے لگیں۔ اس شخص کے سامنے بھی اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے، جو اس کو ادب و شوق سے سننے کے لیے تیار نہ ہو۔

2 ربک فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی سبوحیت پر دلیل پیش کر دی، جس نے یتیم مکہ کو ان جاودانی عزتوں سے نوازا ہے، جس نے اس امی کو سر نہاں خانہ تقدیر کا محرم بنا دیا ہے، جس نے تمام ظاہری اسباب کے فقدان کے باوجود ہر میدان میں اسے فتح و نصرت عطا فرمائی ہے، جس نے شب اسری اپنے برگزیدہ

بندے کو مکان ولا مکان کی سیر کرادی وہ پروردگار یقیناً ہر عیب سے پاک ہے، بلاشبہ ہر خوبی سے متصف ہے۔ عزت وشان میں، قدرت اور کبرائی میں علم وحکمت میں وہ سب سے ارفع، سب اعلیٰ، سب سے برتر، سب سے بالا ہے، سب اس سے نیچے، کمتر اور فروتر ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو اپنے سجدہ کی تسبیح بنالو۔ (یعنی سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھو) (ضیاء القرآن)

۲)... "وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوبھا" (سورۂ الاعراف، آیت نمبر ۱۸۰)

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے؛ اور اللہ جل جلالہ کے لئے حسن وخوبی کے نام ہیں (یعنی صفتیں ہیں) پس چاہیے کہ انہیں ان صفتوں سے پکارو (دعاء کرو)۔ اسی طرح قرآن پاک میں :

للہ ملك السمٰوٰت والارض ومافیھن

کہہ کر فیصلہ کر دیا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب پر اللہ جل جلالہ ہی کی حکمرانی ہے۔

یعنی حکمرانی صرف اللہ جل جلالہ کے لئے ہے۔ اس کے سوا کسی کو حق حاصل نہیں بجز جتنا وہ جس کو چاہے عطاء فرمادے۔ عطاء کردہ اختیارات جتنے ہی کیوں نہ ہوں وہ محدود ہوتے ہیں اور واپس بھی لے لئے جاتے ہیں۔* اسلام میں اقتدار اعلیٰ کی تعریف*، جو رب کریم کے عطاء کردہ اعلیٰ اختیارات حکومت وقت استعمال کرتی ہے، وہ اعلیٰ اختیارات اقتدار اعلیٰ کہلاتے ہیں۔

اللہ جل جلالہ جس کو جتنا چاہتا ہے اختیارات سے نواز دیتا ہے، کسی کو گھر کا سربراہ، کسی کو ادارے کا، کسی کو ملک کا سربراہ بنادیتا ہے۔ اور پھر اس کا حساب ہوگا، پوچھا جائے گا۔ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے؛

عن ابن عمر ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، انہ قال: " الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ، فالامیر الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہ، والرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسئول عنھم، والمراۃ راعیۃ علی بیت بعلھا وولدہ وھی مسئولۃ عنھم، والعبد راع علی مال سیدہ وھو مسئول عنہ، الا فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ".

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر ایک سے سوال ہوگا اس کی رعیت کا (حاکم سے مراد نگہبان، منتظم اور نگران کار اور محافظ ہے) پھر جو کوئی بادشاہ ہے وہ لوگوں کا حاکم ہے اور اس سے سوال ہوگا۔ اس کی رعیت کا کہ اس نے اپنی رعیت کے حق ادا کیے ان کی جان ومال کی حفاظت کی یا نہیں اور آدمی حاکم ہے اپنے گھر والوں کا اس سے سوال ہوگا ان کا اور عورت حاکم ہے اپنے خاوند کے گھر کی اور بچوں کی اس سے ان کا سوال ہوگا

اور غلام حاکم ہے اپنے مالک کے مال کا اس سے اس کا سوال ہوگا۔ غرض یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک شخص حاکم ہے اور تم میں سے ہر ایک سے سوال ہوگا اس کی رعیت کا۔" (صحیح مسلم، حدیث نمبر: 4724)

اس ہی طرح علمی درجات و روحانی اختیارات ہیں، رب کریم جس کو جتنا چاہے عطاء فرمادے، جس کو چاہے اپنا قرب عطاء فرمادے۔ وہ بہت مہربان سب سے بڑھکر رحم و کرم کرنے والا ہے۔

اللہ رب العالمین اپنی ذات و صفات میں یکتہ ہے، اس کی صفات ذاتی اور لامحدود ہیں۔ اس کی ذات و صفات کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ شریعت نے عبادات کے لئے اوقات مقرر کردیئے ہیں۔ ان اوقات می ان عبادات کو کیا جاسکتا ہے۔ ان کو ممنوع اوقات میں کرنا مکروہ ہے۔

لیکن حمد وثنا اور ذکر اللہ کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کوئی پابندی نہیں، نہ وضو کی نہ پاکی کی۔ ناپاکی کی حالت میں بھی دل ہی دل میں اللہ کو یاد کر کے اس کی حمد وثنا کی جاسکتی ہے۔ اس طرح ہر بندۂ مومن دن رات اللہ جل جلالہ کی حمد وثنا میں کسی نہ کسی طرح رطب اللسان رہتا ہے۔ فرمان رب العالمین ہے؛

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ * ﴿۲۰۵﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور اپنے رب کو اپنے دل میں خوف اور عاجزی کے ساتھ یاد کرو اور زبان سے آواز بلند کیے بغیر صبح اور شام کو یاد کرو اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ" ۔ (الاعراف)

احادیث مبارکہ میں حمد باری تعالیٰ کے کچھ ثمرات

قرآنی آیات مبارکہ میں بڑے واضح انداز میں حمد باری تعالیٰ کو بیان کیا گیا اور بلاشبہ یہ آیاتِ قرآنی اللہ رب العزت کی اکمل ترین اور افضل ترین حمد کا بہترین نمونہ ہیں۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی جابجا انتہائی اہتمام سے حمد باری تعالیٰ کا تذکرہ ملتا ہے۔ اللہ جل جلالہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد جس شان سے بیان کی ہے اس کی مثال ملنا ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت جس مہتمم بالشان انداز میں بیان کی ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنا نہ صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کہنا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (رحمت) بھیجنا اللہ عزوجل کی سنت ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی زندگی سراپا ''حمد'' ہے۔ زندگی کا ایک ایک عمل، قول و فعل ''حمد'' ہے۔ اللہ ﷻ کی مقدس کتاب قرآن کا آغاز بھی ''حمد'' ہے۔ اس کا اختتام بھی ''حمد و مناجات'' ہے۔ ہر جائز کام کی ابتداء حمد (بسم اللہ الرحمن الرحیم) سے کرنے کا حکم ہے۔ وہ کام بابرکت اور باخیریت مکمل ہوتا ہے۔

کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ جس کے پڑھے بغیر اور جس کا اقرار کئے بغیر اور اس پر ایمان لائے بغیر کوئی بندہ مومن نہیں ہوسکتا یہ کلمہ بھی ''حمد'' ہے۔ اس میں بندہ کا یہ اقرار کرنا کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی قدرت والا ہے، سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا، قوی ہے اور ہر چیز پر قادر ہے ہر چیز کا مالک ہے۔ اور محمد ﷺ اللہ ﷻ کے سچے رسول ہیں۔

حمد عبادت ہے اس سے بندوں کو مفر نہیں۔ ''حمد'' اسلام کی روح ہے۔ عبادت کی روح ہے اس کے بغیر ہر عبادت مردہ اور بے جان ہے۔ نماز کی ابتداء حمد سے اور اختتام مناجات پر ہے۔

''حمد'' بندوں کی نجات کا سبب ہے اللہ ﷻ کی رحمت کے دروازے حمد و مناجات سے کھل جاتے ہیں اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا انحصار اسی پر ہے۔ انسان کی زندگی کا کوئی عمل اور کوئی لمحہ حمد سے خالی نہیں۔ نماز، دعاء، تلاوت قرآن، کھانا، پینا، سونا، جاگنا اگر سنت طریقے کے مطابق ہیں تو سب ''حمد'' ہے۔ سبحان اللہ، الحمد للہ، ماشاء اللہ، اللہ اکبر اور اس طرح کے کلمات جو ہر مسلمان کی زبان پر رہتے ہیں ''حمد'' ہی ہیں۔ بندے کا کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتے وقت انشاء اللہ کہنا ''حمد'' ہے۔ بندہ اس وقت یہ اقرار کرتا ہے کہ میرے ارادہ سے کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ ﷻ قادر مطلق ہے وہ اگر چاہے گا تو یہ کام ہوجائے گا۔* اللہ ﷻ کے پیارے حبیب احمد مصطفی ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد جس شان سے بیان کی اور بیان کرنے کی ترغیب دی، اس کا اندازہ چند احادیث مبارکہ سے لگالیجئے*:

۱)..... حضور اکرم ﷺ نماز کی ابتداء حمد سے فرماتے اور قرات کی ابتداء بھی حمد (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ.....) سے فرماتے۔

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، تَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ.

ام المؤمنین سیدۃ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو یہ دعا پڑھتے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، تَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ.

اے اللہ ﷻ! تو پاک ہے اور ساری تعریفیں تیرے لیے ہیں، تیرا نام بابرکت ہے، تیری شان

بلند ہے، اور تیرے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں۔

تخریج دارالدعوہ سنن الترمذی/ المواقیت ٦٥ (٢٤٣)، (تحفۃ الأشراف ١٧٨٨٥)، وقد أخرجہ سنن ابی داود/ الصلاۃ ١٢٢ (٧٧٥) (صحیح) (سنن ابن ماجہ 806، کتاب: اقامت نماز اور اس کا طریقہ)

نماز افضل عبادت وافضل ذکر ہے، نماز کی ابتداء حمد اور اختتام مناجات (دعاء) پر ہے۔

٢)......اللہ عز وجل کی حمد اور رسول اللہؐ پر درود وسلام بھیجنے کے بعد مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے:

وَعَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَاعِدٌ إِذْدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلمعَجَّلْتَ اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ إِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُه، وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ اُدْعُهُ قَالَ ثُمَّ صَلّٰى رَجُلٌ اٰخَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اُدْعُ تُجَبْ۔ (رواہ الترمذی وروی ابوداؤ والنسائی نحوہ)

حضرت فضالہ ابن عبید (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ (ایک روز) جبکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوتے تھے اچانک ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور پھر یہ دعا مانگی۔

اللھم اغفرلی وارحمنی اے اللہ عز وجل مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما! (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اے نماز پڑھنے والے تم نے (دعا کی ترکیب ترک کرکے) جلدی کی اور پھر فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو (نماز کے بعد دعا کے لئے) بیٹھو اور اللہ عز وجل کی تعریف کہ جس تعریف کے وہ لائق ہے بیان کرو اور مجھ پر درود بھیجو، پھر (تم جو چاہو اللہ عز وجل سے مانگو (گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دعا کے یہ آداب وطریقے سکھائے)۔ حضرت فضالہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ایک دوسرے آدمی نے نماز پڑھی (آخر میں) اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بھی بیان کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا (مگر اس نے دعا نہیں مانگی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے، دعا بھی مانگو قبول کی جائے گی۔ (جامع ترمذی، سنن ابوداود، سنن نسائی) (مشکوۃ شریف 895، کتاب: نماز کا بیان) اور حضرت بریدہ اسلمی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک شخص کو ان کلمات کے ساتھ:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔

اے اللہ جل جلالہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں بایں طور کہ میں تجھے گواہ بناتا ہوں اس بات پر کہ تو ہی اللہ جل جلالہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، تو اکیلا (معبود) ہے تو بے نیاز ہے، (تو کسی کا محتاج نہیں تیرے سب محتاج ہیں)، (تو ایسا بے نیاز ہے) جس نے نہ کسی کو جنا ہے اور نہ ہی کسی نے اسے جنا ہے، اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہوا ہے، دعا کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: قسم ہے اس رب کریم کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! اس شخص نے اللہ جل جلالہ سے اس کے اس اسم اعظم کے وسیلے سے مانگا ہے کہ جب بھی اس کے ذریعہ دعا کی گئی ہے اس نے وہ دعا قبول کی ہے، اور جب بھی اس کے ذریعہ کوئی چیز مانگی گئی ہے اس نے عطاء کی ہے۔ (سنن الترمذی 3475, کتاب: دعاؤں کا بیان)

تمام اسم اعظم کے مبارک کلمات حمد ہی تو ہیں

۳)......حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمد کے کچھ ثمرات اس طرح بیان فرمائے؛

عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ سَالِمٍ أَنَّ أَبَا أُمَامَةَ حَدَّثَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِلْءَ مَا خَلَقَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِلْءَ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ مَا أَحْصَى كِتَابُهُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِلْءَ مَا أَحْصَى كِتَابُهُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ كُلِّ شَيْءٍ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِلْءَ كُلِّ شَيْءٍ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ مِثْلَهَا فَأَعْظِمْ ذٰلِكَ

حضرت ابوامامہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص یہ کلمات کہہ لے اسے عظمت (بزرگی، عزتیں) نصیب ہوگی؛

الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِلْءَ مَا خَلَقَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِلْءَ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ مَا أَحْصَى كِتَابُهُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِلْءَ مَا أَحْصَى كِتَابُهُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ كُلِّ شَيْءٍ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِلْءَ كُلِّ شَيْءٍ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ مِثْلَهَا

تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ کے لئے ہیں اس کی مخلوقات کی تعداد کے برابر تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ کے لئے ہیں اس کی مخلوقات کے بھرپور ہونے کے بقدر تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ کے لئے ہیں آسمان و زمین کی چیزوں کی تعداد کے برابر تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ کے لئے ہیں آسمان و زمین کے بھرپور کے بقدر، تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ کے لئے ہیں اس کی تقدیر کے احاطے میں آنے والی چیزوں کی تعداد کے برابر تمام

تعریفیں اللہ ﷻ کے لئے ہیں احاطہ تقدیر میں آنے والی چیزوں کے بھرپور ہونے کے بقدر تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں ہر چیز کی تعداد کے برابر تمام تعریفیں اللہ ﷻ کے لئے ہیں ہر چیز کے بھرپور ہونے کے بقدر اور اسی طرح اللہ ﷻ کی پاکیزگی ہے۔ (مسند امام احمد، جلد 9۔ باب: حضرت ابوامامہ صدی بن عجلان ابن عمرو بن وہب باہلی (رضی اللہ عنہ) کی مرویات۔ حدیث نمبر: 2198)

٤)...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ سے اور جائز کام کی ابتداء سے پہلے حمد کرنے کی ترغیب دی؛

عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَّمَنَا خُطْبَةَ الْحَاجَةِ الْحَمْدُ لِلَّهِ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ثُمَّ يَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا قَالَ أَبُو عَبْد الرَّحْمَنِ أَبُو عُبَيْدَةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ شَيْئًا وَلَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَلَا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ

حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطبہ حاجۃ سکھایا، اور وہ یہ ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُه

تمام تعریفیں اللہ ﷻ کے لیے ہیں، ہم اسی سے مدد اور گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں، اور ہم اپنے نفسوں کی شرانگیزیوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیدے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، اور جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ ﷻ کے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، پھر آپ یہ تین آیتیں پڑھتے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُون

اے ایمان والو! اللہ ﷻ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان،۔(آل عمران:۱۰۲)۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَائَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا،

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت پھیلا دیئے، اور اللہ ﷺ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو۔ بیشک اللہ ﷻ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے،(سورۃ النساء)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا۔

اے ایمان والو! اللہ ﷻ سے ڈرو اور صحیح و درست بات کہو۔(سورۃ الاحزاب)۔

(سنن ابی داود/ النکاح ۳۳ (۲۱۱۸)، وقد أخرجہ: سنن الترمذی/ النکاح ۱۷ (۱۱۰۵)، سنن ابن ماجہ/ النکاح ۱۹ (۱۸۹۲)، مسند احمد ۱/ ۳۹۲، ۴۳۲) (صحیح) (سنن النسائی، کتاب: جمعہ کا بیان، جلد اول۔باب: خطبہ کس طریقہ سے پڑھے؟۔حدیث نمبر: 1409)

۵)......کچھ کلمات اور انکے مختصر ثمرات

1. سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ۔(صحیح مسلم 6903)

فضیلت؛ان چار مبارک کلمات کا تین مرتبہ پڑھنے کا وزن بہت زیادہ ہے۔

2۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ(صحیح مسلم 1352)

فضیلت؛حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

رَأَيْتُ اثْنَيْ عَشَرَ مَلَكًا يَبْتَدِرُونَهَا أَيُّهُمْ يَرْفَعُهَا

میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ جو ان کلمات کو اوپر لے جانے کے لئے جھپٹ رہے تھے۔

3۔ اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا۔ (صحیح مسلم 1353)

فضیلت؛ان مبارک کلمات کے لئے آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے ان کلمات کو پھر کبھی نہیں چھوڑا جب سے اس بارے میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ (کہ مجھے تعجب ہوا کہ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھولے گئے)

حمد باری تعالیٰ اور مناجات میں فرق

حمد مدح رب العالمین ہے* تو مناجات اس سے مانگنے کا ایک مخصوص انداز ہے۔ یہ وہ طریقہ دعا ہے جس میں بندہ اپنے رب کے حضور اپنے آپ کو کمتر، حقیر اور گناہ گار ہو کر پیش کرتے ہوئے التجا کرتا ہے۔ اس لئے ہر مناجات دعا ہو سکتی ہے لیکن ہر دعا مناجات کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی۔ دعا تو ہر کوئی کرتا ہے لیکن مناجات کا تعلق ایمان سے ہے۔ ایک صاحب ایمان اور متقی شخص کو ہی یہ کیفیت عطاء ہوتی ہے۔

قرآنی مناجات کا یہ بھی ایک خوبصورت انداز ہے، اور مانگنے کا طریقہ سیکھا دیا، کہ جب دعاء مانگو تو پہلے رب کریم کی حمد کرو، پھر درود پاک پڑھکر دعاء مانگو۔ عطاء ہوگا۔۔ اِن شاء اللہ

مناجات میں بندہ کا تعلق اللہ جل جلالہ سے مضبوط ہوتا ہے۔ مانگنا، آہ وزاری کرنا، پچھتانا اور معافی مانگنا اللہ کو بہت پسند ہے۔ اللہ جل جلالہ نے بندوں کو معافی مانگنے کے لئے کہا ہے۔ اپنے جلال اور عزت کی قسم کھا کر کہا ہے کہ تم مجھ سے مانگو میں عطا کروں گا۔ مجھ سے معافی چاہو میں معاف کروں گا۔ گناہوں پر ندامت کے آنسو بہاؤ میں ستاری کروں گا اور گناہوں کو معاف کر دوں گا بلکہ انھیں نیکیوں سے مبدّل کر دوں گا اور مزید برکتیں عطاء کروں گا۔ ایسی تمام دعائیں جس میں بندہ اپنے رب کے حضور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے دعا مانگتا ہے یا جس کے پڑھنے سے خود بخود رقت کی کیفیت طاری ہو جائے اور اسے اپنے گناہ یاد آنے لگیں مناجات کے زمرہ میں آتی ہیں۔ دعاء نہ مانگنا اپنے آپ پر ظلم ہے۔ اور دل کی سختی کے سبب بندہ پر دعاء کا دروازہ نہیں کھلتا۔ دعاء عاجزی کے ساتھ کیجیے۔ چند دعائیں دیکھئے:

۱)... *ربناظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین"*۔ (سورۃ الاعراف، آیت نمبر ۲۳)

اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر ہمیں معاف نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

۲)... *ربنالا تواخذنا ان نسینا اواخطأنا ربنا ولاتحمل علینا اصراً کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا ولاتحملنامالا طاقتلنا به وعف عنا

وغفرلنا والرحمنا انت مولانا فانصرناعلی القوم الکافرین،* ۔(سورۂ البقرہ، آیت نمبر ۲۶۸)

اے ہمارے رب نہ پکڑ کر ہماری اگر ہم بھولیں یا کوئی غلطی کریں۔اے ہمارے رب ہم پر بھاری بوجھ نہ ڈال جیسا کہ تو نے ہم سے اگلوں پر رکھا تھا۔اے ہمارے رب اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہمیں معاف فرما دے اور بخش دے ہمیں اور ہم پر رحم فرما۔تو ہمارا مولیٰ ہے اور کافروں پر ہماری مدد فرما۔آمین یارَبَّ الْعَالَمِیْن

۳)......حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک جامع دعاء؛

عَنْ طَاوُسٍ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ لَكَ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَوْ لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ قَالَ سُفْيَانُ وَزَادَ عَبْدُ الْكَرِيمِ أَبُو أُمَيَّةَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ سُفْيَانُ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ أَبِي مُسْلِمٍ سَمِعَهُ مِنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت طاؤس نے اور انہوں نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات میں تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ لَكَ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ

وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَوْ لَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔

(ترجمہ) اے میرے اللہ جل جلالہ! ہر طرح کی تعریف تیرے ہی لیے زیبا ہے، تو آسمان اور زمین اور ان میں رہنے والی تمام مخلوق کا سنبھالنے والا ہے اور حمد تمام کی تمام بس تیرے ہی لیے مناسب ہے آسمان اور زمین اور ان کی تمام مخلوقات پر حکومت صرف تیرے ہی لیے ہے اور تعریف تیرے ہی لیے ہے، تو آسمان اور زمین کا نور ہے اور تعریف تیرے ہی لیے زیبا ہے، تو سچا ہے، تیرا وعدہ سچا، تیری ملاقات سچی، تیرا فرمان سچا ہے، جنت سچ ہے، دوزخ سچ ہے، انبیاء (علیھم السلام) سچے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے ہیں اور قیامت کا ہونا سچ ہے۔

اے میرے اللہ جل جلالہ! میں تیرا ہی فرماں بردار ہوں اور تجھی پر ایمان رکھتا ہوں، تجھی پر بھروسہ ہے، تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں، تیرے ہی عطا کئے ہوئے دلائل کے ذریعہ بحث کرتا ہوں اور تجھی کو حکم بناتا ہوں۔ پس جو خطائیں مجھ سے پہلے ہوئیں اور جو بعد میں ہوں گی ان سب کی مغفرت فرما، خواہ وہ ظاہر ہوئی ہوں یا پوشیدہ۔ آگے کرنے والا اور پیچھے رکھنے والا تو ہی ہے۔ معبود صرف تو ہی ہے۔ یا (یہ کہا کہ) تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

ابوسفیان نے بیان کیا کہ عبدالکریم ابوامیہ نے اس دعا میں یہ زیادتی کی ہے (لاحول ولاقوۃ الا باللہ) سفیان نے بیان کیا کہ سلیمان بن مسلم نے حضرت طاؤس سے یہ حدیث سنی تھی، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنھم) سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ (صحیح البخاری **1120**، کتاب: نماز قصر کا بیان؛ باب: باب: رات میں تہجد پڑھنا۔)

اردو ادب میں بھی اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنے والوں نے اپنی محبت کا اظہار اپنے الفاظ میں حمد و نعت کے ذریعے کیا ہے۔ مفسر قرآن احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی حمد کے چند اشعار دیکھئے:

نام لوں کیوں نہ شب و روز خدایا تیرا / تو ہے معبود مرا ، اور میں بندہ تیرا
کون سی جا ہے، نہیں جس میں اُجالا تیرا // کون سی شے ہے وہ ، جس میں نہیں جلوہ تیرا
تم ہوجائے گی اک روز یہ دنیا ساری / ذکر لیکن کبھی کم ہو نہیں سکتا تیرا
مجھ کو دنیا بھی مٹائے تو نہیں مٹ سکتا / ہے کرم جب مرے اللہ تعالیٰ تیرا

ہیں جو دنیا کے سہارے وہ سبھی جھوٹے ہیں/ /اس لیے ہے مجھے ، اللہ! بھروسہ تیرا
کامیابی ہے تو بس دونوں جہاں میں اس کی/ /ہو گیا جو مرے اللہ تعالیٰ تیرا
تو کسی سے ہے نہ پیدا نہ کوئی ہے تجھ سے/ /میرے مولا! نہیں ثانی ، نہیں ہمتا تیرا
تیرا بندہ ہوں ، مجھے غیر سے مطلب کیا ہے/ /مجھ کو کافی ہے خداوند سہارا تیرا
(آرزوئے بخشش)

مفتی احمد یار خان نعیمیؒ کی ایک حمد:

اے خالق و مالک ربِ اعلیٰ، سبحان اللہ سبحان اللہ
تو رب ہے میرا میں بندہ تیرا، سبحان اللہ سبحان اللہ
ہم منگتے ہیں تو معطی ہے، ہم بندے ہیں تو مولیٰ ہے
محتاج تیرا ہر شاہ و گدا، سبحان اللہ سبحان اللہ
ہم جرم کریں تو عفو کرے، ہم قہر کریں تو مہر کرے
گھیرے ہے جہاں کو فضل تیرا، سبحان اللہ سبحان اللہ
تو والی ہے ہر بیکس کا، تو حامی ہے ہر بے بس کا
ہر ایک کے لئے در تیرا کھلا، سبحان اللہ سبحان اللہ
ہم عیبی ہیں ستار ہے تو، ہم مجرم ہیں غفار ہے تو
بدکاروں پر بھی ایسی عطا، سبحان اللہ سبحان اللہ
یہ سالک مجرم آیا ہے، اور خالی جھولی لایا ہے
دے صدقہ رحمت عالم کا، سبحان اللہ سبحان اللہ

(مفتی احمد یار خان نعیمیؒ)

حقیقت تو یہ ہے کہ حمد کا بندہ کو ہی فائدہ ہوتا ہے۔ اللہ ﷻ کی شان تو بہت بلند ہے۔ حمد کی توفیق ملنا بھی نعمت وعطاء ہے۔ جب بندہ رب کریم کی حمد بیان کرتا ہے تو بندہ کو رفعتیں عطاء ہوتی ہیں۔ اور آج بھی ان کا نام باقی ہے۔ حمد سے توکل علی اللہ کی نعمت عطاء ہوتی ہے۔

مناجات کا، دعاء کا دروازہ اس پر کھل جاتا ہے اور رب کریم اپنے فضل و کرم سے اسکی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ کبھی وہی چیز عطاء کی جاتی ہے، کبھی اس سے بہتر تو کبھی اس کے سبب مشکلات سے نجات ملتی ہے اور کچھ کو بروز قیامت اس کے اجر سے نوازا جائے گا۔ ان شاء اللہ

اگر قبولیت دعاء میں تاخیر ہو بھی تو رب کریم کی رضاء پر راضی رہے اور اپنا محاسبہ کرے۔
یاد رکھیں حلال لقمہ کے سبب جسم میں قوت دل میں نور اور دعاء میں اخلاص پیدا ہوتا ہے، جبکہ لقمہ حرام سے جسم اور نسل میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ دعائیں قبول نہیں ہوتیں بلکہ اکثر اخلاص کے ساتھ دعاء کی توفیق ہی نہیں ملتی فرمان مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ وَقَالَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اے لوگوں اللہ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے اور اللہ جل جلالہ نے مومنین کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو دیا اللہ جل جلالہ نے فرمایا اے رسولو! تم پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو میں تمہارے عملوں کو جاننے والا ہوں اور فرمایا اے ایمان والو ہم نے جو تم کو پاکیزہ رزق دیا اس میں سے کھاؤ، پھر ایسے آدمی کا ذکر فرمایا جو لمبے لمبے سفر کرتا ہے پریشان بال جسم گرد آلود اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف دراز کر کے کہتا ہے اے رب اے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام اور اس کا پینا حرام اور اس کا لباس حرام اور اس کی غذا حرام تو اس کی دعا کیسے قبول ہو۔ (صحیح مسلم **2339** کتاب: زکوۃ کا بیان)

المختصر، رب کریم کی ربوبیت وعظمت کا اقرار کر کے اخلاص کے ساتھ دعاء کیا کریں، درود پاک لقمہ حلال اور جائز دعاء ہونا شرط ہے۔ اپنے والدین، اہل وعیال، اساتذہ اکرام اور امت مسلمہ کے لئے ہمیشہ دعائیں کرتے رہیں، اس کے سبب آپ کی دعائیں قبول ہوں گی۔ ان شاء اللہ اور اہل وعیال، عزیز واقارب اور مسلمان بھائی کے خلاف مذاق میں بھی کبھی بد دعاء نہ کریں۔ ممکن ہے وقت قبولیت ہو۔ رات سونے سے پہلے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دعائیں کر کے سویا کریں اور چند منٹ اپنے اعمال پر نظر ڈالیں، غلطیاں ہوگئی ہوں تو استغفار کریں۔ اور آئندہ اس سے بچنے کا عہد کریں۔ واللہ اعلم

***

طاہر حُسین طاہرؔ سلطانی

کراچی

حمد نگاری کے آداب

قرآن اور حمد باری تعالیٰ :

قبل اس کے کہ ہم اُردو حمد کا جائزہ لیں آیئے دیکھتے ہیں کہ اس حوالے سے قرآن مجید میں اللہ جل شانہٗ کیا بیان فرمارہے ہیں : (۱) ''ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے سب اللہ کی حمد کرتے ہیں۔'' (القرآن)

(۲) ''جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرو اور اس سے بخشش چاہو بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' (سورۂ نصر)

(۳) ''جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔ اے رب ہمارے لیے تو نے یہ بیکار نہیں بنایا پاکی ہے تیرے لیے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔'' (سورۂ آلِ عمران۔ آیت:۱۹۱)

(۴) ''اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' (سورۂ نور، آیت:۴۱)

(۵) ''اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی غالب اللہ اور حکمت والا ہے اسی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے وہی اوّل بھی ہے اور آخر بھی وہی ظاہر بھی ہے اور پوشیدہ بھی اور وہی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور وہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا کیے۔'' (سورۃ الحدید، رکوع:۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

(۶) سب حمد اللہ کو جو پالنے والا سارے جہان والوں کا بہت مہربان نہایت رحمت والا (سورۂ فاتحہ، آیت:۱۔۲)

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝

(۷) وہ پورب کا رب اور پچھم کا رب، اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اسی کو اپنا کارساز بناؤ

(سورۂ مزمل، آیت:۹)

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ يُّدْخِلُ مَن يَّشَآءُ فِي رَحْمَتِهٖ

(۸) بیشک اللہ علم و حکمت والا ہے، اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے جسے چاہے

(سورۂ دہر، آیت:۳۰۔۳۱)

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝

(۹) اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے

(سورۂ اعلیٰ، آیت:۱)

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ ۝

(۱۰) کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں

(سورۂ التین، آیت:۸)

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝

(۱۱) تمہیں غافل رکھا، مال کی زیادہ طلبی نے یہاں تک کہ تم نے قبروں کا منہ دیکھا

(سورۂ تکاثر، آیت:۱۔۲)

(۱۲) تو اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو۔ (سورۂ نصر، آیت:۳)

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝

(۱۳) پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ (سورۂ علق، آیت:۱)

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

(۱۴) اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اسی کا ملک ہے اور اسی کی حمد اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورۂ تغابن، آیت:۱)

تَبٰرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ۝

(۱۵) بڑی برکت والا ہے وہ جس کے قبضہ میں سارا ملک اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے۔ اور وہی زبردست بخشش والا ہے۔ (سورۂ ملک، آیت: ۱۔۲)

حمد و ثنا اس خدائے برتر کے لیے جو وحدہٗ لا شریک ہے

درود و سلام اس نبیؐ آخر الزماں پر جو محبوبِ خدا ہے

صنف حمد مخصوص ہے رب کائنات اللہ عز وجل کی مدح و ثناء کے لیے خود اللہ رب العزت نے ''توریت شریف''، ''انجیل شریف''، ''زبور شریف'' اور ''قرآن مجید'' میں اپنی حمد مختلف مقامات پر بیان کی ہے مثلاً: سورۂ فاتحہ۔ سورۂ اخلاق۔ آیۃ الکرسی اور اسی طرح ایک بڑی تعداد قرآنی آیات کی ایسی ہے کہ جن میں بڑے واضح انداز میں حمد باری تعالیٰ کو بیان کیا گیا اور بلا شبہ یہ آیاتِ قرآنی اللہ رب العزت کی اکمل ترین اور افضل ترین مد کا بہترین نمونہ ہیں۔ اسی طرح احادیث شریف میں بھی جا بجا انتہائی اہتمام سے حمد باری تعالیٰ کا تذکرہ ملتا ہے۔ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد جس شان سے بیان کی ہے اس کی مثال ملنا ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت جس مہتمم بالشان انداز میں بیان کی ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے:

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ۝ (سورۃ النشراح، آیت: ۴)

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝ (سورۃ الانبیاء، آیت: ۱۰۷)

یہ وہ انداز اور مقام مدحت ہے جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصافِ حمیدہ جس طرح بیان کئے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنا نہ صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت ہے بلکہ تمام انبیاء کرام کی سنت ہے اور اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت کہنا اللہ عز وجل کی سنت ہے چنانچہ بات اس طرح سامنے آتی ہے کہ حمد و نعت کا ورد ہر مسلمان کے لیے نہ صرف ضروری بلکہ ایک ایسا لازمی فریضہ ہے کہ جس سے غفلت برتنے میں خسارہ ہے۔ خود اللہ عز وجل نے قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر حمد کہنے کا حکم دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خطبات کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے قلب و ذہن کو کسی لمحہ بھی اللہ کی حمد سے غافل نہیں کیا۔ آپ صحابہ کرامؓ کو بھی حمد باری کی اکثر و بیشتر تلقین فرمایا کرتے۔ حمد باری نہ صرف ایک عظیم الشان موضوع ہے بلکہ ایک اہم ترین فریضہ بھی۔ اس میں ان گنت پہلو ایسے ہیں جن پر شعراء و شاعرات اور اہل قلم، اپنی فکری کاوشوں کو استعمال کر کے اللہ

رب العزت کی رضا حاصل کر سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ''اے ایمان والو تم دین خدا کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے اندر ثابت قدمی اور مضبوطی پیدا کر دے گا۔''

حمد کی ادائیگی افضل ترین عبادت ہے

حمد کے لغوی معنی مالک ارض وسما کی تعریف وثنا اور توصیف بیان کرنا ہے اللہ رب العزت کی تخلیقات کا شمار نا ممکن ہے۔ اب جو بھی تخلیق ہماری نظر سے گزرتی ہے اسے دیکھ کر سبحان اللہ کہہ دینا بھی حمد ہے۔ جس کا مقصد اس شاہکار کے خالق کی عظمت و برتری کا اعتراف کرنا ہوتا ہے جس چیز کو دیکھ کر اس کے خالق حمد کی جاری ہے اس کا ٹھیک ٹھیک علم بھی ہونا ضروری ہے محض گمان کی بنیاد پر حمد نہیں کی جا سکتی۔ ''حمد'' کا حق محض فریب تخیّل، توہم پرستی اور اندھی عقیدت سے ادا نہیں ہوتا اس کا سر چشمہ یقین محکم اور ایمان کامل ہوتا ہے۔

حمد سرور انبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت ہے۔

حمد اللہ رب العزت کی خلاقیت وحاکمیت کا اقرار ہے۔

حمد اعترافِ عبدیت کا اعتراف ہے۔

حمد اللہ جل شانہ کی یکتائی ووحدانیت کا اعلان ہے۔

حمد عبادت بھی ہے اور شانِ عبادت بھی۔

حمد تمام عبادات میں افضل ترین عبادت ہے۔

حمد ادب ہی نہیں بلکہ روحِ ادب ہے۔

حمد اردو ادب میں مستقل اک صنف ہے۔

حمد قرآن ہے، حمد راہِ مستقیم ہے، حمد رضائے ربُّ العزت ہے۔

حمد گوئی کے فضائل

حمد کی فضیلت کا اندازہ یوں لگائیے کہ کفار مکہ کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا جا رہا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تم اپنے اللہ کی حمد چھوڑ دو (نعوذ باللہ)، ہم تمہیں ہیرے جواہرات کی دولت ہی نہیں بلکہ تمہاری ہر خواہش پوری کریں گے۔ مگر رحمۃً للعالمین نے دنیاوی عیش وعشرت کو چھوڑ کر حمد باری کا وظیفہ جاری رکھا۔ حمد باری تعالیٰ تمام مسلمانوں پر فرض ہے چونکہ نماز فرض ہے اور نماز میں اگر آپ سورۂ فاتحہ

نہیں پڑھیں تو آپ کی نماز نہیں ہوگی۔اُمّ الکتاب کے پہلے حصہ میں اللہ جل شانہٗ کی حمد کی جاری ہے۔دوسرے حصہ میں مالک ارض وسماوات سے حاجات طلب کی جارہی ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظیم کتاب کا آغاز ہی حمد سے کیا گیا ہے۔معلوم ہوا کہ حمد کے بغیر صراط مستقیم کا حصول اس پر تاحیات گامزن رہنا اور رضائے رب العالمین کا حصول ممکن ہی نہیں۔

حمد کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران انبیاء کرام نے حمدِ رب العالمین کا اس مہتم بالشان طریقے سے اہتمام کیا کہ پروردگار عالم نے کائنات کی ان بزرگ ترین ہستیوں کو عظیم مرتبے عطا فرمائے۔یہی حال صحابہ کرام بالخصوص چاروں خلفائے راشدین کا بھی ہے اسی طرح صدقین شہداء صالحین اور صوفیاء کرام نے نغمۂ حمد کو اپنے قلوب کی اور زبانوں پر سجائے رکھا۔حضرت آدمؑ کی قید سے رہائی حمد کی برکت حضرت نوحؑ کی کشتی کنارے لگی حمد کا صدقہ،حضرت یونسؑ کی شکم ماہی سے رہائی حمد باری کا کرشمہ ہے حضرت ایوبؑ کی بیماری سے شفایابی۔حمد رب کا کمال نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرت ابراہیمؑ پر نار نمرود کا گل وگلزار ہوجانا۔یہ حمد رب العالمین کے ثمرات میں سے ایک ثمر ہی تو تھا۔امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کی شہر امن کی خاطر شہادت کے موقع پر بصیرت ربانی کے طفیل صبر واستقلال صرف اور صرف وظیفۂ حمد کی فضیلت کی ایک اعلیٰ مثال ہے فضیلت حمد دیکھئے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے حمد ربّ العزت بیان کی اور ایک کاغذ پر لکھ کر دریائے نیل کے حوالے کردی۔دنیا نے اس تاریخی واقعے کے اندر ایمان کامل کے تحت فضیلت حمد کا مشاہدہ بھی کرلیا،سبحان اللہ سبحان اللہ

حمد کیا ہے؟

حمد منشائے ایزدی ہے۔حمد سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔حمد حسن کائنات ہے شعور وفہم وادراک کا منبع ہے۔حمد خزینۂ رحمت ہے حمد سے عزت وعظمت ہے۔حمد راہِ مستقیم ہے۔حمد تحفۂ عظیم ہے۔حمد رنج والم کا مداوا ہے۔حمد مسرت وشادمانی کا سرچشمہ ہے۔حمد سانسوں میں ایمان کی روانی ہے۔حمد زندگی کا قرینہ ہے۔حمد جو ہر طوفاں سے بچالے وہ سفینہ ہے۔حمد خوشبوں ہے رنگ ونکہت ہے حمد نعت ہے۔حمد فرحت ہے۔حمد انصاف کی کسوٹی ہے۔حمد پرچم ہے رحمتوں والا۔حمد تو حق کا بول بالا ہے۔حمد سب انبیاء کی سنت ہے۔حمد خلفائے راشدین کا وظیفہ حیات ہے۔حمد ہے نورِ کُل جہانوں کا۔حمد سے نور آسمانوں کا۔حمد ادراک سب جہانوں کا۔حمد مومن کے دل کی دھڑکن ہے۔

حمد قرآن بھی ایمان بھی ہے۔حمد اللہ کی پہچان بھی ہے۔حمد آجر کی سچی اجرت ہے۔حمد قوّت ہے حمد جرأت ہے۔حمد مظلوم کی وکالت ہے۔حمد سچائی کی دلالت ہے۔حمد اللہ کی رضا ٹھہری۔حمد کی وسعتیں بہت گہری۔حمد سب کی زباں پہ آتی ہے۔حمد ذلت سے بھی بچاتی ہے۔حمد جھومر ہے، ہر عبادت کا۔حمد حسن ادب ہی نہیں، روحِ ادب بھی ہے۔حمد ایمان کی پہچان ہے بلکہ ایمان کی جان ہے۔

تو پھر آیئے ہم سب مل کر حمد کا وظیفہ صبح وشام کریں نہ صرف زبان وقلم سے بلکہ قلب کی دھڑکنوں کو بھی اس وظیفہ حمد میں اس طرح شریک کرتے ہوئے کہ ان سے بھی ہر آن صدائے اللہ اکبر آتی رہے یہاں تک کہ وقت اجل آجائے۔

آدابِ حمد گوئی

(۱) حمد کہنے کے لیے قرآن فہمی اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مطالعہ ضروری ہے۔

(۲) حمد، نثر میں ہو یا نظم میں اخلاق کی متقاضی ہے۔

(۳) حمد لکھیں پڑھیں اور سنیں ضرور مگر عمل شرط اوّل ہے۔

(۴) حمد میں رب العزت کے شایان شان حمد کا گلدستہ سجائیں اور پرواز فکر بلند رکھیں۔

(۵) حمد بیان کرتے ہوئے عاجزی کے پیکر بن جائیں۔

(۶) حمد کے لیے قلب کی طہارت وآنسوؤں سے وضو ہو تو سبحان اللہ۔

(۷) حمد گو کے لیے لازم ہے کہ وہ پورے کا پورا اسلام میں داخل ہو جائے۔

(۸) حمد گو کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سب سے زیادہ اور سب سے بہتر اللہ ربُ العزت کی حمد بیان کرنے والی ذات رسول آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہے۔

(۹) حمد باری کا وظیفہ کرتے ہوئے یہ احساس رہے کہ میں اللہ کا شکر گزار بندہ بن جاؤں۔

(۱۰) آداب حمد جاننے کے لیے ہمیں قرآنِ مجید کا گہرائی سے مطالعہ کرنا ہوگا، کیونکہ قرآن مبین نے ہمیں حمد کے آداب بڑے خوبصورت انداز میں سکھلائے ہیں۔

***

ڈاکٹر عزیز احسن

کراچی

اُردو کی حمدیہ شاعری اور جدید اسلوب

لغوی اعتبار سے حمد وہ نثر پارہ یا شعری مرقع ہوتا ہے جس میں خالقِ کائنات کی تعریف کی جائے۔ میرے خیال میں حمدیہ شاعری وہ شعری کاوش ہے جس میں تعلق مع اللہ ظاہر ہو اور ربِ کائنات کو اس کے ذاتی یا صفاتی ناموں سے اس طرح پکارا جائے کہ اس کی عظمت وجلالت، رحمت ورافت اور محبوبیت کا اظہار ہوتا ہو، اور کسی نہ کسی سطح پر بندے کا اپنے معبود سے تعلق خاطر ظاہر ہو۔ اللہ کی عظمت اس کی مخلوقات کے حوالے سے بیان ہو، انسان کی پوشیدہ صلاحیتوں اور اس کی فتوحات کے توسط سے عظمتِ خالق کا تذکرہ آئے یا انسانی عجز وانکسار کا احساس اشعار میں ڈھل جائے۔ کائنات کی وسعتوں کے ذریعے تکبیرِ رب کا پہلو نکلتا ہو یا معرفتِ نفس کے راستے سے رب تک پہنچنے کی خواہش کا شعری مرقع بنتا ہو۔ اللہ کی بڑائی کے تصور کے ساتھ آفاق (کائنات) سے مکالمہ ہو یا انفس (اپنی ذات) سے، یا براہِ راست ربّ العالمین سے...... ہر قسم کی شعری آواز (Poetic Voice) حمد کے ذیل میں آئے گی۔

جدید اسالیب کا ذکر نکلا ہے تو یہ بھی دیکھتے چلیں کہ ذاتِ قدیم کی تعریف میں اسلوب کی جدت کے کیا معانی ہو سکتے ہیں۔ سو عرض ہے کہ کائنات کی ہر شے تغیر پذیر ہے، کیوں کہ اس کا خالق ہر آن نئی شان سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ کل یوم ھو فی شان (29) الرحمن۔ (اللہ ہر آن نئی شان میں ہے) یعنی اس کی بنائی ہوئی کائنات کبھی ایک حال پر نہیں رہتی۔ اس کے حالات بدلتے رہتے ہیں اور ربّ تعالیٰ اسے ہر بار ایک نئی صورت دیتا ہے جو پچھلی صورتوں سے مختلف ہوتی ہے۔

ذاتِ باری تعالیٰ قدیم ہے اور کائنات حادث۔ انسان کی تخلیق کائنات کی تخلیق کے بہت بعد میں عمل میں آئی ہے، اس لیے حادث مخلوقات میں انسان جدید ترین مخلوق ہے۔ کائنات میں اس جدید مخلوق کو شعور، علم، احساس اور تخیل کی دولت سے مالا مال کر کے اس کی فطرت میں تغیر پسندی ودیعت فرمادی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے تخلقوا باخلاق اللہ (خود کو اللہ کے اخلاق سے آراستہ کریں) کی تعلیم بھی دے دی گئی۔ اخلاقِ عالیہ کا بنیادی تصور وہی ہے جو سورۃ رحمن کی درج بالا آیت میں مذکور ہوا، یعنی ربِ کائنات ہمہ وقت نئی

شان میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ پھر مومن کو ہدایت کی گئی کہ اس کے دو دن یکساں نہیں گزرنے چاہئیں۔

اسلام دین فطرت ہے، اس لیے انسان کو قوانین فطرت کے عین مطابق خود کو ڈھالنے کی تعلیم دیتا ہے۔ تغیر پذیری بھی فطرت کا اٹل قانون ہے جس پر انسان کچھ تو بحالتِ مجبوری (بے اختیارانہ) عمل پیرا ہے اور کچھ شعوری طور پر خود کو اس قانون سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتا ہے یا اسے شعوری طور پر ایسا کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔

تکرار (Repetition) نہ تو کائنات کے خمیر میں رکھی گئی ہے اور نہ ہی انسان کے ضمیر میں یکسانیت (غیر متبدل ماحول) کو قبول کرنے کا داعیہ موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ یکسانیت سے اکتا کر انسان شعوری طور پر خود کو اور اپنے ماحول کو بدلتا رہتا ہے۔ تبدیلی کا یہ عمل انسانی زندگی کے ہر شعبے پر اثر انداز ہوتا ہے۔

ادب چوں کہ زندگی کا آئینہ ہوتا ہے اس لیے لسانی رویوں، لفظیات اور نثری و شعری تخلیقات میں تبدیلی عہد بہ عہد جاری رہتی ہے۔ جس طرح انسان کی انفرادی زندگی میں اس کی عمر کے ہر حصے کی ضروریات مختلف ہوتی ہیں اسی طرح معاشرے کی اجتماعی زندگی کی عہد بہ عہد ضروریات مختلف ہوتی ہیں جن کا عکس کم و بیش ہر ادبی تخلیق پر پڑتا ہے۔ چناں چہ انفرادی اسلوب (Style) اگر فکر کے انفرادی زاویے، ترتیب الفاظ سے معانی پیدا کرنے کی مخصوص صلاحیت، تخلیق کے مواد یا مافیہ (Content) اور اس کی صورت، ہیئت یا پیکر (Form)، لفظ برتنے کے مخصوص ڈھنگ، بات کرنے کے خاص آہنگ یعنی انفرادی لہجہ (گو یہ شعر گوئی میں بڑی مشکل بات ہے۔ انفرادی لہجہ ہزاروں شعرا میں سے صرف دو چار ہی کو میسر آتا ہے)، زندگی کے عکس قبول کرنے کے ذاتی نقطہ نظر اور انفرادی افتادِ طبع کے تحت وجود میں آتا ہے۔ اسی طرح کسی خاص عہد کے اجتماعی اسلوب میں زبان کے عصری استعمالات، سائنسی اکتشافات کے ادراک، فکری بلوغت کی عمومی سطح اور فکر غالب کی مخصوص رَو (روحِ عصر) نیز عمرانی حالات سے طبائع پر پڑنے والے اجتماعی اثرات سے پیدا ہونے والی حسیت کی وہ زیریں رو (Undercurrent) بھی شامل ہوتی ہے...... جو کاریز کی طرح کسی عہد کی تمام تخلیقی تحریروں میں لفظوں کی ساخت (یا زمین) کے نیچے تیزی سے بہہ رہی ہوتی ہے۔ گویا اجتماعی سطح پر ادب میں بننے والا اسلوب کسی خاص عہد کا مکمل اسلوبِ زندگی ہوتا ہے۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ حمدِ باری تعالیٰ کے ضمن میں اردو شاعری کی دنیا میں کیسے کیسے رنگ ابھرے اور کیسی کیسی آوازیں سنائی دیں۔

اردو کی پہلی معلوم تصنیف امثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' فخر الدین نظامی نے سن 839ھ تا 860ھ مطابق 1421ء تا 1435ء کے درمیانی عرصے میں لکھی تھی۔ آج اس مثنوی کی زبان کے دو تین فی صد الفاظ ہی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اس مثنوی کی ابتدا حمدیہ اشعار سے ہوئی ہے۔ اردو کی ابتدائی شکل دیکھنے کے لیے اس کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

گسائیں تمھیں ایک دنہ جگ ادار......برو برد نہ جگ تہیں دینہار

آقا مالک تُو ہی دونوں جہانوں (یا زمانوں) کا سہارا ہے۔ ٹھیک ٹھیک بحر و بر، خشکی و تری دونوں جہانوں کا دینے والا ہے۔

چنہار انگھے رچنہار توں.........رہنبار بہ بچھیں رہنہار توں

بنانے والا آگے بنانے والا تُو، رہنے والا پیچھے رہنے والا تُو۔

اس شاعری کا اسلوب نہایت سادہ ہے جس میں صداقت بلا کم و کاست، بالکل غیر جذباتی انداز میں بیان کر دی گئی ہے۔ لیکن الفاظ سمجھنے مشکل ہیں۔ اب ذرا بعد کی مروج زبان سے اس کا موازنہ کیجیے! سراج اورنگ آبادی (پیدائش 1124ھ وفات 1177ھ، 1714ء تا 1767ء) تک آتے آتے زبان کس قدر صاف ہوگئی اور بیان میں کیسا لوچ پیدا ہو گیا، اس کا اندازہ ان کے حمدیہ اشعار سے ہوگا:

دیکھا ہے سراج آتش و خاک آب و ہوا کوں
سب میں صفتِ ذاتِ الٰہی نظر آئی
میں سمجھتا تھا کہ اس یار کا ہے نام و نشاں
یار بے نام و نشاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
سامنے ہے جس کوں حسن لایزال
دم بدم خوش حال ہیں ہر حال میں
تجلیاتِ الٰہی کا اوس میں پرتو ہے
ہوا ہے جب سیں دل آئینہ دار گلشنِ حسن

سراج کا کلام تین سو سال بعد کا ہے۔ ان کی لفظیات آج کے لسانی ڈھانچے سے مختلف ہونے کے باوجود غیر مانوس نہیں ہیں۔ سراج اورنگ آبادی کی حمدیہ شاعری میں تلاشِ حق کی روداد بھی ہے، احساسات کی بوقلمونی بھی اور قلبی واردات کا عکس بھی۔

ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری کی تحقیق یہ ہے کہ ملا داؤد کی مثنوی 'چندائن' اوّلین تصنیف ہے، جو 'کدم راؤ...' سے بہت پہلے لکھی گئی....(مدیر)

رفتہ رفتہ تصوف کی آمیزش نے شاعری کا رخ مجاز سے حقیقت کی طرف موڑ دیا۔ حمدیہ شاعری علیحدہ صنفِ سخن کے طور پر تو بہت کم ہوئی لیکن محبوبِ حقیقی کا حسن، قدما کی غزل کے بیشتر اشعار میں جھلکنے لگا، مثلاً:

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا
پردے کو تعین کے درِ دل سے اٹھا دے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

(سوداؔ)

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
ارض و سما کہاں تری وسعت کو پاسکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تُو سما سکے
وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آسکے
آئینہ کیا مجال تجھے منھ دکھا سکے

(خواجہ میر دردؔ)

یاں خار و خس کو بے ادبی سے نہ دیکھنا
ہاں عالمِ شہود ہے آئینہ ذات کا

(شیفتہؔ)

دل ہو کہ جان تجھ سے کیوں کر عزیز رکھیے
دل ہے سو چیز تیری جاں ہے سو مال تیرا

(حالیؔ)

محبوبِ حقیقی کے تصور میں شعر گوئی کی ایک مضبوط روایت قائم تو ہوئی لیکن اس شاعری میں بیشتر بیانیہ لہجہ اور سادہ اسلوب ہی سامنے آسکا۔ فلسفیانہ خیالات کی پیچیدہ بیانی اور مابعد الطبیعاتی مسائل کی گہرائی غالب کے قلم کی محتاج تھی۔ غالب نے اردو شاعری کو فکری بلندی اور فلسفیانہ عمق سے آشنا کیا اور وحدت الوجودی افکار کو شعری جمالیات سے اس طرح ہم آہنگ کیا کہ ان کی شاعری زمان و مکان کی حدود سے بہت آگے کی چیز بن گئی۔ غالب روشِ عام پر چلنے والے شاعر نہ تھے، اس لیے انھوں نے

خاص اہتمام سے حمدیہ شاعری نہیں کی بلکہ اپنے دیوان کی ابتداء ایسے شعر سے کی جو وحدت الوجودی فکر کی گہرائی، اسلوب کی جدت اور امیجری کی ایک نادر مثال ہے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

غالب کی غزلوں میں تصوف کا فکری نظام ان کی تخلیقی دانش کا اس طرح حصہ بن گیا تھا کہ انھوں نے جہاں محبوبِ حقیقی کی بات کی، خیال کی رفعت اور بیان کی ندرت نے شاعری کو شعری لطافت کے ساتھ ساتھ صوفیانہ قلبی حرارت بھی عطا کردی۔ غالب نے کہیں تو خالق کو اپنی ذات میں جھانک کر اپنے اور خالق کے موازنے کے توسط سے عرفان کی کوشش کی، کہیں شکوۂ نارسی کیا اور کہیں اپنی حیرت کے احساس سے نگارخانۂ تخلیق کو حیرت کدہ بنادیا، مثلاً:۔

کس کی برقِ شوخیٔ رفتار کا دلدادہ ہے
ذرّہ ذرّہ اس جہاں کا اضطراب آمادہ ہے

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں تجھ سے
آئینہ داریِ یک دیدۂ حیراں مجھ سے

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

جب وہ جمالِ دل فروز، صورتِ مہرِ نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردے میں منہ چھپائے کیوں

غالب کے اس شاعرانہ رویّے اور اسلوب نے اردو شاعری کو اعتبار اور موضوعاتِ شاعری کو وقار عطا کیا۔ اس طرح حمدیہ مضامین کے حوالے سے بھی غالب اردو شاعری میں جدید رجحانات اور نادر طرزِ احساس کا اولین شاعر قرار پایا۔ غالب کے بعد اقبال کو اپنا پورا نظامِ تخلیق انہی خطوط پر استوار کرنے کی سعادت حاصل ہوئی جن کی وجہ سے شعری پردے پر محبوبِ حقیقی کے صفاتی نقوش اُبھر رہے تھے۔ اقبال کی فکری اساس مابعد الطبیعاتی تفکر پر تو تھی لیکن انھوں نے وحدت الوجودی فلسفہ تصوف کے برعکس ایک الگ نظام فکر کی بنا رکھی جس میں عبدو معبود کے استحاد کا شائبہ تک نہ تھا۔ انھوں نے عبد کو الگ تشخص دیا اور خود کو (یا انسان کو) ایک پروانۂ ہوش مند بنا

کر پیش کیا۔ جو وصل کو مرگِ آرزو سمجھ رہا تھا اور ہجر کی لذتِ طلب کو ایک نعمتِ غیر مترقبہ جانتا تھا۔

اقبال کی شاعری میں فرد کی انائے جزوی انائے کلی میں کہیں مدغم نہیں ہوئی، جب کہ انائے کلی کے قریب ہونے کی آرزو کو اس نے مختلف جہتوں سے دیکھا اور اپنے داخلی احساسات کو فکری اصابت کے ساتھ تخلیقی تجربے کا جزو بنایا۔ اقبال کی شاعری عبد و معبود کے درمیان مکالمہ بھی ہے اور عشقِ حقیقی کی کیفیتوں کا اظہار بھی۔ اس کی شاعری میں آفاق کی تسخیر کی فکری حرارت بھی ہے اور کائنات میں غور و خوض کے نتیجے میں حقیقتِ کبریٰ تک رسائی کا اشاریہ بھی۔ اقبال کو اس کے ہمہ وقتی مکالماتِ عبد و معبود نے جرأتِ رندانہ بھی عطا کی جس میں وہ نازِ عبودیت کے زیرِ اثر عبدِ بے باک نظر آتے ہیں۔ اس رویّے نے اقبال کی پوری شاعری کو ایک نوع کی حمد یہ شاعری کا پیکر دے دیا، کیوں کہ اس شاعری کے مطالعے سے تصورِ خالق ہی کے مختلف لونی عکس (Shades) ظاہر ہوتے ہیں۔

اقبال کی شاعری میں حمد یہ شاعری کی روح اس طرح جاری و ساری ہے کہ اس میں حمد کے تمام امکانات جلوہ ریز ہیں۔ شکوہ جواب شکوہ تو بیانیہ قسم کی نظمیں ہیں، لیکن ''جگنو'' ان کی ایسی نظم ہے جس میں مظاہرِ قدرت کو بڑی فنکارانہ چابکدستی اور ہنر مندی سے شعری جامہ پہنایا گیا ہے۔ ؎

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی
پروانے کو تپش دی، جگنو کو روشنی دی
رنگیں نوا بنایا مرغانِ بے زباں کو
گل کو زبان دے کر تعلیمِ خامشی دی
نظارۂ شفق کی خوبی زوال میں تھی
چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی زندگی دی
رنگیں کیا سحر کو بانکی دلہن کی صورت
پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی
سایہ دیا شجر کو، پرواز دی ہوا کو
پانی کو دی روانی، موجوں کو بے کلی دی

اس قسم کی مثالوں کی اقبال کے تخلیقی نگار خانے میں کوئی کمی نہیں ہے۔ بالِ جبریل کی بیشتر غزلوں میں اقبال اپنے رب سے مکالمہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں
میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں

تُو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا
مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا

اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لامکاں خالی
خطا کس کی ہے یا ربّ لامکاں تیرا ہے یا میرا

محمدؐ بھی ترا جبریلؑ بھی، قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن
زوالِ آدمِ خاکی زیاں ترا ہے یا میرا

تُو ہے محیطِ بے کراں میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہم کنار کر یا مجھے بے کنار کر

میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو
میں ہوں خذف تو تُو مجھے گوہرِ شاہوار کر

نغمۂ نو بہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو
اس دم نیم سوز کو طائرک بہار کر

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر

روزِ حساب جب مرا پیش ہو دفترِ عمل
آپ بھی شرمسار ہو، مجھ کو بھی شرمسار کر

یہ مشتِ خاک یہ صرصر یہ وسعتِ افلاک
کرم ہے یا کہ ستم، تیری لذتِ ایجاد

قصور وار، غریب الدیار ہوں لیکن
ترا خرابہ فرشتے نہ کرسکے آباد

مری جفا طلبی کو دعائیں دیتا ہے
وہ دشتِ سادہ وہ تیرا جہانِ بے بنیاد

مقامِ شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں
انھیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد
کیا عشق ایک زندگی مستعار کا
کیا عشق پائیدار سے نا پائیدار کا
وہ عشق جس کی شمع بجھا دے اجل کی پھونک
اس میں مزا نہیں تپش و انتظار کا
میری بساط کیا ہے تب و تاب یک نفس
شعلے سے بے محل ہے الجھنا شرار کا
کر پہلے مجھ کو زندگیٔ جاوداں عطا
پھر ذوق و شوق دیکھ دلِ بے قرار کا
کانٹا وہ دے کہ جس کی کھٹک لازوال ہو
یا رب وہ درد جس کی کسک لازوال ہو

اقبال کے ہاں حمدیہ مضامین کا تنوع دیدنی ہے اور عبد کا اپنے معبود سے مکالمہ بالکل نئے انداز کا ہے۔ اقبال کی شاعری میں تصورِ الٰہ کی تفہیم فلسفیانہ سطح پر بھی ہوئی ہے اور ایمانیاتی نہج پر بھی، لیکن ان کی تفہیم میں بنیادی عنصر عشق کا ہے جو سب تفہیمات پر غالب ہے۔

حمدیہ مضامین کا غزلوں میں منعکس ہونا اقبال کے بعد تقریباً معدوم ہوگیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصوف کی روایت نے ادب پر جو کچھ اثرات مرتب کیے تھے زندگی کے بے رحم مادّی تقاضوں نے اس روایت ہی کا گلا گھونٹ دیا۔ اقبال کی سطح کا شاعر اقبال سے قبل اور ان کے بعد تلاش کرنا سعی لاحاصل ہے، اس لیے اس حقیقت کا اعتراف کر لینے میں عافیت ہے کہ اقبال کا لہجہ اور فکری نظام اقبال پر ہی ختم ہوگیا۔ اب کسی شاعر پر اقبال کی چھوٹ تو پڑ سکتی ہے، اس کی کلّیت کا دوبارہ ظہور ممکن نہیں ہے۔

لیکن اقبال کے بعد شعری اسالیب میں جو تبدیلیاں آئیں اور شاعری میں، بالخصوص نظم گوئی میں جو فکری رو داخل ہوئی اُس کے اثرات آج کی حمدیہ شاعری پر پڑے، اور ان اثرات کی وجہ سے حمدیہ شاعری بھی شعری جمالیات سے قریب تر ہوگئی اور اس شاعری میں صرف مافیہ، مواد یا متن (Text) ہی لائقِ توجہ نہ رہا بلکہ اسلوبِ بیاں بھی مرکزِ نگاہ بننے لگا۔

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد شعراء و ادبا کو اپنی شناخت کے مسئلے سے دوچار ہونا پڑا تو

کچھ شعراء و ادباء تو پاکستانی ثقافت کی بنیادوں کی تلاش میں دور تک نکل گئے اور کچھ ان بنیادوں میں دہریت (Secularism) کے عناصر داخل کرنے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن جن شعراء وادبا نے تحریک پاکستان کے اصل مقاصد سے وابستگی کو اپنی بقا کے لیے ضروری جانا، انھوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا رخ اسلامی ادب وشعر کی آبیاری کی طرف موڑ دیا۔ نتیجتاً حمد ونعت کی شاعری کا ایک واضح رجحان پیدا ہو گیا جس کے باعث نعتیہ شاعری کو ادبی سطح پر اس طرح ابھرنے کا موقع ملا کہ اس عہد کی شعری تحریکوں میں نعت گوئی کی تحریک ہی غالب تحریک ٹھیری۔ نعت کے مقابلے میں حمد کم لکھی گئی جس کی بے شمار وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ انسان کی نظر خوگرِ پیکر محسوس ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ والا صفات ورالوریٰ ہے۔ حمد ونعت کی طرف شعراء کے عمومی میلان نے یہ اثر دکھایا کہ وہ شعراء بھی اس طرف متوجہ ہونے لگے جو شعر گوئی کی نزاکتوں اور ادبی ضرورتوں سے آگاہ تھے، چناں چہ ان شعراء نے جب حمد ونعت کے موضوعات کو اپنایا تو اپنا شاعرانہ وقار برقرار رکھا اور اس طرح شاعری کی ان اصناف پر بھی جدید شاعری کے وہ تمام اسالیب اثر انداز ہونے لگے جو عمومی شاعری کو اپنی گرفت میں لے چکے تھے۔

اسلوب (Style) موضوع کے انسلاک سے بھی بنتا ہے، صنفِ سخن کی ہیئت کے حوالے سے بھی وجود میں آتا ہے، اور زندگی پر پڑنے والے اجتماعی عمرانی اثرات کے تخلیقی انعکاس سے بھی اپنی نمود پاتا ہے۔ انفرادی اسلوب، ذاتی لہجہ اور مخصوص شاعرانہ طرزِ ادا پانے والے شعرا تو دنیا کی تمام زبانوں کی طرح اردو میں بھی گنے چنے ہیں۔ اس مضمون میں تو ایسے شاعروں میں سے صرف دو ہی مذکور ہوئے ہیں: غالب اور اقبال۔ لیکن شاعری کی اجتماعی فضا پر تخلیقی رجحانات، ادبی میلانات، عصری حسیت، لسانی رویوں، سائنسی شعور اور طرزِ احساس نے جو اثرات بھی مرتب کیے ہیں ان اثرات کا انعکاس حمدیہ شاعری پر بڑا واضح ہے۔

ایسے سوالات کے ذریعے وجودِ باری تعالیٰ ثابت کرنے کی کوشش کرنا جن کا جواب صرف اور صرف اثبات ہی میں دیا جا سکے، متکلمین کا وتیرہ رہا ہے۔ شعرا میں غالب نے استفہامیہ لہجہ اختیار کیا۔ ہمارے عہد میں اس سوال پر بھرپور طریقے سے سوچا گیا اور اس سوال کے مختلف رنگ حمدیہ شاعری میں بکھیرے گئے ہیں۔ حفیظ تائب نے مظاہرِ کائنات کی مادی صداقتوں کے حوالے سے اس سوال پر غور کیا اور صنعت ترصیع وتکرار لفظی کے جمالیاتی تاثر سے اپنی حمدیہ شاعری کو ایک خوبصورت تخلیقی پیکر میں ڈھالا ہے۔ واضح رہے کہ صنعتوں کو محض صنعت گری کے لیے برتنے والے شاعر عام طور سے لفظوں کے بڑھئی (Carpenter of words) تو بن جاتے ہیں، شاعر نہیں بن پاتے۔ لیکن حفیظ تائب نے بہ یک وقت دو شعری صنعتوں کو اپنی تخلیقی جینئس کا حصہ بنا کر حمد کہی ہے جس سے شاعری میں دلکشی بھی پیدا ہو گئی

ہے اور فلسفیانہ گہرائی بھی۔

کس کا نظام راہ نما ہے اُفق اُفق...... کس کا دوام گونج رہا ہے اُفق اُفق
شانِ جلال کس کی عیاں ہے جبل جبل...... رنگِ جمال کس کا جما ہے اُفق اُفق
کس کے لیے نجوم بکف ہے روش روش...... بابِ شہود کس کا کھلا ہے اُفق اُفق
کس کے لیے سرودِ صبا ہے چمن چمن...... کس کے لیے نمودِ ضیاء ہے اُفق اُفق
مکتوم کس کی موجِ کرم ہے صدف صدف...... مرقوم کس کا حرفِ وفا ہے اُفق اُفق
کس کی طلب میں اہلِ محبت ہیں داغ داغ...... کس کی ادا سے حشر بپا ہے اُفق اُفق
سوزاں ہے کس کی یاد میں تائب نفس نفس...... فرقت میں کس کی شعلہ نوا ہے اُفق اُفق

وجودِ باری تعالیٰ کے حوالے سے پیدا ہونے والے سوال کی پرچھائیاں بڑے شاعرانہ اسلوب اور خلاقانہ عمل کے ساتھ عاصی کرنالی نے اپنی حمدیہ شاعری میں اُبھاری ہیں۔ فکری ترفع اور تخلیقی لطافتِ احساس کا مرقع دیکھنا ہو تو ان کی درج ذیل حمد ملاحظہ فرمایئے:

مشتِ گِل کو آدم زندہ بنا دیتا ہے کون...... دل میں احساسات کی شمعیں جلا دیتا ہے کون
کون میرے ذہن میں کرتا ہے مضمونوں کی کاشت...... میرے آگے شعر کے خرمن لگا دیتا ہے کون
ہاتھ کس کا شب کی زلفوں میں پروتا ہے نجوم...... صبح کے رخسار پر سورج سجا دیتا ہے کون
کس کا دستِ نقش گر کرتا ہے مٹی پر عمل...... فرش پر خوش رنگ تصویریں بچھا دیتا ہے کون
کون رکھ دیتا ہے شب کو نطق بلبل میں غزل...... صبح دم کلیوں میں چھپ کر مسکرا دیتا ہے کون
جب مسافر کے قدم رک جائیں ہمت ٹوٹ جائے...... منزلِ امید پر آ کر صدا دیتا ہے کون
کس کا پا کر حکم پھر جاتے ہیں طوفانوں کے رُخ...... ڈوبتی کشتی کو ساحل پر لگا دیتا ہے کون
جب حجاب روبرو چھونے کو ہوتی ہے نظر...... دیدۂ تحقیق پر پردے گرا دیتا ہے کون
جس کے دریا میں سفینوں کی طرح بہتے ہیں ہم...... ہاں اسی نادیدہ قوت کو خدا کہتے ہیں ہم

ریاض حسین چوہدری نے بھی اسی حوالے سے نقشِ فن ابھارے ہیں۔ ان کی کاوشِ فن میں اسلوب کی جدت، لفظیات کی نادرہ کاری اور اپنی داخلی کیفیات کے حوالے سے ربِّ کائنات کی حمد کرنے کا رجحان جھلکتا ہے:

لذتِ غم کو محیطِ داستاں کس نے کیا...... دل کی ہر دھڑکن کو پابندِ فغاں کس نے کیا
کس نے مجھ کو بخش دی لوح و قلم کی مملکت...... آب و گِل کی کشمکش کا ترجماں کس نے کیا

کس کے اذنِ عام سے سر گوشیاں کرتا ہے دل...... منحرف چہروں کا اس کو راز داں کس نے کیا
ان ہواؤں کو دیا کس نے تغیر کا نصاب...... آبشاروں کو پہاڑوں سے رواں کس نے کیا
ہر کلی کے دامنِ صد چاک میں رکھ کر گلاب...... ہر برہنہ شاخ کو رشکِ جناں کس نے کیا
نام کس کا ہے جزیروں کی سحر کے وردِ لب...... پھر ہوا کو کشتیوں کا بادباں کس نے کیا
کس نے لکھی ہے درودوں سے کتابِ ارتقا...... حور و غلماں کو بھی اپنا ہم زباں کس نے کیا
کس نے مدحت کے چراغوں کو شعاعِ نور دی...... ایک شاعر کو حریفِ کہکشاں کس نے کیا
خوشبوؤں کو کس نے بخشا ہے تکلم کا ہنر...... تتلیوں کو ملک گل کا حکمراں کس نے کیا
آخرِ شب کون سلجھاتا ہے میری اُلجھنیں...... ماسوا اس کے علاجِ دردِ جاں کس نے کیا
کس نے توصیفِ پیمبر کا کیا منصب عطا...... مجھ کو مداح شہؐ کون و مکاں کس نے کیا
تابش نعت نبیؐ کو کس نے بخشا ہے دوام...... میرے فن کی چاندنی کو جاوداں کس نے کیا
ہر قدم پر منزلوں نے نقشِ پا چومے ریاضؔ...... اپنی رحمت کو شریکِ کارواں کس نے کیا

تشکیک، لاادریت (Agnosticism) اور بے یقینی ولادینی کے زیر اثر وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں مختلف النوع سوالات اُبھرتے رہے ہیں۔ متکلمین، فلاسفہ، علمائے دین اور اہلِ دانش و بینش اپنے اپنے انداز میں ان سوالات کے جوابات دیتے رہے ہیں۔ شاعر، ان سوالات پر غور کرتا ہے تو تخلیقی لطافت، فکری نظافت اور لہجے کی صباحت میں جواب دیتا ہے۔ شاعر کا جواب سازِ اندروں کے تار چھیڑنے کے لیے مضراب کا کام کرتا ہے۔ غالب نے کہا تھا:

محرم نہیں ہے تُو ہی نوا ہائے راز کا...... یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

اور افتخار عارف بے یقینی کے گنبد میں اس طرح اذانِ یقین دیتے ہیں:

ہوا کے پردے میں کون ہے جو چراغ کی لو سے کھیلتا ہے
کوئی تو ہوگا
جو خلعتِ انتساب پہنا کے وقت کی رو سے کھیلتا ہے
کوئی تو ہوگا
حجاب کو رمزِ نور کہتا ہے اور پرتو سے کھیلتا ہے
کوئی تو ہوگا
"کوئی نہیں ہے"

کہیں نہیں ہے
یہ خوش یقینوں کے، خوش گمانوں کے واہمے ہیں
جو ہر سوالی سے
بیعتِ اعتبار لیتے ہیں
اس کو اندر سے مار دیتے ہیں
کون ہے وہ جو لوحِ آبِ رواں پہ سورج کو ثبت کرتا ہے
اور بادل اچھالتا ہے
جو بادلوں کو سمندروں پر کشید کرتا ہے اور بطنِ صدف میں
خورشید ڈھالتا ہے
وہ سنگ میں آگ، آگ میں رنگ، رنگ میں روشنی کے
امکان رکھنے والا
وہ خاک میں صوت، صوت میں حرف، حرف میں زندگی کے
سامان رکھنے والا
نہیں کوئی ہے
کہیں کوئی ہے
کوئی تو ہوگا!

(مکالمہ)

افتخار عارف نے بے یقینی کے گنبد میں دراڑیں ڈالیں تو صبیح رحمانی نے احساس کی قندیل روشن کرتے کرتے براہِ راست رب تعالیٰ کے وجود کی نشاندہی کر دی اور یقین کی کیفیت کو حسیاتی سطح پر بیان کی روشنی سے ہم کنار کر دیا:

فصیل پر ہیں ہوا کی، روشن چراغ جس کے
سیاہ راتوں میں جس نے روشن شجر کیے ہیں
رقم چٹانوں پہ رازہائے ہنر کیے ہیں
وہ جس کی رحمت نے دشت کے دشت
سبزہ وگل سے بھر دیے ہیں
وہ جس کی مدحت میں حرف و آواز گنگنائیں

خموشیاں جس کے گیت گائیں
وہ جس کے جلوے اُفق اُفق ہیں
وہ جس کی کرنیں شفق شفق ہیں
ازل سے پہلے
ابد سے آگے
اسی کو ہر اختیار حاصل
اسی کو عز و وقار حاصل
وہ ایک مالک
اسی کا سب ہے
وہی تو رب ہے

کائنات کے مشاہدے کے ذریعے نگاہِ تصور سے ذاتِ واجب الوجود تک رسائی اور غیب الغیب حقیقتِ کبریٰ کا ادراک، شعرا کو وجدانی سطح پر ہوتا ہے اور وہ اس ادراک کو جب شعر کا جامہ پہناتے ہیں تو اپنے تجربے کو اس طرح بھی جزوِ ہنر بناتے ہیں جس طرح محسن احسان نے اپنے احساسات کو لفظوں میں ڈھالا ہے:

سرِ افلاک ہے وہ اور تہہِ دریا وہ ہے...... ذرۂ خاک سے ہر آن ہویدا وہ ہے
شبنمِ صبح میں وہ اور شفقِ شام میں وہ...... کتنی شکلوں سے مری روح میں اترا وہ ہے
اس کا احساس دلاتی ہے سیاہی شب کی...... نورِ خورشید میں ہر لمحہ دمکتا وہ ہے
پپڑیاں جمتی ہیں جب خشک زمیں کے لب پر...... رحمتیں بن کے گھٹاؤں سے برستا وہ ہے
سینۂ سنگ میں کرمک کو بھی دے رزق مدام...... یہ حقیقت ہے کہ ہر ذات کا داتا وہ ہے
نوک ہر خار پہ جب رقص میں ہو اوس کی بوند...... دل پہ یہ راز کھلے ارفع و اعلیٰ وہ ہے
آدمی نے کئی اصنام تراشے لیکن...... آخرش سمجھا فقط لائقِ سجدہ وہ ہے
اک نظر دیکھ کہ اے بے خبر کاوشِ رنگ...... پس ہر پردۂ گل انجمن آرا وہ ہے
نعمتیں اس کی میں جھٹلاؤں تو جھٹلا نہ سکوں...... میرا رازق، مرا مالک، مرا ملجا وہ ہے

اس حمدیہ کاوشِ ہنر میں کائناتی مشاہدہ، اپنی ذات کا روحانی سفر، تاریخی شعور اور احساسِ تشکر اس خوب صورتی سے شعری پیکر کا حصہ بنے ہیں کہ قاری کو عظمتِ خالق کا احساس بھی ہوتا ہے اور ایک قسم کی

روحانی مسرت بھی میسر آتی ہے۔ متصوفانہ شاعری میں قرآن کریم کی آیت ''ونحن اقرب الیہ من حبل الورید'' (آیت 16 سورہ ق پ 26) (اور ہم اس کی رگِ گردن سے بھی بڑھ کر اس کے قریب ہیں) کے داخلی تجربات کو بھی بیان کیا گیا ہے اور اس طرح کی باتیں کی گئی ہیں کہ میری جان بھی تُو ہے، میرا ایمان بھی تُو ہے اور میرا سب کچھ تُو ہی ہے۔ مقبول نقش نے اس تجربے کو شاعرانہ نقشِ جمیل میں اس طرح ڈھالا ہے کہ ان کا ذاتی احساس کائناتی حوالہ معلوم ہونے لگا ہے۔ مقبول نقش کے بیان میں شعریات کی باز آفرینی کا عمل بھی ہے اور جدید اسلوب کا نمونہ بھی ! ؎

حاصلِ ہر نفس بھی تُو، منزلِ ہر نظر بھی تُو
شوقِ تمام کے لیے زادِ رہِ سفر بھی تُو
فکر مری شکستہ پا، ذکر ترا کروں تو کیا
واقعہ بعد ازاں بھی تُو، قصۂ پیشتر بھی تُو
کیسا نشیب اور فراز، یہ تو ہے اک حجابِ راز
شاخِ بلند تر بھی تُو، حسرتِ بال و پر بھی تُو
حسنِ نظر کی بات ہے، ذوقِ سفر کی بات ہے
منزلِ دل نشیں بھی تُو، جلوۂ رہ گزر بھی تُو
پھیلے ہوئے ہیں میرے ہاتھ اور اسی یقیں کے ساتھ
فلسفۂ دعا بھی تُو، فلسفۂ اثر بھی تُو
ہنستا ہے مجھ پہ آج بھی یہ مرا دامنِ تہی
پھول بھی تُو ثمر بھی تُو، شاخ بھی تُو، شجر بھی تُو
اہلِ نظر کی این و آں، نقش کے واسطے کہاں
نقش کا رنگِ فن بھی تُو، نقش کا نقش گر بھی تُو

حمدِ باری تعالیٰ کے بہت سے پہلو تو صرف انسان کی اپنی ذات اور اس وسیع کائنات کے بارے میں غور و فکر کرنے سے ہی نکل آتے ہیں۔ شاعر اپنے موضوع کے ساتھ جتنا مخلص اور شعری آہنگ سے جتنا مانوس ہوتا ہے، فکر کے موتی اور فن کے گوہر اسی قدر دامن قرطاس میں بھر لیتا ہے۔ شاعر اپنی سانسوں کی آمد و شد پر غور کرتا ہے تو اسے ہر دھڑکن اور سانسوں کے زیر و بم میں حمد کی آواز سنائی دیتی ہے:

اپنے رب کی حمد وثناء میں

دھڑکن کا مدھم آہنگ ہو

یا سانسوں کے زیر وبم کا

اک بے نام تسلسل

کیا ہے؟

اگر یہ تسبیح و تہلیل نہیں ہے؟

(وظیفہ گردش لہو، سرشار صدیقی)

شاعر تو جب اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں پر بھی غور کرتا ہے تو اسے ہر اسم میں حمد مضمر نظر آتی ہے۔

خوبیوں کے تری شایاں کلمہ ہے نہ کلام

تیرے ہر اسم میں مضمر ہے مگر حمد تمام

(حشمت یوسفی)

منور بدایونی نے اپنی ذات کا سفر کیا تو یہ حقیقت کھلی کہ ان کا دل ہی چراغِ طور بن گیا ہے۔

منور میں نے جب دل پر نظر کی......منور اک چراغِ طور دیکھا

(منور بدایونی)

پہلے حمد ربّ العزت میں اس کے جلال کی ہیبت کا احساس جھلکتا تھا تو اب جدید شاعر رب کائنات کے جمالِ جہاں آراء کا متلاشی ہو کر اسے نیم رومانی لہجے میں یاد کرتا ہے اور حمد یہ شاعری کرتے ہوئے اپنی شخصیت کا بھرپور تداخل (Involvement) ظاہر کرتا ہے۔ ؎

اے خدا!

میری دعا ہے

کہ گجر دم کی پر اسرار فضاؤں میں

ترا نطق

کسی شاخِ برہنہ پہ اترتی ہوئی چڑیا کی طرح

میرے دل میں

کسی بے نام سے احساسِ مسرت سے
مسلسل چھلکے!

(احمد ندیم قاسمی)

رب تعالیٰ سے اس طرح مخاطب ہونے میں مُلّاً کی خشیت کے بجائے صوفی کی بے با کی ظاہر ہوتی ہے، لیکن اس پکار میں داخلی کیفیات کا بھرپور عکس موجود ہے۔ آج کی شعری کاوشوں میں داخلیت کا عنصر اس لیے غالب ہے کہ خارجی ماحول ایک عذاب بن گیا ہے۔ آشوبِ امروز کا علاج قوموں اور افراد نے ہمیشہ داخلیت کی پناہ میں جا کر کیا ہے۔ شعرا کا تو وتیرہ ہی یہ رہا ہے کہ جہاں عیش و آرام کی زندگی میسر آئی انھوں نے ظاہر پرستی شروع کردی اور خارجی ماحول کی رنگینیوں کو شعر کا موضوع بنا لیا...... لیکن جہاں زمانے نے آنکھیں پھیریں اور دن کڑے ہونے لگے، وہ داخلی دنیا میں کھو گئے۔ لکھنوی اور دہلوی دبستانوں کا فرق یہی تو ہے۔

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آج پوری دنیا میں جو خوف و ہراس کا عذاب آیا ہوا ہے اور دانشِ حاضر نے جو قیامت برپا کر رکھی ہے اس کا اثر ادب میں مختلف قسم کے رجحانات کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ حمدیہ شاعری میں جو تصورِ الٰہ اُبھرا ہے اس میں بھی رومانویت کے عناصر صاف دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان عناصر کو ملائیت قبول کرے یا نہ کرے، تصوف کی روایت سے آگاہ اور شعر کی داخلیت کے پرستار اس رجحان کو ضرور سراہیں گے۔ دیکھیے اسی طرز احساس نے حنیف اسعدی کو رب سے شاعرانہ مکالمہ (Poetic discourse) کرنے کا کیسا سلیقہ ارزانی کیا ہے:ـ

روح میں، تن میں، رگ و پے میں اتاروں تجھ کو
اور پھر دل کی صدا بن کے پکاروں تجھ کو
تیرے مظہر ہیں مری ذات کے زنداں میں اسیر
خود کو پامال کروں اور ابھاروں تجھ کو

(حنیف اسعدی)

***

علی محمد عاجزؔ
ماگام، بڈگام (کشمیر)

نعت میں تنقید و اصلاح کی اِفادیت

دانشمندوں کا قول ہے کہ کسی شخص کو جانچنے سے پہلے اس کو اچھی طرح سے جاننا لازمی ہے تا کہ اس کی صحیح تصویر پیش کی جا سکے۔ کسی کے بارے میں یوں ہی کچھ گمان کرنا اچھے اخلاق کے منافی ہے اور جب بات خیر البشر نور نظر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہو تو اس میں سب سے زیادہ محتاط اور محترز رہنا ہوگا۔ قرآن مجید اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد حیات صحابہؓ مورخین اور مستشرقین کی تاریخ و تحقیق سے ہمیں اس بارے میں اچھی خاصی واقفیت ملتی ہے جس طرح ہم مروجہ عصری علوم میں مختلف سماجی، سیاسی، سائنسی اور تاریخ ساز شخصیتوں کے متعلق پڑھتے ہیں پڑھاتے ہیں اور ان پر تحقیقی مواد اور مقالے جمع کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں ان علوم کے ساتھ ساتھ دنیا و دین میں اللہ کے بعد سب سے بزرگ ہستی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں بھی مستند ذرائع سے پوری جانکاری حاصل کرنی چاہیے۔ یہ ہمارے علم دین کا ایک حصہ ہے اور اس کا حصول ہر مسلمان مرد و زن پر فرض قرار دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہماری دنیا بھی اور ہمارا دین و آخرت بھی وابستہ ہیں اللہ کے آخری نبی ہونے کی حیثیت سے وہ حشر کے دن اللہ کے سامنے ہمارے بارے میں اور ہم اُن کے بارے میں جوابدہ ہیں جہاں نہ کسی کا فدیہ نہ کسی کی سفارش قبول ہوگی اور نہ دین سے غفلت کا کوئی بہانہ کسی کے کام آئے گا۔ علم اور ادب دونوں لازم و ملزوم ہیں، بعض علماء ادب کو علم پر اور بعض علم کو ادب پر فوقیت دیتے ہیں۔ علم اور ادب دونوں اللہ کی طرف سے بندوں کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعے پہنچائے گئے ہیں اور سکھائے گئے ہیں جیسا کہ قرآن میں علم الانسان مالم یعلم اور علمکم مالم تکونوا تعلمون کے ارشادات سے عیاں ہے اور معلم اخلاق کی احادیث سے بھی ظاہر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ادبنی ربی فاحسن تادیبی (مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا۔) انما بعثت معلما، (بے شک میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔) بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (میں کریمانہ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔) اس لیے استاد کی حیثیت سے اللہ کی طرف

سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہترین تعلیم و تربیت کی گئی اور خلق عظیم پر فائز کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الدین کله ادب۔ (دین سارے کا سارا ادب ہے۔) ادب ہے تو دین ہے ادب نہیں تو دین نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سے دعا فرماتے: اللھم احسنت خَلقی فاحسن خُلقی۔ (میرے اللہ تو نے میری عمدہ تخلیق فرمائی پس اب میرے اخلاق کو بھی عمدہ بنا دے۔) اللھم انی اعوذبك من الشقاق والنفاق وسوء الاخلاق۔ میرے اللہ! میں تجھ سے بدبختی اور نفاق اور بُرے اخلاق سے پناہ مانگتا ہوں۔ مولانا رومی نے خوب فرمایا ؎

از خدایا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از فضل رب

بدنصیب ہیں وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں شامل ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے محروم رہ جائیں یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تو ایمان لائیں لیکن زندگی کے طور طریقوں میں غیر مسلموں، ملحدوں اور یہود و نصاریٰ کی نقل کریں۔ اللہ بندوں کے قیل و قال کو نہیں بلکہ ان کے دلوں کی نیتوں اور ارادوں کو دیکھتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زبانی جمع خرچ کرنے سے راضی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ کام بہروپیوں کا ہو سکتا ہے لیکن یکسو اور یک رو مسلمانوں کا نہیں ہو سکتا۔ جن کے دلوں میں تقویٰ ہے اللہ کا خوف ہے جو حتی الوسع اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور معصیتوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ضرب المثل ہے کہ ہر شخص اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہے۔ جب تک وہ خاموش رہتا ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا اور جب وہ بولنے لگتا ہے تو اس کی بول چال سے اس کا اندرون بیرون آ جاتا ہے اور کوئی رائے قائم کی جاتی ہے۔ شعر و ادب کے قلمکاروں کی بات تو الگ ہے جو مختلف اصناف سخن میں اپنے دلی جذبات اور مبلغ علم کا اظہار کرتے ہیں لیکن حمد و نعت کے سلسلے میں اللہ کے بندوں کو توحید و رسالت اور الوہیت و عبدیت کی درجہ بندی کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے اور اس کے لیے قرآن و سنت کی ہدایات کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑتا ہے۔ تاکہ عقیدت و جذبات کی فراوانی اور قلم کی روانی میں الوہیت اور عبدیت باہم خلط ملط نہ ہو جائیں۔ جس کسی شاعر یا ادیب کا کتاب و سنت کا علم جتنا زیادہ پکا اور گہرا ہوگا اتنا ہی زیادہ اس کا ایمان باللہ اور ایمان بالرسالۃ بھی محکم اور پختہ ہوگا اور حمد و نعت کی صورت میں اس کا کلام بھی اسی قدر مؤثر اور کارگر ہوگا۔ اس طرح یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دعوتی کام میں بھی بڑا کارآمد ثابت ہوگا اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے علاوہ اجر و ثواب کا موجب بھی ہوگا۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقی شخصیت نہ صرف عرب بلکہ عجم کے لیے بھی مبعوث ہوئی تھی۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے تمام لوگوں کے لیے بلالحاظ مذہب وملت، رنگ ونسل، قوم وقبیلہ اور ذات پات اپنا آخری پیغمبر بنا کر بھیجا تاکہ ایمان لانے والوں کو جنت کی بشارت دیں اور نافرمانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔ خالدؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعثت الی الناس کافۃ فان لم یستجیبوا لی فالی العرب فان لم یستجیبوا لی فالیٰ قریش فان لم یستجیو الی فالیٰ بنی ھاشم فان لم یستجیبوا لی فالیٰ وحدی۔ (میں ساری دنیا کے لوگوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں پس اگر وہ میری دعوت قبول نہیں کریں گے تو میں عرب کی طرف آیا ہوں پس اگر وہ بھی انکار کریں تو پھر اپنے قبیلہ قریش اور پھر خاندان بنی ہاشم کی طرف پیغمبر بن کر آیا ہوں لیکن اگر وہ بھی نہ مان لیں تو اپنی ذات کی طرف پیغمبر ہوں۔) ماشاء اللہ کیا ہمت اور کیا عزیمت اور جرأت ہے اور کیا شان ہے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی؟ اپنی ذات اور رسالت پر کس قدر اطمینان اور اعتماد تھا۔ انا رسول من ادرکنی حیاً ومن یولد بعدی۔ (میں اس کا بھی رسول ہوں جس نے مجھے اپنی زندگی میں پایا اور اس کا بھی جو میری وفات کے بعد پیدا ہو جائے۔) نہیں نہیں صرف ہمارے ہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر دور ہر زمانے کے پیغمبر ہیں امام الانبیاء ہیں تمام انبیائے کرامؑ سے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور نبوت کے بارے میں عہد و پیمان لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے تو فرمایا کنت نبیاً وکان اٰدم بین الماء والطّین کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ پانی اور مٹی کے گارے میں تھے۔ قوی یا ضعیف احادیث کی رُو سے آپ اوّلِ عالم بھی ہیں کنت کنزاً مخفیاً کی پہچان بھی ہیں باعث تخلیق کائنات بھی ہیں اور اللہ کے نور بھی ہیں۔ ہم اس بحث میں نہ کبھی الجھے ہیں اور نہ اس سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ جب کہ ہمارے متقدمین ہمارے اسلاف نے ایسی بہت ساری الجھنوں کو بخوبی سلجھا دیا ہے۔ لیکن ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ اوتار یا پیغمبر بن کر کبھی اوپر سے نیچے زمین پر آیا ہے۔ یہ ہندوؤں کا اوتار واد نظریہ ہے جس کی ہمارے دین میں کوئی بنیاد نہیں۔ اگرچہ ہندو مسلم مخلوط کلچر کے زیر اثر مسلمانوں میں کچھ علمی وادبی شخصیات بھی جذبات کی رو میں بہہ کر غلو آمیز کلام اپنے پیچھے چھوڑ گئی ہیں تاہم کتاب وسنت کی کسوٹی کی مدد سے دودھ اور پانی الگ الگ ہو کر رہتا ہے۔ رام اور رحیم، دین اور دھرم، شوالا اور مسجد، قرآن اور گیتا دو متضاد اور مخالف نظریات ہندو مت اور اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ زمانہ نے ثابت کر دکھایا کہ یہ کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اکبر کے بنائے دینِ الٰہی میں اور لادینی نظریہ میں اس کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن اسلامی نظریۂ حیات میں ایسا بالکل بھی ممکن نہیں۔ اللہ مسلمانوں سے خالص اور ٹھیٹھ دین

چاہتا ہے چاہے مشرکین کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو جائے۔ قرآن حکیم کے مطابق اللہ خالق اور مالک ہے حد درجہ اپنے تمام بندوں پر مہربان اور رحیم ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ یقیناً اللہ کے نزدیک بندوں کے لیے اسلام ہی نظریۂ حیات ہے۔ مسجد اللہ کا اولین اور قدیم ترین گھر ہے جس میں فلا تدعوا مع اللہ احداً کی روشنی میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسلام رواداری کا دین ہے یہ ملک میں دیگر تمام مذہب والوں سے اختلاف کے باوجود خندہ پیشانی سے ان کے جذبات کا احترام کرتا ہے ان کو شرعی قوانین کے مطابق تحفظ فراہم کرتا ہے اور ان کے باطل نظریات سے ٹکرانے کے بجائے صبر و تحمل کے ساتھ ان کو برداشت کرتا ہے۔ ان کے ساتھ معاہدوں کی سخت پاسداری کرتا ہے لیکن سمجھوتہ نہیں کرتا، اصولوں کا سودا نہیں کرتا۔ اسلام دوسروں پر جبر و اکراہ اور ظلم و زیادتی نہیں کرتا۔ یہ ایک ایسی دعوت عام یا صلاء عام ہے جس کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے: فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ کہ جو چاہے اس دعوت کو قبول کرے اور جو چاہے اس کا انکار کرے لیکن دوسری قوموں کے تئیں نرمی دکھانے کے لیے یا ان سے ہمدردی جتلانے کے لیے اس دین کو قربان نہیں کیا جاسکتا یہ اللہ کا قانون فطرت ہے جس میں کسی طرح کی تبدیلی یا کمی بیشی نہیں ہوسکتی ہے۔ نہ ہی عشق و محبت کی آڑ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکت کے متعلق کسی مبالغہ کو انگیز کیا جاسکتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی بے راہ روی اور غلو کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو ہمیشہ کے لیے اس بات سے روکا تھا کہ کہیں وہ سابقہ امتوں کی طرح غلو نہ کر بیٹھیں: یا ایھا الناس ایاکم والغلوا فی الدین فانما اھلك الذین قبلکم الغلو فی الدین۔ (اے لوگو! تم دین میں غلو سے بچو بے شک تم سے پہلے لوگ غلو کرنے سے ہلاک کئے گئے) (ابن ماجہ ونسائی) اللہ نے بھی فرمایا: لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق (النساء) (اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔) ان واضح ہدایات کے باوجود وہی ہوا جس کا ڈر تھا، شعر و ادب میں مشاہیر کے ہاتھوں غلو ہوتا رہا۔ عشق کے جنوں میں غلو آمیز کلام کو خوب سراہا گیا اور ایوارڈ ملتا رہا۔ جو اصلاح کرنے والے تھے وہی غلو کرنے والے بن گئے یہاں تک کہ مبالغہ آمیز کلام مجالس مذاکرہ اور محافل مشاعرہ سے ہوتا ہوا مساجد کے منبر و محراب میں پہنچ گیا اور دیگر اغلاط العوام کی طرح دُرست اور ناقابل اصلاح قرار پایا ؎

من از بیگانہ گاں ہرگز نہ نالم
با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

جس طرح ایک دوسرے کے ہاں آمد و رفت سے دنیا کے رشتے قائم رہتے ہیں اسی طرح قرآن و سنت کے ساتھ جڑ جانے سے مسلمانوں کا رشتہ محکم اور درست رہتا ہے جو لوگ قرآن و سنت سے غافل ہو کر آبائی دین کی اندھی تقلید کرتے ہیں وہ اس مطلوبہ رشتے کو منقطع ہونے سے فساد و بگاڑ میں پڑ جاتے ہیں۔ صنم خانوں اور کنیساؤں کے فلسفوں کو چھوڑ کر آج غیر مسلم ایک خاصی تعداد میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس دین کی سچی اور فطری تعلیمات سے متاثر ہو کر شعوری طور پر اسلام قبول کرتے ہیں۔ دین کے اصلی وارث معکوس راہ اختیار کر رہے ہیں اور نو مسلم ہندو سکھ عیسائی بودھ مفسر قرآن، مبلغ اسلام اور معمار حرم بن جاتے ہیں اور حرمین کی اسلامی دانشگاہوں میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں کیا یہ ستم ظریفی ہے یا قسمت کا کھیل ہے ؎

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

ہمارا حال یہ ہے کہ کوئی عاشق مدینے کی مسجد میں منبر پر ایک عرب کو رب کی صورت میں دیکھتا ہے تو کوئی عرش کے مستوی کو فرش پر مصطفےٰ[!] کی صورت میں دیکھتا ہے کسی نعت گو کو شریعت کا ڈر ہے مسلمانوں کا نہیں ورنہ وہ صاف کہہ دیتا کہ خدا ہی رسولِ خدا بن کر آیا کسی کو جب اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کچھ نظر نہ آیا تو بول اٹھا کہ جو کچھ ہمیں لینا ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیں گے کسی نے میم کے گھونگٹ میں احد کو احمد میں چھپا ہوا دیکھا اور کسی کو نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر نظر آیا۔ [!] جو اپنی دعاؤں میں اور مناجات میں اپنے رب کو پکارتا رہا: اللّٰھُمَّ انت الاول فلیس قبلك شیئ وانت الاٰخر فلیس بعدك شیئ وانت الظاھر فلیس فوقك شیئ وانت الباطن فلیس دونك شیئ۔ جو اپنے رب کی حمد بیان کرتا رہا یا من لیس کمثله شیئ وھو السمیع البصیر۔ یا من تقدس ذاته عن مشابھة۔ وہی رب مسلمان کو رنگ و روپ اور شکل و صورت بدلتا نظر آیا۔ یہ ساری باتیں دین کی اصل کسوٹی سے ٹکراتی ہیں جس کی بنیاد توحید پر ہے۔ اللہ کبھی مخلوق کی صورت اختیار نہیں کرتا۔ سورہ اخلاص کے مطابق عقیدۂ توحید یہ ہے کہ اللہ ایک ہے بے نیاز ہے نہ کسی سے جنا ہے نہ کسی کو جنا ہے نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے ہیں اور وہ رسول ہے اللہ کا نیازمند

!: اس شعر کی مناسب توجیہہ و تاویل ہو سکتی ہے۔ اوپر مضمون نگار نے ایک حدیث درج کی کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم پانی اور گارے کے درمیان تھے۔ اس اعتبار سے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوقات سے اوّل ٹھہرے اور ان کی بعثت بحیثیت نبی تمام انبیاء کے بعد ہوئی اس لحاظ سے وہ آخر ٹھہرے۔ لہٰذا اس شعر میں غلو کیا کیا صورت پائی جاتی ہے جس کی اصلاح مطلوب ہو؟ (شفائی)

ہے اپنے والد محترم اور والدہ محترمہ کی اولاد ہے اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں اور اس سے پہلے بھی رسول گذرے ہیں جو اس کے کفو تھے۔ دنیا میں ہر چیز کی حد بندی کی گئی ہے اور ہر شئے اپنی مقررہ حدود کے اندر خوب لگتی ہے۔ جب بھی کسی چیز کو حد سے زیادہ یا حد سے کم بیش کیا جائے تو اس کی قدر و قیمت اور افادیت کھو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان نہ حد سے بڑھائی جاسکتی ہے اور نہ کبھی گھٹائی جاسکتی ہے۔ اسلام کا قانون کسی مسلمان کو یا کسی غیر مسلم کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ نہ شطحیات درست ہیں نہ ہزلیات قابل برداشت ہیں۔ تاہم مسلمانوں کے ایمانی غیرت اور جذبہ اطاعت کو آزمانے کے لیے ہر دور میں حق و باطل کے عنوان کے تحت جدوجہد کا عمل جاری رہے گا اور صدائیں بلند ہوتی رہیں گی۔

قرآن کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں لب کشائی کرنا کوئی آسان بات نہیں جیسا کہ ہم اسے معمولی سمجھتے ہیں۔ ہم مجلس میں اپنے مطلب کی بات کہتے ہیں اور اسے قرآن و حدیث سے جوڑ دیتے ہیں ایک مرتبہ ایک صوفی منش قرآن سے بے خبر ادیب نے ریڈیو کشمیر سرینگر پر ایک خاص پروگرام میں رشوت کے بارے میں حدیث نبوی الراشی والمرتشی کلاھما فی النار پڑھتے ہوئے کہا کہ یہ آیت قرآن میں اللہ فرماتا ہے۔ عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ مِنَ النار (ترمذی) جو بغیر علم قرآن کے بارے میں کوئی بات کہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم فمن کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار (ترمذی) علم کے بغیر مجھ سے حدیث بیان کرنے سے بچو مگر جس کا تمہیں علم ہو۔ یا میری طرف کوئی بات منسوب کرنے سے بچو پس جس نے دانستہ طور پر مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔ یہ ایسی ہی مجرمانہ بات ہے جیسے کہ کوئی بغیر تعلیم و تربیت جعلی اسناد سے استاد بن جائے یا ڈاکٹر وغیرہ بن جائے اور معاشرہ کو نفع کے بجائے نقصان پہنچاتا رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جھوٹی تعریف کرنے والوں کے منہ میں خاک بھر دو۔ بادشاہوں، نوابوں، حاکموں اور افسروں کے دفتر میں جا جا کر جو چاہیں قصیدوں میں کہہ سکتے ہیں اور منہ مانگی مرادیں پوری کرواسکتے ہیں یا حسیناؤں کے عشق و محبت میں ان کا دل جیتنے کے لیے غزلیں گا سکتے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت کہنے میں مذکورہ باتوں کا خیال رکھنا ہوگا تا کہ ناعت چلتے چلتے حرم کے بجائے جہنم میں نہ چلا جائے اور خوش فہمی میں رہ کر اپنی ہی راگ الاپتا جائے۔

مجلہ 'حمد و نعت' کے دوسرے شمارے میں چند کہنہ مشق نعت گو شعراء حضرات کے نعتیہ کلام کو پڑھتے

ہوئے کچھ اشعار نے بندۂ عاجز کو اور بھی عاجز کر دیا۔ ممکن ہے کہ نعت گوؤں کے نزدیک ان کی کچھ بھی تاویل ہو سکتی ہو لیکن پڑھنے والوں کے دل میں اضطراب سا پیدا ہوتا ہے مثلاً

۱۔ مرحوم پروفیسر حامدی صاحب کا صفحہ نمبر ۳۶۲ پر یہ شعر درج ہوا ہے۔

تجھ سے احوال دل نہیں مخفی
میری شہ رگ سے بھی قریں تو ہے

ان اللہ علیم بذات الصدور مختلف مقامات پر بیان کی گئی آیت قرآنی سے عیاں ہے کہ اللہ ہی سینوں کے اندر دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ یہ اللہ کی صفات میں سے ایک مخصوص صفت ہے۔ جب کہ اللہ کے مقرب بندوں پر وحی اور کشف والہام کے ذریعے کبھی کبھی احوال کھلتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی بندہ کے قرین اور نزدیک نہیں ہو سکتے، یہ بھی اللہ کی صفت ہے کہ وہ اپنے بندوں سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اللہ کے مخصوص صفات کو بندوں کی طرف منتقل کرنا الوہیت کو عبدیت میں ضم کرنے کے مترادف ہے۔ دوسری نعت جو صفحہ ۳۶۳ پر لکھی گئی ہے نعت سے زیادہ حمد یہ کلام لگتا ہے مجھے معلوم نہیں لیکن ممکن ہے کہ مرحوم ڈاکٹر صاحب فلسفہ وحدت الوجود کے قائل ہوں۔ اللہ ان کی مغفرت کرے اور درجات بلند کرے۔

۲۔ صفحہ ۳۶۵ پر پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید صاحب کی جو نعت ہے اس میں ڈاکٹر صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں قوم مسلم کی احسان فراموشی اور زبوں حالی کا ذکر کیا ہے۔ اگر نعت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف وتعریف کے بغیر صاف شکوہ بھی کیا جا سکتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کا عنوان نعت کی جگہ معذرت یا عذر خواہی یا شکوہ بھی مناسب رہتا۔

۳۔ علیم صبا نویدی صاحب نے صفحہ ۳۷۰ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کون ومکان کا نور، منبع زندگانی، ماخذ شادمانی، جسم وجان کا نور، مخزن لطف رحمت وغیرہ کہا ہے۔ سورۂ نور میں اللہ نے اللہ نور السمٰوات والارض فرماتے ہوئے اپنے نور کی منفرد مثال بیان کی ہے جو کبھی بجھ نہیں پاتا جو تیز ہواؤں اور طوفانی آندھیوں سے محفوظ ہے جو آسمانوں اور زمین کا چمکتا نور ہے جس کی روشنی سے سارا جہاں کون ومکان روشن ہے اس کا کلام نور ہے۔ جو ظلم وجہالت کی تاریکیوں سے روشنی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اللہ ہی نور کا منبع ہے ہر قسم کا نور دین ودنیا کا نور آخرت کا نور، روز وشب کا نور، قلب ونظر کا نور، شمس وقمر کا نور، ایمان ویقین کا نور اور علم وعرفان کا نور اللہ سے وابستہ ہے۔ وہی رحمان ورحیم ننانوے فیصد رحمت کا مالک مخزن لطف رحمت ہے اسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

رحمۃً للعالمین بنا کر بھیجا۔ اسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نیک نامی اور خوش کلامی سے نوازا اور خلق عظیم بخشا جیسا کہ اس کے نبوت کے منصب جلیل کے شایان شان تھا۔ بندوں کا اپنا کچھ نہیں ہے جسم و جان سمیت سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ذات میں خاکی اور نوری نہاد تھے اور ہدایت کے معنیٰ میں نور تھے۔ دعائے نور میں اللہ سے ہی خوب نور مانگتے تھے۔ اللھم اجعل فی قلبی نوراً و فی سمعی نوراً و فی بصری نوراً الخ اللھم نور قلوبنا بنور معرفتك۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خیر البشر ہیں۔ مکہ میں تولد ہوئے مدینہ میں انك میت و انھم میتون اور کل نفس ذائقة الموت کے قانون فطرت کے مطابق دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے۔ محدثین کے بقول آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی الگ حیات ہے۔ برزخی زندگی نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر امت کے درود وسلام اور احوال گذارے جاتے ہیں حدیث میں ہے کہ میری حیات بھی تمہارے لیے رحمت ہے اور وفات بھی رحمت ہے میں اپنی قبر میں تمہارے لیے دعا گو رہوں گا اور رب سے مغفرت مانگتا رہوں گا۔ حیاتی خیر لکم تُحدِثُون و یُحدُثُ لکم و وفاتی خیر لکم تُعرِضُ عَلَیَّ اَعمالُکم فما رایت من خیر حمدت اللہ وما رایت من شر استغفرت اللہ لکم (مسند بزاز) اللہ ھو الحی القیوم لا یموت ابدا۔ بقول اقبالؒ ؎

ترا	گویم	مصطفےٰ	دین	سرّ
ترا	گویم	دُعا	اندر	قبر	بہ	ہم

صفحہ نمبر ۳۷۳ پر مقبول عام شاعر مشتاق کاشمیری (جو مرحوم ہو چکے) بھی عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سرشار ہیں پہلی اور دوسری نعت کے ابتدائی دو دو اشعار میں تھوڑا تامل ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ رب کا فرمان ہے: والذین اٰمنوا اشد حباً للہ۔ اہل ایمان کو اپنے رب سے سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ مراد ہے کہ وہ اللہ کی ہدایت و احکامات کی سخت پابندی کرتے ہیں قولی اور عملی شہادت میں اپنی جان و مال تک قربان کر دیتے ہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کر کے دکھایا۔ حسن یوسفؑ ہو یا دم عیسیٰؑ ہو ید بیضا ہو یا جمال مصطفےٰ ہو، روئے والضحیٰ ہو یا موئے واللیل اذا سجیٰ ہو۔ یہ ساری نعمتیں اللہ کی دین ہیں اسی کے معجزات ہیں جو انبیائے کرام کو عطا ہوئے ہیں تاکہ اللہ کے بندے ان کو دیکھ دیکھ کر غور و فکر کرتے ہوئے اپنے رب کی معرفت اور پہچان حاصل کریں اور اسی کی تعریف و توصیف بیان کرتے رہیں۔ اسی کے آگے سربسجود رہیں جو مکان و لامکان کا خالق و مالک ہے۔ عشق رسول سے مراد عارفین کی نگاہوں میں آپ کے جسد مبارک کی تعریف کرنا نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا

ہے۔ اصل محبت اور عشق اس ذات سے مطلوب ہے جوحی و قیوم ہے لاتاخذہ سنۃ ولا نوم اور لا فانی ولا یموت صفات سے معمور ہے۔ اللہ سے محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے مشروط ہے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ مراد یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع نہ ہو تو اللہ سے محبت کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اللہ کے بعد ہر مومن کو اپنے آپ سے اپنے والدین سے اور اپنے تمام لوگوں سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے محبت ہے لیکن یہ محبت اور یہ عشق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضاء و جوارح کی تعریفیں کرنے اور عورتوں کی طرح غزل گوئی سے اور تشبیب وتشبیہات سے نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسلسل اطاعت اور تابعداری سے ثابت ہوتی ہے۔ الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً سے ظاہر ہے کہ ابتدائے آفرینش اور انتہائے زندگی سے مقصود انسان کا امتحان ہے جسے آسمان سے زمین پر اتار کر مشقت اور آزمائش میں ڈالا گیا ہے کہ دیکھیں کس میں آفاق گم ہو جاتا ہے اور کون آفاق میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہم لوگ جس کو مدعائے کائنات وجہ تخلیق اور منتہائے منزل سمجھتے ہیں وہ دراصل منزل مقصود یعنی رب ذوالجلال تک پہنچ جانے یا رسائی حاصل کرنے کا ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے اسی لیے ہم اللہ کی کتاب اور اس کی حمد و ثناء سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلو آمیز تعریفیں کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لینے میں مصروف ہیں۔ صفحہ ۳۷۵ پر یہ شعر دیکھیں

عروج مصطفائی سے ہوئے لوح و قلم ششدر
وہی صبح ازل شام ابد صد آفریں آئے

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیر البشر ہیں اشرف النبیین ہیں سید الانبیاء والمرسلین ہیں اور خاتم النبین ہونے کے سبب سب سے زیادہ بلند درجے پر فائز ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عروج و معراج مسلم ہے۔ آپ آدمؑ کے آنے سے پہلے بھی نبی تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عروج سے لوح وقلم کیوں ششدر ہو سکتے ہیں جب کہ یہ ساری باتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدر میں ابتدائے آفرینش سے ہزاروں سال پہلے رب ذوالجلال کے حکم سے لکھی گئی ہے۔ اخدا اپنی خدائی پر کیوں کر ششدر اور ہکا بکا رہے گا العیاذ باللہ۔

۵۔ ڈاکٹر و پروفیسر شفق سوپوری اپنی نعت میں صفحہ ۳۷۶ پر لکھتے ہیں:

جس جگہ خاک پہ رکھے ہیں قدم آقا نے
اس جگہ عرش معلیٰ کا خزینہ دیکھا

ا: لوح وقلم سے مراد کائنات ہے۔ ششدر ہونے کی بات کائنات سے متعلق ہے خدا سے نہیں۔ شعر میں خدا کا نام کہیں پر بھی مذکور نہیں۔ لوح وقلم کو کائنات کے معنی میں اقبال نے بھی استعمال کیا ہے ع یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں۔ (شفاؔئی)

عرش مجید (Empyrean) کی بات کچھ اور ہے آسمان کی بلندی کا زمین کی پستی سے کیا مقابلہ؟ عرش مجید سارے آسمانوں کا آسمان ہے اس کائنات کا سب سے اونچا اور بلند ترین مقام ہے۔ جس کے بارے میں اللہ نے قرآن میں بار بار فرمایا: الرحمٰن علی العرش استویٰ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کا محبوب بندہ ہے اور پھر اس کا آخری رسول بن کر آیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ تاکیدی فرمان ہے کہ مجھے بڑھا چڑھا کر پیش نہ کرو۔ غلو نہ کرو۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں افراط وتفریط سے کام نہ لو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مختصر تعارف کیا ہے یہی کہ محمداً عبداللہ ورسولہٗ۔ وہ جو افلا اکون عبداً شکوراً کہتے ہوئے راتوں کو اپنے رب کے حضور اسقدر طویل قیام کرتا کہ پاؤں مبارک مقورم ہو جاتے وہ جو تحویل قبلہ کے سلسلے میں بار بار آسمان کی طرف مبارک نگاہیں اٹھاتے وہ جو اپنے جان نثار ساتھیوں کو اپنے لیے کھڑا ہونے سے منع کرتے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور قیام صرف اللہ کے لیے ہے یہ عجمی لوگوں کی عادت ہے وہ جو اللہ کی قسم کھا کر فرماتے کہ میں دن میں سو بار اپنے رب کے حضور توبہ واستغفار کرتا ہوں تم بھی توبہ کرتے رہنا۔ وہ جس نے تاکید کی کہ مجھے دیگر انبیائے کرامؑ پر فوقیت دے کر غلو اور تنقیص نہ کرو۔ وہ جس نے فرمایا کہ قیامت میں صور پھونکنے پر میں بھی سارے لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہو کر گر پڑوں گا سوائے موسیٰؑ کے جو عرش مجید کا پایہ پکڑے ہوئے کھڑے ہوں گے اور شائد دنیا میں طور پر بے ہوش ہونے کی وجہ سے آج بے ہوش نہیں ہوں گے (متفق علیہ)۔ وہ جس کو اختیار دیا گیا کہ چاہے تو داؤدؑ و سلیمانؑ کی طرح بادشاہ نبی نبیاً ملکاً بن جائے یا چاہے تو بندہ نبی نبیاً عبداً بن کر رہے تو انہوں نے اپنے رب کا بندہ نبی بننے کو ترجیح دی۔ وہ جس نے عائشہؓ سے فرمایا کہ اٰکل کما یاکل العبد واجلس کما یجلس العبد۔ میں ایک غلام کی طرح کھاتا ہوں اور بیٹھتا ہوں یعنی میرا مالک اللہ ہے اور میں اس کا بندہ ہوں میں کیسے ایسے آقا و مالک کے سامنے تکیہ لگا کر آرام سے بیٹھوں اور کھاؤں پیوں ماشاء اللہ کیا مقام عبدیت ہے اور اللہ کا کیا مقام ومرتبہ الوہیت ہے جس کی علامت عرش ہے مذکورہ بالا شعر میں جو کہا گیا ہے کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر خوش ہوں گے؟[1]

۶۔ صفحہ ۳۸۵ پر ڈاکٹر شبیب رضوی رقمطراز ہے:

۱: مضمون نگار نے شعر کی تنقید میں غیر متعلق باتیں لکھی ہیں گویا اپنے محل میں وہ صحیح ہوں۔ اس شعر کا کلیدی لفظ خزینہ ہے۔ یہاں خزینہ سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ طے ہو جائے تو شعر کے معنی کھل جائیں گے۔ عرشِ عظیم بہر حال مخلوق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فضیلت وعظمت میں کم ہے۔ شعر کو جو مفہوم بظاہر متبادر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خاک کے جس حصے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدمِ مبارک رکھتے ہیں وہ فضیلت میں عرشِ عظیم سے کم نہیں۔ (واللہ اعلم)

قرآن جس کو کہتے ہیں ہم آپ اور سب
اللہ کا قصیدۂ خیر البشر ہے یہ

واقعی آج ہم مسلمانوں کی اکثریت نے قرآن کو قصیدہ سمجھ کر ہی اس کی اصل روح سے دوری اختیار کی ہے بڑے بڑے علماء و مشائخ حضرات فخر سے یہ بات سامعین کے گوش گذار کرتے ہیں کہ قرآن نعتیہ کلام ہے نعتوں اور قصیدوں کی کتاب ہے جس میں اللہ نے اپنے محبوب و معشوق کی تعریفیں کی ہیں۔ اسی لیے اب شعراء کے ذہنوں سے نعت کے سوتے نہیں چشمے اور فوارے پھوٹ رہے ہیں۔ جن میں عبدہٗ کو معبود اور قرآن کو قصیدۂ نبویہ کھلے عام قرار دیا جاتا ہے۔ اور احکام و قوانین کی کتاب سے غفلت برتی جاتی ہے۔ منبر و محراب میں بھی آج قرآن کے بجائے شعراء کے نعتیہ قصائد سے مسجدیں گونج اٹھتی ہیں ابو جہل کے الفاظ یا محمد لا نکذبك ولکن نکذب الذی جئت بہٖ۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہم تمہاری ذات کو نہیں بلکہ تمہارے لائے ہوئے اس کلام یعنی قرآن کو جھٹلاتے ہیں آج بھی اسلامی تاریخ و ادب میں ثبت ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ قرآن کیا کہہ رہا ہے وہ اس کے الفاظ اور معنی خوب سمجھ رہے تھے اور ہم کو ہمارے معلمین و حفاظ کی اکثریت کو بھی معلوم نہیں کہ قرآن ہم سے کیا کہتا ہے۔ ہمارے اسلاف کے لیے یہ ہدایت و نصیحت کی کتاب تھی رحمت اور شفا بخشنے والی کتاب تھی روزمرہ زندگی میں طاغوتی اور شیطانی قوتوں کے خلاف جدوجہد کا سبق دینے والی کتاب تھی لیکن ہمارے لیے یہ ایصال ثواب اور حصول برکات اور جھاڑ پھونک و تعویذات کی کتاب بن کر رہ گئی ہے ؎

منزل و مقصودِ قرآن دیگر است
رسم و آئینِ مسلمان دیگر است

۷۔ صفحہ ۴۰۷ پر بائیں طرف کی نعت بندۂ عاجز نے لکھی ہے غلطی سے اسے سلطان الحق شہیدی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ بھول چوک تو معاف ہے انسان سے نسیاں ہوتا ہے لیکن ہر بار نہیں۔ صفحہ ۴۱۰ پر جسٹس رانا بھگوان داس نے جو معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سلسلے میں نعت لکھی ہے وہ قابل احترام ہے اگرچہ اس میں مبالغہ بھی ضرور ملتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معراج کا دولہا بتایا گیا ہے اور سفر نامہ معراج جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو برزخی زندگی کے ہولناک واقعات، جنت و جہنم، انبیاء و فرشتوں کا مشاہدہ کرایا گیا بہت سارے مشہور علماء نے اسے عاشق و معشوق اور حسن و عشق کا افسانہ بنا رکھا ہے۔

معراج میں جو اہم ہدایات حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو امت کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں اور اسلامی ریاست کی تاسیس کے لیے دیئے گئے ہیں۔ ان پر زور دینے کے بجائے واقعہ معراج کو تفریح دل

بہلائی کے طور پر منایا جاتا ہے۔ جس میں خوب روڈ شو جلسے اور جلوس اور جش و چراغاں کئے جاتے ہیں۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

۸۔ غلام مصطفےٰ نعیمی کی نعت صفحہ ۴۱۱ پر درج ہے۔ نعت گو کے خیال میں اللہ نے قرآن میں سورۃ الحمد سے لے کر سورۃ الناس تک پورے تیس پاروں میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت بیان کی ہے۔ شائد یہ نعیمی صاحب کی تحقیق کا خلاصہ ہے جو انہوں نے مختصر پیش کیا ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے جسے اگر پہاڑ پر اتارا جاتا تو وہ خشیت الٰہی سے کانپ اٹھتا۔ اس میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے احکامات و آداب سکھائے گئے۔ اس میں ہر طرح کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ ایمان والوں کو خوشخبری اور نافرمانوں کو ڈرایا دھمکایا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: القرآن حجة لك او عليك۔ اگر قرآن نعیمی صاحب کے بقول نعت ہوتا تو یہ حجت اور دلیل کیوں بن جاتا۔ یہ توحید و مشرک اسلام و کفر اور حق و باطل کی کسوٹی ہے۔ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ تم اس قرآن کے پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے رہو اگر ایسا نہ کیا تو رسالت کا حق ادا نہ کیا (مائدہ) متقدمین اس کی تلاوت کرتے ہوئے خون کے آنسو روتے تھے یہ کسی گلشن کے بلبل کی نغمہ سرائی نہیں یہ فرقان حمید ہے جو مومن، کافر اور منافق کی علامتوں اور خصلتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ شق القمر کے معجزے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تو ایک ٹکڑا جبل ابوقبیس کے اوپر اور ایک اس کے نیچے آ گرا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں چاند کے آنے کا ذکر بخاری و مسلم وغیرہ کتب میں نہیں ملتا۔

(۹) صفحہ ۴۲۵ پر بشیر احمد بشیر کا یہ شعر بھی درج ہے ؎

یہی نور محمد باعث تخلیق عالم ہے
جبھی قرآن میں لولاک لما کہتا خدا بھی ہے

لولاك لما خلقت الافلاك۔ قرآن میں کہیں پر بھی کوئی آیت یا آیت کا جز نہیں اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اس کے معنی ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آسمان کو پیدا نہ کرتا۔ صوفیاء اور دوسرے لوگ اسے حدیث قدسی کہتے ہیں۔ محدثین کی تحقیق کے مطابق یہ موضوعات کبیر میں ہے۔ امام الصَّغانی نے اس روایت کو موضوع کہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کسی کی وضع کردہ حدیث ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ بہت سے شعراء اور نعت لکھنے والوں نے اس حدیث کا ذکر اپنے کلام

میں کیا ہے اقبال نے بھی اس کے بارے میں اپنے اشعار میں تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے۔ایک اور شعر میں ہے ؎

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی
مرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک[1]

نعت کا جائزہ لیتے ہوئے میرے خیال میں ادارہ کی جانب سے تطہیر نعت وقت کی اہم ضرورت ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ امت کے والہانہ محبت اور عقیدت کے سبب نعتیہ کلام میں روز افزوں جو اضافہ ہو رہا ہے اس پر کوئی قدغن یا روک ٹوک نہیں کی جاسکتی ہے لیکن شعراء کے کلام کو وصول کرنے کے بعد اس کا جائزہ لیا جاسکتا ہے کچھ شاعر حضرات پرانے اور نئے اپنے اپنے مبلغ علم اور دلی جذبات و احساسات کے مطابق ہر سنی سنائی، بے اصل وضعیف اور رطب ویابس وغیرہ باتیں لکھتے ہی رہتے ہیں جو مجموعی طور بعد میں غیر موزوں، غلو آمیز اور نامناسب لگتا ہے۔ میری تجویز ہے کہ خواہش مند شعراء سے نعتیہ کلام طلب کرتے وقت اعلامیہ میں اس بات کی تاکید کی جائے کہ مطلوبہ نعتیہ کلام کتاب وسنت اور سیرت مقدسہ کی روشنی میں شرعی حدود وقیود کے مطابق ہونا اشد ضروری ہے اور یہ کہ ادارہ مراسلات کو وصول کرنے اور جانچ کرنے کے بعد ردّ وقبول کا مجاز ہوگا۔ اس طرح سے ممکن ہے کہ نعت کی ممکنہ تطہیر بھی ہوجائے اور اصلاح ودرستی کے لیے ناعت کو مطلع کر کے اعتماد میں لیا جائے۔ نہ صرف نعت بلکہ مجلہ کے دیگر مضامین پر بھی نظر ثانی کرتے وقت اگر کسی شک وشبہ کو رفع کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو مضمون نگار کو مطلع کر کے اس کے ساتھ رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ میرے خیال میں اس طرح سے اگر مجلہ کی ضخامت اور حجم کم بھی ہوجائے تو کیا غم ہے لیکن اس کی اعتباریت اور معنویت اگر قائم رہے تو بڑی خوشی کی بات ہوگی۔ عصر حاضر کی لاگ لپیٹ، ملاوٹ اور نقابی سے پاک اور بے باک ادارہ الحیات کی اپنی ایک منفرد ساکھ اور پہچان ہے جس پر کوئی آنچ نہ آنے دی جائے اور نہ اس کے صاف وشفاف چہرے پر کسی طرح کی عصبیت اور تفرقہ بازی کا زنگ آلود رنگ چڑھنے دیا جائے اسی میں دین ودنیا کی بھلائی اور کامیابی مضمر ہے۔

وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم رب السمٰوٰت السبع ورب العرش العظیم

***

1: اقبال کے اس شعر کا معنوی کینوس بہت وسیع ہے۔ یہاں اس امر سے بحث نہیں کہ حدیث فی نفسہٖ ثابت ہے یا نہیں۔ اس کا تعلق علمِ حدیث سے ہے۔ یہاں اس کو استعاراتی مفہوم میں لیا جانا چاہیے۔ ''مردِ مومن'' کی ترکیب نے اس کے معنوی ابعاد میں وسعت پیدا کی ہے۔ (م۔م)

ڈاکٹر عزیزؔ احسن
(abdulazizkhan49@gmail.com)

نعت گوئی کی فکری وفنی نزاکتیں

نعت ، مدحت ، مدیح یا مدح کے عنوان سے جو شاعری کی جاتی ہے وہ کسی نہ کسی زاویے سے کائنات کی سب سے بڑی اور اہم ہستی یعنی مقصودِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کے ذیل میں آتی ہے۔ نعت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا حسنِ صوری اور جمال معنوی منعکس ہوتا ہے۔ شاعر کے اندازِ بیان سے یا تو براہِ راست نعت تخلیق ہوتی ہے یا بالواسطہ۔ براہِ راست نعت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمالِ صوری و معنوی شعری متن بنتا ہے اور بالواسطہ نعت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق اماکن ومدائن یا اشیاء واشخاص کا ذکر ہوتا ہے۔ مثلاً: ع: بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر (مختصر بات یہ ہے کہ، یا نبی اللہ [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم]! خدا کے بعد آپ ہی کی ذات بزرگ ہے اور بس)......

یہ براہِ راست نعت ہے۔............اور بالواسطہ نعت میں مدینہ، گنبدِ خضریٰ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرام یا ازواج مطہرات واقرباء، رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا ذکر کر کے آپ کی عظمتوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جیسے:؂

حرا سے سبز گنبد تک مسلسل ===سفر اندر سفر ہے اور میں ہوں
مرے اشکوں میں تصویرِ بلالیؓ === محبت کا ہنر ہے اور میں ہوں
(سید محمد ابوالخیر کشفی ،نسبت ،ص ۲۴)

غبارِ راہِ طیبہ غازۂ روئے کواکب ہے ===فروغِ جلوۂ حُسنِ مہہِ کامل مدینہ ہے
(کلیات مظہر، حافظ مظہرالدین ،ص ۸۴۳)

نعت گو شاعر اپنے اشعار اس ہستی کی جناب میں نذر کرتا ہے جس کو ''افصح العرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس لیے شاعر کو شعر کہتے ہوئے ،جس زبان میں شاعری کر رہا ہے اس کے بہترین لہجے، زبان و بیان، عروض اور محاسنِ کلام کی طرف متوجہ رہنا لازمی ہے۔ ورنہ نعت، نعت نہیں ہوگی بلکہ

کچھ اور ہی شئے بن جائے گی!......مثالیں لاتعداد ہیں، لیکن میں صرف ایک دوشعری متون کی تفہیم کے لیے چند نکات پیش کر دیتا ہوں۔ کسی معروف قوال نے یہ کلام پڑھا، جو لحن اور موسیقی کی دلآویزی اور ہندو پاک کے عوام کے سکر آمیز بے عملی کے میلان کے باعث انتہائی مقبول ہوگیا۔

بھردو جھولی مری یا محمد ،لوٹ کر میں نہ جاؤں گا خالی
کچھ نواسوں کا صدقہ عطا ہو ، در پہ آیا ہوں بن کر سوالی

ذرا غور فرمائیے:......بھر دو! اپنے جیسے اور اپنے سے چھوٹے کے لیے حکمیہ جملہ ہوسکتا ہے۔ یہاں واحد حاضر کا صیغہ ''تم'' مخفی ہے۔ عام طور پر کہتے ہیں ''تم یہ گلاس بھر دو، یا تم یہ تھیلہ بھر دو!''۔

اور اپنے سے بڑے اور کسی بزرگ سے کہتے ہیں ''آپ یہ جھولی بھر دیجیے''...... یہاں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذاتی اسمِ گرامی لے (۲) کر کہا جا رہا ہے ''یا محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] جھولی بھر دو''...........دیہاتی زبان میں ''آپ بھر دو'' بھی کہہ لیتے ہیں لیکن نہ تو یہ زبان فصیح ہے اور نہ ہی بے عیب۔ اس جملے میں شتر گربہ کا عیب ہے۔ اس لیے حضورِ اکرم سے تخاطب ہونے کے باعث، توہین آمیز بن جاتا ہے۔

سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں'' (کنزالایمان)

اس شعر میں، شاعر نے خود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر پایا ہے جہاں سے خالی ہاتھ لوٹ جانا اسے گوارا نہیں ہے۔ پھر نواسوں کا صدقہ طلب کیا ہے۔ یہ کسی حدیث وغیرہ سے ثابت نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی امتی کو اپنے نواسوں کا صدقہ کھلایا ہو!......مزید برآں یہاں جھولی بھرنے اور صدقہ لینے کا سوال کیا گیا ہے جو سراسر مادی اشیاء، مال ودولت اور دنیاوی اسباب کا سوال ہے۔ کسی روحانی فیضان یا تقویٰ کے حصول کا ذکر نہیں ہے...... بلا شبہ یہ نبی علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ قرآنِ کریم میں خالی دنیا طلبی پر آخرت برباد ہو جانے کی وعید ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ''اور کوئی آدمی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں''

(البقرہ، آیت ۲۰۰، ترجمہ کنزالایمان)۔

''لوٹ کر میں نہ جاؤں گا خالی'' میں ضد کا سا انداز ہے، جو بہت بڑی جسارت ہے۔ یہ شعر اگر کسی مجذوب کا ہے تو ٹھیک [مجذوب پر شریعت کا اطلاق نہیں ہوتا]۔ لیکن اس کو پڑھنے، سن کر جھومنے اور اس کی تشہیر کرنے والے ہر صاحبِ عقل وہوش انسان کا مواخذہ ہوسکتا ہے۔ اتنے عیب ہونے کے باوجود اس کلام پر لوگ جھومتے ہیں اور نوٹ نچھاور کرتے ہیں۔ آج کل نعت خواں بھی یہ کلام پڑھنے لگے ہیں۔

میں یہاں مسلکی انحراف کی تہمت سے بچنے کے لیے اپنا ہی ایک شعر عرض کیے دیتا ہوں کہ مانگنے کا سلیقہ یہ بھی ہوسکتا ہے :

تڑپ تو رکھتا ہوں زادِ سفر نہیں رکھتا === کرم حضور کہ میں بال و پر نہیں رکھتا

یہاں زادِ سفر میں دنیاوی وسائل اور حصول تقویٰ کا implied بیان ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا زادِ سفر ''تقویٰ'' کو قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوا : ''اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے'' (البقرہ، آیت ۱۹۷، کنزالایمان)۔

بہت سے شعراء قبر، حشر اور قیامت کے احوال پر مبنی متن تخلیق کردیتے ہیں، جو سراسر خیالی مضمون ہوتا ہے اور ظاہر ہے نرا جھوٹ۔ جیسے پروفیسر اقبال عظیم نے کہا :

کیا خبر کیا سزا مجھ کو ملتی میرے آقا نے عزت بچالی
فردِ عصیاں مری مجھ سے لے کر کالی کملی میں اپنی چھپالی

(۳) واضح رہے کہ فردِ عصیاں دنیا میں کسی کے ہاتھ نہیں لگتی۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: ''اور ہر انسان کا معاملہ یہ ہے کہ لٹکا دی ہے ہم نے اس کی تقدیر اس کی گردن میں۔ اور نکالیں گے ہم اس کو دکھانے کے لیے روزِ قیامت ایک نوشتہ، پائے گا وہ جسے کھلی کتاب کی مانند۔ پڑھ اپنا اعمالنامہ۔ کافی ہے تو خود ہی آج اپنا حساب لگانے کے لیے'' (آیات ۱۴-۱۳، سورۃ بنی اسرآئیل ۱۷، پ ۱۵)

ان آیاتِ قرآنی کی موجودگی میں، قیاس پر مبنی کوئی بھی، ڈرامائی انداز کا بیان، کسی بھی صورت مستحسن نہیں ہوسکتا۔ شاعر کا خیال، الفاظ کی بندش اور شعر کی مجموعی فضا کے حوالے سے منصۂ شہود پر آتا ہے۔ یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ایک واقعے کی صورت میں مرئی (Visual) بنایا گیا ہے۔ عوامی سطح پر تو اقبال عظیم کا یہ شعر بہت مقبولیت پاچکا ہے لیکن اہلِ علم کے نزدیک اس میں سقم ہے۔

مزید برآں، قیامت میں سزا سے بچنے میں گناہ گاروں کی عزت بچنے کا نہیں، ان کی چمڑی (کھال) بچنے کا سوال ہوگا۔ سزا سے جان بچتی ہے عزت بچے یا نہ بچے۔ بھلا گناہ گار کی بھی کوئی عزت ہوتی ہے؟...... گناہگار کی رسوائی کا ذکر تو سزا کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے۔ اس بیان میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ گناہ گار اپنے آپ کو بڑا عزت دار سمجھ رہا ہے...... یہ احساس، تکبر کے ذیل میں آسکتا ہے۔ اللہ مرحوم کی اظہاری لغزش معاف فرمائے (آمین)!

ایک اور زاویے سے دیکھیں تو ''عزت بچالی'' کہنے سے کسی کی اپنی عزت بچتی ہے اور ''عزت بچادی'' کہنے سے کسی دوسرے انسان کی عزت بچانے کا تاثر قائم ہوتا ہے۔ یہاں غیر ارادی طور پر

شاعر نے کہہ دیا ہے کہ ''میرے آقا نے عزت بچالی'' یعنی [نعوذ باللہ] آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عزت بچالی۔ حال آں کہ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عزت بچادی۔

علامہ اقبال جیسے زیرک اور بیدار مغز شاعر نے بھی پہلے پہل ایسے نعتیہ اشعار کہے تھے جو بعد میں انھیں خود ہی حذف کرنے پڑے۔ ان کی حیاتِ دنیوی میں وہ اشعار کسی کتاب میں شامل نہیں کیے گئے۔ بعد میں محققین نے ان اشعار کی تحفیظ کا فریضہ انجام دیا۔

اس نے پہچانا نہ تیری ذاتِ پر انوار کو===جو نہ سمجھا احمدِ بے میم کے اسرار کو

(کلیاتِ باقیاتِ شعرِ اقبال' مرتبہ: ڈاکٹر صابر کلوروی، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴ء، ص ۴۱)

قابَ قوسین بھی، دعویٰ بھی عبودیت کا=== کبھی چلمن کو اٹھانا، کبھی پنہاں ہونا

(ایضاً ص ۱۰۹)

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر
وہ بزمِ یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

(ایضاً ص (۴) ۳۳۲)

ہم جانتے ہیں میم کے پردے میں کون ہے
ہاں بھیدیوں سے منہ نہ چھپایا کرے کوئی

(ایضاً۔ ص ۳۰۰)

ان تمام اشعار میں ''احمد'' کے ''میم'' کو ہٹا کر حضورِ اکرم کی ذاتِ والا صفات کو ''احد'' کے درجے پر فائز دیکھنے کی خواہش ہے جو معرفت کی زبان میں ''حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے ظہور کا نقطہ ہے، لیکن اس کی غلط تفہیم کے باعث ہماری شاعری میں اس طرح کے خیالات کردش کرتے رہے ہیں۔ مثلاً محسن کاکوروی (المتوفی ۱۹۰۵ء) نے حضورِ اکرم کا سراپا لکھا ہے:

حقا کہ وہ جسم سر سے تا پا===ہے شاہدِ غیب کا سراپا
دیکھا ہے خدا نے اپنا عالم ===آئینہ بنا کے قدِ آدم
کھینچی بکمال حسنِ تدبیر ===نقاشِ ازل نے اپنی تصویر

یا آسی غازی پوری (متوفی ۱۹۱۶ء) کا بڑا مشہور شعر ہے ؎

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر===اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

تاہم اقبال نے اپنے وہ اشعار حذف کر کے اپنے تنقیدی شعور کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ بعد میں ان کی شاعری میں باقاعدہ نعت تو شامل نہیں ہوسکی لیکن مجموعی طور پر ان کی شاعری کے پس منظر میں یا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سراپا رہا یا تعلیماتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ظہور ہوا۔ مثالوں کی یہاں گنجائش نہیں ورنہ تفصیل سے بتاتا کہ اقبال نے نعتیہ شاعری کو کن کن زاویوں سے مالا مال کیا ہے۔

موضوع کی نزاکتوں سے آگاہ شعراء نعتیہ متون کی تخلیق کے ضمن میں بڑے محتاط ہوتے ہیں اور لازماً تمام شعراء کو محتاط ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر خورشید رضوی نے لکھا ہے کہ حافظ افضل فقیر نے حفیظ تائب کا ایک شعر سن کر اس میں استعمال ہونے والے لفظ ''حاصل'' سے بے اطمینانی ظاہر کی تھی۔ ''کچھ عرصے بعد تائبؔ نے ''حاصل'' کو ''غایت'' سے بدل کر انہیں سنایا اور انہوں نے اتفاق فرمایا کہ واقعی لفظ ''غایت'' ہی وہ غایت تھی جس تک طائرِ خیال رسائی چاہتا تھا اور پھر کہا: ''مولانا! تمہاری جستجو کی بھی داد دینی پڑتی ہے''۔ ان دونوں اشعار کی خواندگی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ صرف ایک لفظ کی تبدیلی سے شعر میں کتنی شعریت پیدا ہوگئی اور معنوی حسن کتنا بڑھ گیا:۔

وہ کہ ہے سوز و ساز نبض حیات===وہ کہ ہے حاصلِ سنین و شہور

وہ کہ ہے سوزوسازِ نبضِ حیات=== وہ کہ ہے غایتِ سنین و شہور

(ڈاکٹر عزیز احسن، اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ، ص 180)

(۵) اس واقعے سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ سچے شاعر اور حقیقی عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نعتیہ شعر کی تنقید پر یا تو دلیل دینی چاہیے یا اپنی انا کو پسِ پشت ڈال کر شعری اسقام دور کرنے کی سعی کرنی چاہیے۔ نعتیہ شاعری میں حال [حقیقت] اور قال [صرف بیان] کا پہلو کو اجاگر کرنے کی غرض سے عرض ہے کہ:

''ایک صاحب نے احمد رضا خان بریلویؒ کو اشعار سنائے، جو ''اس مضمون کے اشعار تھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حضور کی محبت میں دن رات تڑپتا ہوں کھانا پینا، سونا سب موقوف ہوگیا ہے۔ کسی وقت مدینہ طیبہ کی یاد دل سے علیحدہ نہیں ہوتی۔ رضا صاحب نے فرمایا: ''حافظ صاحب! اگر جو کچھ آپ نے لکھا ہے، یہ سب واقعہ ہے تو اس میں شک نہیں کہ آپ کا بہت بڑا مرتبہ ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں آپ فنا ہوچکے ہیں، اور اگر محض شاعرانہ مبالغہ ہے تو خیال فرمایئے جھوٹ اور کون سی سرکار

میں؟ جنہیں دلوں کے ارادوں، خطروں، قلوب کی خواہشوں اور نیتوں پر اطلاع ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے ماکان وما یکون کا کوئی ذرہ نہ چھپایا...... اور اس کے بعد اس قسم کے اشعار کٹوا دیئے''
(ڈاکٹر سراج احمد قادری، شمائم النعت، سنت کبیر نگر، بھارت)

میرا مقصد نعت گو شعراء کو احساس دلانا ہے کہ نعت ایک بہت ہی نازک صنفِ شعر ہے۔ اس کا متن (Text) بھی قابلِ قبول ہونا چاہیے اور اسلوب (Style) بھی۔ سخنِ نعت میں ادبی اور شرعی معیارات کی کمی کی وجہ سے ادبی اور دینی وعلمی حلقوں میں نعتیہ ادب کی پذیرائی کے امکانات ہمیشہ بہت کم رہے ہیں۔ اب فضا بدل رہی ہے تو نقدِ نعت کی طرف سنجیدگی سے متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ میری زیادہ تر تصانیف اسی موضوع پر ہیں۔

میرا مشاہدہ ہے کہ آج کل بعض نعت خواں حضرات بھی نعت گوئی کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ حال آں کہ (بعض مستثنیٰ Exceptions صورتوں کے علاوہ) انھیں نہ تو نعتیہ شاعری کی شرعی نزاکت کا علم ہوتا ہے اور نہ ادبی لحاظ سے ان کا مطالعہ، مشاہدہ اور مشقِ سخن ایسی ہوتی ہے کہ وہ ایک بھی ڈھنگ کا شعر کہہ سکیں۔ لیکن نعتیہ محافل میں ان کی آواز کا جادو چل جاتا ہے۔ مجھے حیرت اس وقت ہوتی ہے جب بعض علماء بھی ان کی نیم پختہ اور بے وزن شاعری پر یا تو سر دھنتے ہیں یا خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ کاش علماء اور نعت کے عمومی audience میں کلام کے حُسن وقبح کو سمجھ کر اچھے کلام کی تحسین کرنے اور کمزور کلام کی اصلاح کے خیال سے نعت خواں کو ٹوکنے کا داعیہ پیدا ہو جائے۔ نعتیہ محافل کی Commercialization کے ماحول نے نعت کے حُسن وقُبح کو مخلوط کر دیا ہے۔ اللہ خیر فرمائے (آمین)!

نعتیہ کتب پر انعامات کے سلسلے نے بھی بعض شہرت طلب شعراء کو عجلت میں کتابیں چھاپنے اور انعامات حاصل کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرنے میں مصروف کر دیا ہے۔ انعامات کے لیے کتب کی جانچ کی غرض سے ایسے منصفین کی تلاش رہتی ہے جو شعراء کے لیے دلوں میں نرم گوشہ رکھتے ہوں۔ exceptions یہاں بھی مذکور نہیں ہیں۔ (ڈاکٹر نثار احمد نثار کے ساتھ 'نعت' پر گفتگو کے دوران کہی گئی باتیں)۔

***

ماہنامہ الحیات کے چند خاص نمبر (سال 2014 تا 2018)

شمار	نام کتاب / خاص نمبر / خاص اشاعت	مرتب	صفحات	ھدیہ
01	مشرق ومغرب میں قبولِ اسلام کی لہر (قبولِ اسلام نمبر)	مدیر'الحیاۃ'	528	150.00
02	داعیٔ قرآن، داعیٔ خلافت: ڈاکٹر اسرار احمدؒ (ڈاکٹر اسرار احمدؒ نمبر)	" "	432	120.00
03	مشرق ومغرب کی خواتین میں قبولِ اسلام کی لہر (قبولِ اسلام نمبر)	مدیر'البنات'	224	128.00
04	ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: حیات، افکار، افادات	مدیر'الحیاۃ'	608	400.00
05	'نبی مہربان ﷺ نمبر'۔۔'الحیاۃ' (جنوری 2014ء)	" "	84	020.00
06	'ماہِ صیام نمبر'۔۔'الحیاۃ' (جولائی۔اگست 2014ء)	" "	132	025.00
07	'محسنِ انسانیت ﷺ نمبر'۔۔'الحیاۃ' (جنوری 2015ء)	" "	84	020.00
08	'اِصلاحِ قلب نمبر'۔۔'الحیاۃ' (مئی 2015ء)	" "	84	020.00
09	'روزہ نمبر'۔۔'الحیاۃ' (جون 2015ء)	" "	84	020.00
10	'تعلیماتِ نبوی ﷺ نمبر'۔۔'الحیاۃ' (دسمبر 2015ء)	" "	84	020.00
11	'جدید فقہی مسائل نمبر'۔۔'الحیاۃ' (مئی 2016ء)	" "	84	020.00
12	'روزہ: فضائل ومسائل نمبر'۔۔'الحیاۃ' (جون 2016ء)	" "	84	020.00
13	'میلادالنبی ﷺ نمبر'۔۔'الحیاۃ' (اگست۔دسمبر 2016ء)	" "	100	020.00
14	'نماز نمبر'۔۔'الحیاۃ' (جنوری 2017ء)	" "	84	020.00
15	'مطالعہ نمبر'۔۔'الحیاۃ' (فروری 2017ء)	" "	84	020.00
16	'دینی مدارس نمبر'۔۔'الحیاۃ' (مارچ 2017ء)	" "	92	020.00
17	'ماہِ رحمت ومغفرت نمبر'۔۔'الحیاۃ' (جون 2017ء)	" "	100	020.00
18	'حج وعمرہ نمبر'۔۔'الحیاۃ' (جولائی 2017ء)	" "	68	020.00
19	'تعمیرِ شخصیت نمبر'۔۔'الحیاۃ' (ستمبر 2017ء)	" "	84	020.00
20	'مطالعہ احادیث نمبر'۔۔'الحیاۃ' (اکتوبر 2017ء)	" "	84	020.00
21	'سیرۃ النبی ﷺ نمبر'۔۔'الحیاۃ' (دسمبر 2017ء)	" "	100	020.00
22	'قرآنی تعلیمات نمبر'۔۔'الحیاۃ' (جنوری 2018ء)	" "	84	020.00
23	'مضامینِ قرآن نمبر'۔۔'الحیاۃ' (فروری 2018ء)	" "	84	020.00
24	'ماہِ قرآن وغفران نمبر'۔۔'الحیاۃ' (مئی 2018ء)	" "	84	020.00
25	'علامہ انور شاہ کشمیریؒ نمبر'۔۔'الحیاۃ' (جولائی 2018ء)	" "	84	020.00
26	'علامہ احمد رضا بریلویؒ نمبر'۔۔'الحیاۃ' (اگست 2018ء)	" "	84	020.00
27	'علامہ سیّد مودودیؒ نمبر'۔۔'الحیاۃ' (ستمبر 2018ء)	" "	116	030.00
28	'علامہ محمد ناصر البانیؒ نمبر'۔۔'الحیاۃ' (اکتوبر 2018ء)	" "	84	020.00
29	'محسنِ انسانیت ﷺ نمبر'۔۔'الحیاۃ' (نومبر 2018ء)	" "	84	020.00

نوٹ: زیادہ تعداد میں مفت تقسیم کے لیے خاص رعایتی قیمت ہے، رابطہ فرمائیں : 9906662404

باب

تدبّرات

جہانِ حمد و نعت

عکسِ تحقیق، نقشِ تنقید
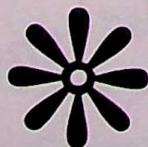
[حمدیہ و نعتیہ شاعری پر تحقیقی و تنقیدی مضامین]

سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ: دربارِ رسالت میں
ڈاکٹر شکیل شفائی 97

دیارِ مغرب میں آفتابِ حمد و مناجات کی کرنیں
تنویر پھول 109

سید نصیر الدین نصیر گیلانی کی نعتیہ شاعری
میر امتیاز آفرین 127

قصیدۂ ابیات نعت پر امیر مینائی کی تضمین
ڈاکٹر یحییٰ نشیط 131

مولانا حسرت موہانی کی نعتیہ شاعری
محمد آصف 158

سید محمد نور الحسن کی نورانی جہتیں
ڈاکٹر سروشہ نسرین قاضی 167

مخلص مصوری اور ترفعاتِ نعت
ڈاکٹر سراج احمد قادری 172

اُردو نعت گوئی میں سکھ شعراء کا حصہ
فاروق ارگلی 177

مظفر وارثی کا نعتیہ کلام: ایک مطالعہ
ڈاکٹر تابش مہدی 189

اعجاز رحمانی کی نعت گوئی
ڈاکٹر تابش مہدی 194

نعوت میں سیرت طیبہ کی ترجمانی
ڈاکٹر جوہر قدوسی 201

نعتیہ شہر آشوب: ایک تحقیقی مطالعہ
علیم ناصری 205

نعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حفظِ مراتب
عبدالمعید قاسمی 228

علیم صبا نویدی کی نعتیہ نثری نظمیں
ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی 241

میر غلام رسول نازکی کا نعتیہ کلام
ڈاکٹر نسرین کوثر 245

جدید اُردو نعت کا پھیلتا کینوس
ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی 255

ڈاکٹر شکیل شفائی
پارمپورہ، سرینگر

سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ: دربارِ رسالتؐ میں

سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جلیل القدر صحابی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وہبی طور پر ان میں شعری کمالات ودیعت کر دیئے تھے۔ وہ اپنے اشعار کے ذریعے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دفاع کرتے تھے۔ سیدنا حسانؓ بن ثابت، سیدنا کعبؓ بن مالک اور سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ کو ''شعرائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔

عبداللہ بن رواحہ انصار میں قدیم الاسلام تھے۔ ان کا تعلق قبیلۂ خزرج سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سیف وقلم کی بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا۔ انہوں نے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی علوئے شان و دفاعِ ناموس میں بہترین شعر کہے جوان کے درالکلام ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ بدر و اُحد میں شرکت کی، خندق کھودنے میں انہوں نے حصہ لیا، بیعت الرضوان میں وہ شریک رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عبداللہ اور مقداد بن عمرو کے درمیان مواخات قائم کی تھی۔ انہوں نے صلح حدیبیہ میں بھی شرکت کی۔ بیعت عقبہ میں وہ بارہ نقیبوں میں شامل تھے۔ جنگ موتہ میں وہ شہید ہو گئے۔

ڈاکٹر ولید قصاب اپنی کتاب ''دیوان عبداللہ بن رواحہ'' کے صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں:

"عبدالله بن رواحة شاعر فارس، و صحابي جليل و قائدمن قواد معارك الاسلام و أحد شخصيات المسلمين الفذّة الذين دافعوا عن الدين بالسنان واللسان والسيف والقلم والرمح والقرطاس فأبلى فى ذلك بلاءً حسناً مشكوراً و نال من الاجر والثواب عند الله تعالىٰ مالا يناله إلا المؤمنون الصابرون. وهو شاعر مخضرم عاش فى الجاهلية و شارك فى أيام قومه و قائعهم و حروبهم و كان سيداً من ساداتهم، ثم جاء الاسلام فمنّ الله عليه بالايمان والهداية فكان من السابقين الأولين اليه ثم أصبح جندياً من جنوده الباسلين الشجعان فشهد مع رسول الله جميع الغزوات

والوقائع لم یتخلف عن واحدة منها حتی استشهد یوم مؤتة"

"عبداللہ بن رواحہؓ شہسوار شاعر تھے، صحابی جلیل تھے، اسلامی معرکوں میں قائد تھے اور اُن اسلامی شخصیات میں ایک تھے جنہوں نے اپنی شمشیر اور زبان، تلوار اور قلم، نیزے اور کاغذ سے اسلام کا دفاع کیا اور ان آزمائشوں میں بطریق احسن کامیاب رہے اور اللہ کی بارگاہ سے عظیم اجر و ثواب حاصل کیا۔ جو صرف صابر مومنین کا حصہ ہے۔ وہ مخضرم شاعر بھی تھے انہوں نے زمانہ جاہلیت بھی پایا۔ اپنی قوم کی لڑائیوں میں شرکت بھی کی۔ وہ اپنی قوم کے سرداروں میں ایک تھے۔ پھر اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان و ہدایت سے نوازا۔ وہ اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے تھے، پھر وہ اس کے بہادر سپاہیوں میں سے ایک ہوئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ تمام غزوات میں شرکت کی اور کسی ایک میں بھی پیچھے نہ رہے۔ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عبداللہ بن رواحہ پر نہایت اعتماد تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کئی معرکوں میں عبداللہ کو فوج کی قیادت بخشی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مشرکین سے دوبدو ہونے کے لیے بدر تشریف لے گئے تو عبداللہ کو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا۔ ابن رواحہ نے ابن رازم یہودی کی سرکوبی کے لیے ۳۰ آدمیوں پر مشتمل ایک ٹکڑی خیبر بھیجی۔ انہوں نے ابن رازم یہودی کو قتل کیا۔ یہ کاروائی عبداللہ نے رسول اللہ علیہ السلام کے اذن کے بغیر ہی انجام دی تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کاروائی کی تصویب فرمائی۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عبداللہ کو کئی بار خیبر وصول زکوٰۃ کے لیے بھی بھیجا۔

عبداللہ بن رواحہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بے حد محبت تھی۔ یہ محبت ان کے اشعار میں چھلکتی محسوس ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ان کے اشعار دل سے سنتے تھے۔ ایک دن رسول اللہؐ نے ان سے فرمایا: ابن رواحہ کوئی ایسا شعر کہو جو اس وقت کے مناسب ہو، اس طرح کہ میں تم کو دیکھتا رہوں۔ یہ کہنا تھا کہ وہ کھڑے ہوئے اور اپنا مشہور آٹھ شعروں والا قصیدہ پڑھا جس کی ردیف حرفِ "راء" ہے۔

قصیدے کی ابتداء میں ابن رواحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں اپنی فراست کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے اپنی فراست سے جان لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں سراپا خیر ہے اور اس فراست میں میری نگاہ نے کوئی غلطی نہیں کی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت کی اہمیت واضح کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ شفاعتِ نبی کو خاصی اہمیت دیتے تھے۔ پھر تلمیح سے کام لیتے ہوئے حضرت موسیٰؑ کا تذکرہ کیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو ثابت قدمی عطا کی اور فرعون جیسے شقی

القلب دشمن کے مقابلے میں ان کی مدد کی اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی کامیابی ملے۔

پھر اولادِ ہاشم کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ خود خزرج میں سے ہونے کے باوجود عبداللہؓ نے بنو ہاشم کی تعریف بیان کی۔ البتہ یہ بات بھی کہی کہ ہر چند بنو ہاشم کو جملہ قبائل قریش پر فضیلت فاصل ہے بایں ہمہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاشم یا بنی عمرو بن مخزوم سے کسی معاملے میں مدد چاہیں گے تو بوجہ دشمنی کے وہ ہر گز مدد نہ کریں گے۔ اس پُر جوش حمیت میں ان سے ہجو یہ خطاب کرتے ہیں کہ تم لوگ جنگ کے ماہر ہی کہاں ہو؟ اور نہ مضر کے قبائل نے تم کو اپنا قائد تسلیم کیا ہے۔

روایت میں آتا ہے کہ اس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ اگر چہ عبداللہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمیت میں ہی یہ شعر کہے تھے مگر چونکہ ان میں قریش کے لیے طنز کا پہلو نکلتا تھا اور یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طبعاً پسند نہ تھی اسی لیے ان اشعار کو سن کر رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناگواری ظاہر کی۔ عبداللہ اس بات کو بھانپ لیتے ہیں اور فوراً مضمون بدل دیتے ہیں اور جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت اور نزولِ قرآن کو دشمنوں پر غالب آنے کا سبب قرار دیتے ہیں۔

ذیل میں اس پورے قصیدے کو مع ترجمہ وحلِ لغات پیش کیا جاتا ہے۔

إنّي تَفَرَّسْتُ فيك الخَيرَ أعرفُهُ
والله يعلمُ أنَّ مَا خَانَنِي البَصَرُ

''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر خیر اپنی فراست سے دیکھ لیا اور اس کو میں جانتا ہوں، خدا شاہد ہے کہ میری نظر نے خیانت نہیں کی''۔

فائدہ: تفرس کا لفظ ''فَرَسَ'' سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ظاہر نظر سے باطن کو معلوم کرنے کے ہیں۔ (مصباح اللغات، بلیاوی ص ۶۲۶) باب تفعل میں ''فی'' کے صلہ کے ساتھ وارد ہو تو کسی کے اندر علامات سے کسی چیز کو دیکھنے کا مفہوم دیتا ہے۔

"تَفَرَّسْتُ فيك الخير" کا مطلب نکلے گا کہ میں نے علامات سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر خیر کو دیکھ لیا۔ ''اعرفه'' کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ میں اُس خیر کو قبل ازیں جانتا ہوں۔ لفظ ''اعرفه'' میں 'معروف' کا مفہوم آپ ہی شامل ہے۔ یہ بھی مفہوم بھی نکل سکتا ہے کہ میں اس خیر کو اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں۔ اس صورت میں یہاں اعرفہ کو ''أراہ'' کے معنی میں لینا ہوگا۔ "ماخانني البصر" میری نظر نے خیانت نہیں کی۔ یہ عربی کا محاورہ ہے۔ نظر نے خیانت نہیں کی۔ عربی میں اس کا مطلب ہوتا ہے کہ نظر نے جو کچھ دیکھا صحیح دیکھا اور دیکھنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ قرآن میں مدح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وارد ہوا ہے "مازاغ

البصر وما طغیٰ"، یعنی نگاہ نہ چندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں "فانك تعلم خائنة الاعین" کہ اے اللہ تو آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے۔

أنتَ النبِیُّ ومَن یُحرَم شفاعتَهٗ
یوم القیامة فقد أزریٰ به القدرُ

یقیناً آپ نبی ہیں اور جو بھی بروزِ قیامت آپ کی شفاعت سے محروم ہوا تو بے شک اس کی قسمت پھوٹ گئی۔

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت حق ہے۔ اس پر اہلِ سنت کے جملہ مکاتیب فکر کا اتفاق ہے۔ شفاعت مصدر ہے۔ اس سے افعال شَفَعَ یَشفعُ مشتق ہیں۔ اس کے معنی سفارش کرنے کے ہیں، اس کے معنی مدد کرنے کے بھی ہیں۔ کہا جاتا ہے "فلان یُعادینی وله شافع" فلان شخص مجھ سے دشمنی کرتا ہے اور اس کے لیے میری عداوت میں ایک شخص مددگار ہے۔ یہ لفظ مطلب برآری کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ کہتے ہیں: شَفَعَ لفلان فی طلب، فلاں کے لیے کوشش کی۔

شفاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان تمام مفاہیم کو محیط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قیامت کے دن اپنی امت کے حق میں سفارش بھی کریں گے۔ ان کی مدد بھی فرمائیں گے اور مطلب برآری (یعنی دخولِ جنت) میں کوشش بھی فرمائیں گے۔

"أزریٰ به القدرُ" کا لفظی ترجمہ ہے۔ تقدیر نے اس پر عیب لگایا۔ یا اُس کا حق گھٹا دیا۔ لیکن محاورے میں اس کے معنی ہیں "قسمت پھوٹ پڑنا"۔ مطلب یہ کہ ایسا شخص نہایت بدقسمت ہے جو رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت سے محروم رہا۔

"یومَ الحساب" کی ترکیب بھی بڑی معنی خیز ہے۔ یعنی جس دن حساب ہوگا اُس دن شفاعت کی انتہائی ضرورت ہوئی لیکن عین اس نازک گھڑی میں یہ شخص حقِ شفاعت سے محروم رہے گا۔

فَثبّت الله ما اٰتاك من حَسَنٍ
تثبیت موسیٰ و نصراً کالذی نُصروا

اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو بھی کچھ اچھا عطا کیا ہے اُس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ثابت قدم رکھے جس طرح موسیٰؑ کو ثابت قدم رکھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اسی شان سے مدد ہو جس شان سے انبیاء کی مدد ہوئی۔

فائدہ: "ثبت"، فعل ماضی ہے۔ دعا یا تاکید کے معنی دیتا ہے۔ ثبت اللہ کے معنی ہوں گے اللہ

آپ کو ثابت قدم رکھے۔ 'حسن' صفت محذوف الموصوف ہے۔اس سے بات میں مفہوم کی وُسعت پیدا ہوئی ہے۔ 'اتاک' عطائے عمومی پر دلالت کرتا ہے۔ مصرع کا مفہوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی اچھا آپؐ کو عطا فرمایا ہے۔ اس میں ذاتی خوبیاں بھی شامل ہوں گی، نیک اعمال کی توفیق بھی، عبادت، ریاضت، مجاہدات، حُسنِ خُلق، حُسنِ معاملات، دعوت الی اللہ، انفاق فی سبیل اللہ، مال ومنال وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔ موسیٰؑ سے تشبیہہ دینے میں یہ نکتہ پوشیدہ ہے کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت موسیٰؑ میں بعض امور میں مماثلت پائی جاتی ہے علاوہ ازیں موسیٰؑ کا ذکر سب سے زیادہ قرآن میں وارد ہوا ہے۔

یا آل هاشم إنّ الله فضلکم
علی البرّیة فضلا مالهُ غیر

اے بنو ہاشم اللہ تعالیٰ نے تم کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے۔ ایسی فضیلت جس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی۔

ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پردادا تھے۔ پُر وجاہت شخصیت کے مالک تھے۔ اہل عرب پر اس کا کافی گہرا اثر تھا۔ یہ مصائب میں اپنی قوم کے بہت کام آتے تھے۔ اسی شرف وعزت کی وجہ سے ان کی اولاد ان سے منسوب ہوکر بنی ہاشم کہلائی۔ ''برّیة'' برّ سے مشتق ہے۔ برّ کے معنی اطاعت کرنے، قبول کرنے، حُسنِ سلوک کرنے، بیابان اور خشک زمین کے ہیں۔ برّیة کے معنی اس مصرع میں مخلوق کے ہیں گویا یہاں مکان سے مکین کو مراد لیا گیا ہے۔ ''ماله غیر'' یعنی وہ فضیلت جس میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوتا۔ مطلب یہ کہ بنو ہاشم کو اللہ تعالیٰ نے دوامِ فضیلت سے نوازا ہے۔

ولو سَألتَ أو استنصرتَ بعضهم
فی جُلِّ أمركَ ما آووا ولا نصروا

اور اگر آپؐ ان سے (یعنی بنو ہاشم اور بنی عمرو بن مخزوم سے) کسی معاملے میں سوال کریں یا مدد طلب کریں تو یہ آپؐ کو نہ پناہ دیں گے اور نہ مدد کریں گے۔

فائدہ: اس شعر میں بنو ہاشم اور بنی عمرو بن مخزوم پر طنز ہے کہ باوجود یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے البتہ ان کا یہ حال ہے کہ اگر اے اللہ کے رسول! آپؐ ان سے کسی معاملے میں سوال کریں یا مدد طلب کریں تو یہ آپؐ کی مدد نہ کریں گے۔ سیادت کا تقاضا ہے اور عرب کا یہ دستور بھی تھا کہ اگر کسی مظلوم کو مدد درکار ہو تو فوراً اس کی مدد کی جائے لیکن قریش اس معاملے میں بخیل ثابت ہوگئے۔

اگلے شعر میں توصاف الفاظ میں قریش کی ہجو کی۔

فخبرّونی أثمان العباء متی
کنتم بطاریق أو دانت لکم مُضَرُ

اے دوکوڑی کے لوگو مجھے بتاؤ تم ماہرین حرب وضرب کب تھے اور کب مُضر کے قبائل نے تمہاری سیادت تسلیم کی۔

فائدہ: اثمان ثمن کی جمع ہے اور ثمن کے معنی قیمت کے ہیں۔ ''العباء'' چوغے کو کہتے ہیں۔ اثمان العباء کے معنی ہوں گے ایک چوغے کے بقدر قیمت رکھنے والے۔ اس ترکیب سے عبداللہ نے قریش کی تحقیر کی اور ان کو ایک معمولی چیز کے برابر قرار دیا۔

بطاریق بطریق کی جمع ہے۔ رومیوں کے جرنیل کو بطریق کہتے ہیں۔ مراد ہے سردار۔ دان یدین کے معنی تابع فرمان ہونا۔ حدیث میں آتا ہے: ''الکیّس من دان نفسه''۔ اس شعر میں عبداللہ نے قریش کی ہجو کی۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا۔ چنانچہ یہ دیکھ کر عبداللہ نے اس مضمون سے گریز کر کے قریش کی تعریف کی۔ امام طبرانی کی معجم کبیر رقم الحدیث ۱۳۹۰۵ میں یہ واقعہ بتفصیل بیان ہوا ہے۔ اس میں عبداللہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مسجد سے گزر رہا تھا اور رسول اللہ اپنے بعض اصحاب کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے۔

تو ایک جماعت بولی اے عبداللہ! اے عبداللہ! مجھے لگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے بلا رہے ہیں، میں چلا آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: عبداللہ بیٹھ جاؤ۔ تم جب شعر کہنا چاہتے ہو تو کیسے کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: پہلے میں دیکھ لوں گا پھر بولوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مشرکین کے بارے میں کچھ کہو۔ میں نے پیشگی طور پر کوئی چیز تیار نہ کی تھی۔ میں نے کہا:

خبّرونی أثمان العباء متی
کنتم بطاریق أو دانت لکم مُضَر

میں نے دیکھا کہ آپؐ کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے آثار ہویدا ہوئے۔ کیونکہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قوم کو اثمان العباء قرار دیا۔ پھر میں نے فوراً دوسرا شعر کہا:

"یا هاشم الخیر إن الله فضلکم
علی البریّة فضلاً ماله غیرُ

(ڈاکٹر ولید قصاب اور ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی نے ''یا آل ہاشم'' کے الفاظ اپنے قصائد میں نقل کئے ہیں۔)

ڈاکٹر قصاب اور ڈاکٹر اعظمی کے قصائد میں جو پہلا شعر ہے وہ اس روایت میں تیسرا شعر ہے۔ الفاظ کا بھی تھوڑا اختلاف ہے۔ اس شعر میں ''ما خاننی البصر'' کے بجائے ''خالفتهم فی الذی نظروا'' کے الفاظ آئے ہیں۔ اس میں نئے معنی مستنبط ہوتے ہیں۔ یعنی میں نے مشرکین کی اُس معاملے میں مخالفت کی جو انہوں نے دیکھا۔ یعنی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبیؐ کی نظر سے نہیں دیکھا مگر میں نے ان کی مخالفت کی اور مجھے اپنی فراست سے آپؐ نبی نظر آئے۔

اس روایت کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہؓ کو دعا دی:

''وَأنت فثبت الله یا ابن رواحة''

''اے ابن رواحہ اللہ تم کو ثابت قدمی عطا کرے''۔

نُجادل الناس عن عُرضٍ فتأسرهم

فینا النبیُّ و فینا تنزل السُور

ہم لوگوں سے کناروں کی جانب لڑتے ہیں اور انہیں قیدی بناتے ہیں، ہم میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں اور ہمارے درمیان قرآن کی سورتیں نازل ہوتی ہیں''۔

فائدہ: پہلے مصرع میں مختصراً جنگ کا نقشہ پیش کیا ہے کہ ہم کناروں کے اطراف سے آکر جنگ کرتے ہیں۔ اس میں غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ جنگ سامنے دو بدو نہیں ہوتی۔ ''عن عُرضٍ'' سے یہی مفہوم مترشح ہوتا ہے (واللہ اعلم) دوسرا مصرعہ بڑا معنی خیز ہے یعنی ہماری یہ جنگی حکمت عملی ہمارا کوئی اجتہاد یا جاہلی زمانے کی یادگار نہیں بلکہ ہمارے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں، قرآن نازل ہو رہا ہے لہٰذا یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم شریعت کی روشنی میں اس طرح کی جنگیں لڑ رہے ہیں اور دین کے دشمنوں کو قیدی بناتے ہیں۔

وقد علمتم بأنا لیس یغلبنا

حی من الناس إن عزّوا و ان کثروا

تم لوگوں نے بخوبی یہ بات جان لی ہے کہ ہم پر کوئی قبیلہ غالب نہیں آسکتا بھلے ہی وہ کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو اور افرادی کثرت کے اعتبار سے کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو۔

فائدہ: اس شعر سے اُس زمانے کے حالات پر مجملاً روشنی پڑتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض اوقات اسلامی لشکر کو کسی موقع پر ہزیمت بھی اٹھانی پڑتی تھی البتہ تاریخ وسیر سے پتہ چلتا ہے کہ عموماً اسلامی لشکر ہر معرکہ میں ظفریاب ہی ہوتا تھا۔ ظاہر ہے اس میں بدایتاً اللہ کی تائید ونصرت شاملِ حال ہوتی تھی۔ اس

میں قابلِ غور امر یہ ہے کہ تقریباً ہر معرکے میں مسلمان نہتے ہوتے تھے اور افرادی قوت میں تو مسلمانوں اور کفار کے درمیان کوئی تناسب ہی نہ ہوتا تھا۔ اس تناظر میں اس شعر کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔

(عبداللہ بن رواحۃ حیاتہ وشعرہ، ابراہیم محمد ابراہیم، ص ۱۹ / ۳۰، ناشر جامعۃ ام درمان الاسلامیۃ)۔

عبداللہ بن رواحہ کا شمار مخضرمین شعراء میں ہوتا ہے یعنی جنہوں نے جاہلی اور اسلامی دونوں زمانے پائے۔ عرب شعراء کے بارے میں یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ عربوں کی شاعری میں تصنع نہیں ملتا بلکہ وہ سامنے کی بات لکھتے ہیں۔ ابن خلدون نے اس کی یہ وجہ بتائی ہے کہ وہ فطری بدوی زندگی گذارتے تھے اور تمدن وحضارت سے دور تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

"العرب فی العصر الجاهل أبعد الناس عن الصنائع والسبب فی ذلك أنهم أغرق فی البدو و أبعد عن العمران الحضری وما یدعو إلیه عن الصنائع وغیرها" (عبدالله بن رواحة حیاته و شعرهٗ، ابراهیم محمد ابراهیم ص ۱۴)

عبداللہ بن رواحہ کے مدحیہ اشعار میں بھی سیدھی، سچی اور فطری باتیں ملتی ہیں۔ جھوٹ کا تو بہرحال یہاں گذر بھی نہیں ہوسکتا، تاہم تشبیہات واستعارات میں بھی زیادہ تکلف وتعمق نہیں۔ عبداللہ کے اشعار اسلامی رنگ میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ یہاں غزل زیادہ نہیں ملتی، حسب ونسب پر فخر وغرور نہیں ملتا بلکہ ہمارے سامنے ایک ایسا شاعر ہے جس کا ہدف محض اسلامی عقیدے کی حفاظت ہے۔ وہ اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ رسول کی اطاعت پر ابھارتے ہیں۔

ابراہیم محمد ابراہیم نے اپنے مقالے میں عبداللہ کے شعری خصائص پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ آخر میں وہ لکھتے ہیں :

هكذا كان شعرهٗ الاسلامی۔ شعر موجه لخدمة العقیدة الجدیدة و كانت طبیعتهٗ أنه خالٍ من الصنعة الشعریة و سهل مطبوع یتدفق بِیُسر قریب المآخذ" (ایضاً ص ۷)

اسی طرح کے اشعار انہوں نے کہے۔ ان کا کلام جدید عقیدے کی خدمت کے لیے خاص تھا۔ اس کلام کی یہ خصوصیت تھی کہ یہ شعری صنائع سے خالی تھا، سہلِ مطبوع کی قسم سے تھا جس میں آمد ہوتی

ہے آورد نہیں ہوتا جو تکلفات کے بجائے سامنے کے مآخذ سے کام لیتا ہے۔

عبداللہ بن رواحہؓ اور مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عبداللہ بن رواحہؓ کے جاہلی کلام میں ہمیں کسی معین شخص کی مدح نہیں ملتی۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ عبداللہ خود مالدار تھے لہٰذا انہیں کسی صلہ وستائش کی حاجت نہ تھی، وہ خود سردار تھے لہٰذا وہ کسی سے مرعوب نہ تھے۔ اسی لیے ان کا جاہلی زمانے کا کلام مدح سرائی سے تقریباً خالی ہے۔

البتہ اسلام لانے کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں اشعار کہے۔ ان سب کا استقصاء اس مختصر مضمون میں ممکن تو نہیں ہے البتہ ذیل میں اُن کے کلام سے چیدہ چیدہ اشعار ترجمہ اور فوائدے کے ساتھ نقل کیے جاتے ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لاتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت قصواء پر سوار تھے تو عبداللہ نے بدیں الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

تحمله النّاقة الأدماء معتجراً   بالبُرد كالبدرِ جلى ليلة الظلم

وفى عطافيه أو اثناء بُردته   ما يعلمُ الله من دينٍ ومن كرمٍ

گندم گوں اونٹنیاں اُن کو لیے ہوئے ہیں اور انہوں نے چادر اوڑھ لی ہے جس طرح چاند رات کی ظلمت روشن کرتا ہے۔ چادر کے دونوں کناروں کے درمیان یا اس کے اندر اللہ ہی جانتا کہ دین و کرم نے کیا کیا خزانے پوشیدہ ہیں۔

فائدہ: غضب کا شعر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار ہیں اور جسم اطہر پر چادر تنی ہے۔ اور وہ بتدریج اہل مدینہ پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ رات کے چاند سے اس کی تشبیہہ سے بہتر عکاسی نہیں ہوسکتی ہے۔ جیسے رات کا چاند بتدریج افق سے طلوع ہو کر آسمان کے وسط تک جوں جوں آگے بڑھتا ہے روشنی کا تسلسل بھی پھیلتا جاتا ہے۔ دین و اخلاق یہاں رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کا استعارہ ہیں۔ کہنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین و اخلاق کے جس مقام و مرتبے پر فائز ہیں اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ لیکن اس کو بہترین شعری اور استعاراتی اسلوب میں یوں کہا کہ اس چادر مبارک میں دین و اخلاق کے کیا کیا خزانے چھپے ہیں اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔

یہ مضمون بعد کے زمانے میں بھی کسی دیوانے نے اپنے خاص اسلوب میں بیان کیا:

روحی فدا بقبرٍ أنت ساكنه
فيه العفاف والجود والكرم

میری روح اس مقدس قبر پر قربان جس کے آپ مکین ہیں۔ اس میں عفت و پاکیزگی اور جود و کرم دفن ہیں۔

عبداللہ بن رواحہؓ کو جب بھی موقع ملتا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ اقدس میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے۔ سیّدہ عائشہ پر منافقین نے تہمت لگائی تو طبعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دل مبارک اس سے کبیرہ خاطر ہوا۔ یہ صورت حال عبداللہ سے برداشت نہ ہوسکی فوراً درج ذیل اشعار کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تئیں اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

تعاطوا برجم الغيب زوج نبيّهم
و سخطة ذی العرش الكريم فأترحوا

لوگ رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زوجہ مبارکہ کے بارے میں اُڑن گھائیاں کرنے میں مشغول ہوئے۔ انہوں نے اللہ کی ناراضگی کو مول لیا، لہٰذا اُن پر بھی غم مسلط ہوا۔

فائدہ: تعاطی کے معنی مشغول ہونے کے ہیں۔ رجماً بالغیب کی ترکیب سورۂ کہف میں وارد ہوئی ہے یعنی بے بنیاد باتوں کو ہوا میں اُچھالنا۔ جو شخص اپنے غلط اقوال و افعال سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے بالآخر اس پر بھی اندوہ و غم مسلط کیا جاتا ہے۔

وَ آذوا رسول الله فيها فجلّلوا مخازی تبقی عمّموها و فضحوا

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اذیت دی اور ہمیشہ رہنے والی رسوائیوں کو اپنے اوپر مسلط کردیا، انہوں نے سیّدہ عائشہ پر تہمت کو عام کیا تو وہ خود ذلیل و خوار ہوئے۔

(ف) مخازی مخزاۃ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں باعث رسوائی و شرمندگی۔

صبت عليهم محصدات كأنها شآبيب مطر من ذرا المزن تسفح

ان پر اللہ کے عذاب اُنڈیل دیا گیا جس طرح بادل کے ٹکڑے سے موسلا دھار بارش ہوتی ہے۔

(ف) محصدات محصدۃ کی جمع ہے حصد سے مشتق ہے لفظی معنی کاٹنے کے ہیں عام طور پر کھیتی کاٹنے کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ یہاں عذاب کے معنی میں ہے یعنی وہ عذاب جو کفار کی جڑ کاٹ دے۔ شابیب شئو بوبٌ کی جمع ہے۔ بارش کی بوچھاڑ کو کہتے ہیں ''ذرالمزن'' یعنی بادل کا ٹکڑا۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنہوں نے سیدہ عائشہ پر تہمت لگائی اور توبہ نہ کی، ایسا عذاب بھیجا جس

نے اُن کی جڑیں کاٹ دیں۔ ان کا نام ونشان دنیا سے غائب ہوگیا۔

سیّد الشہداء امیر حمزہؓ کی شہادت پر ایک پُردرد مرثیہ کہا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں:

رسول الله مصطبر کریم بامر الله ینطق اذ یقول
ألّا من مبلغ عنی لؤیاً فبعد الیوم دائلۃً تدول
و قبل الیوم ما عرفو او ذاقوا وقائعنا بها یشفی الغلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صابر وکریم ہیں، اللہ کے حکم سے بات کرتے میں جب بھی بات کرتے ہیں۔ کوئی میری طرف سے لولوی کو یہ بات پہنچادے کہ آج کے بعد نہ ختم ہونے والی جنگ ہوگی۔ آج سے پہلے انہوں نے ہماری جنگیں نہ جانی ہیں اور نہ ان کا ذائقہ چکھا ہے۔ ہم ان پر ایسی جنگیں مسلط کریں گے جن سے تشنہ لبی دور ہوگی۔

فائدہ: بامر اللہ ینطق میں سورۂ نجم کی آیت وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کی طرف اشارہ ہے۔ لویٔ سے مراد یہاں قبیلہ قریش ہے۔ ڈاکٹر خالد سعد نجار نے ''تاریخِ قریش'' (alnaggar66@hotmail.com) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درج ذیل نسب نامہ لکھا ہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب مرّۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مُضر بن نزار بن معد بن عدنان، وعدنان من ولد نبی اللہ اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام وعلی نبینا۔

قریش کا نسب کنانہ سے چلتا ہے۔ لویٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں سے تھے۔ لوی بن غالب ۲۰ تا ۲۵ عیسوی کے درمیان پیدا ہوئے۔ ۱۰۰ عیسوی میں ۸۰ یا ۸۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے نو بیٹے تھے۔ باپ کا نام غالب بن فہر تھا، ماں کا نام عاتکہ بنت یخلد بن النضر بن کنانہ تھا۔ کہا گیا ہے کہ اُن کی والدہ کا نام سلمیٰ بنتِ ربیعہ تھا۔

مختصراً یہ کہ عبداللہ بن رواحہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے از حد تعلقِ خاطر تھا۔ وہ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ انہوں نے محبت اور فن پر قدرت دونوں کے زیر اثر اپنے قصیدے لکھے اسی لیے ان کے قصیدے دقیق اور گنجلک قسم کی تعبیرات سے پاک، سادہ و پُرکار اور دل پر اثر کرنے والے ہیں۔ پاکیزہ تعبیرات، گہرے معانی، نہ اتنے طویل کہ طبیعت اُکتا جائے اور نہ اتنے مختصر کہ تشفی نہ ہو۔ یہ ان کے قصائد کا امتیاز ہے۔

ہشام بن عروہ اپنے والد عروہ بن زبیر سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے انہیں کہتے سنا:

"ما سمعتُ أحداً أجرأ ولا أسرعَ شعراً من عبدالله بن رواحه"

میں نے کسی دوسرے کو عبداللہ بن رواحہ سے زیادہ دلیری کے ساتھ فی البدیہہ شعر کہتے نہیں سنا"۔ (عبداللہ بن رواحہ حیاتہ وشعرہٗ)

ڈاکٹر مولانا سعید الرحمٰن اعظمی نے اپنی کتاب "اُسوۂ حسنہ کے آئینے میں" حضرت عبداللہ بن رواحہ پر نہایت پُر مغز مقالہ لکھا ہے۔ اس کے اخیر میں لکھتے ہیں:

"یہ ہیں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فدائی اور میدانِ شعر و جہاد کے شہسوار، اسلام سے قبل دور جاہلیت میں اوس وخزرج کی طویل جنگوں میں اُلجھ جانے اور فتح و کامیابی کی فکروں میں مشغول رہنے کی وجہ سے شعر گوئی میں بہت زیادہ حصہ نہ لے سکے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی جہاد اور غزوات میں برابر شریک رہے اور اہم مواقع پر مشق سخن سے بھی غافل نہیں رہے۔ لیکن کم گو شاعر کی حیثیت سے تاریخ میں ان کی شہرت ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح میں جہاں بھی موقع ملا، نعتیہ اشعار اور قصائد کہنے سے باز نہیں آئے۔

قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے یہ اہل نقد و تاریخ کے نزدیک مسلّم ہیں۔ ان کے کلام میں نُدرت، نکتہ سنجی اور نکتہ آفرینی، مدمقابل کو لاجواب کر دینے کی صفات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ ان کے مجموعۂ کلام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شاعر ہونے کے ساتھ بڑے مجاہد اور غازی تھے۔ اور اللہ کی راہ میں جان دینے کی تمنائیں ان کے دل میں ہر وقت کروٹیں لیتی رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ جنگِ موتہ میں انہوں نے نہایت مردانگی اور ایمان کی تازگی کے ساتھ جامِ شہادت نوش کیا ؎

جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہے کوئے دوست
جب سے یہ مژدہ سنا ہے، سر و بال دوش ہے

(ص ۱۳۵)

***

تنویر پھولؔ

نیویارک، امریکہ

دیارِ مغرب میں آفتابِ حمد و مناجات کی کرنیں

یہ ایک حقیقت ہے کہ ماضی میں حمد گوئی کی طرف ہمارے شعرا کی توجہ کم رہی ہے اور اُس زمانے کے حمدیہ مجموعے انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ اس صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے ایک دانشور نے یہ تحریر کیا کہ "مطالعہء نعت کے دوران مجھے ایک بات جو انتہائی غور طلب محسوس ہوئی ہے، وہ ہمارے نعت گو شعرا کی حمد سے بے اعتنائی ہے۔ یہ کیسا جذبہء ایمانی ہے جو ہم سے نعت، منقبت اور سلام و مرثیہ تو لکھواتا ہے مگر قادر مطلق، خالق کون و مکاں، ربّ کائنات، خدائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور خود اپنے پیدا کرنے والے کی بارگاہ صمدیت میں ہدیہء حمد پیش کرنے پر آمادہ نہیں کرتا"

یہ پیش نظر رہے کہ قرآن مجید میں سورۃ النصر میں حکم دیا گیا "اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اُس کی تسبیح کرو"۔ مزید یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ہر خطبے کی ابتدا حمد ربّ جلیل سے کی ہے۔ قرآن کا آغاز سورۃ الفاتحہ سے ہے جو حمد و مناجات پر مشتمل ہے۔

حمد باری تعالیٰ کی اسی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے برادرم طاہر سلطانی صاحب نے ادارہء چمنستان حمد و نعت کے بعد بزم جہان حمد کی بنیاد ڈالی، "جہان حمد" اور "ارمغان حمد" نامی جریدے جاری کئے اور عرصہء دراز سے ہر ماہ پابندی سے طرحی حمدیہ مشاعروں کا انعقاد کررہے ہیں۔ وہ فروغ حمد کی اس تحریک میں سرخیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ دبستان وارثیہ کے ردیفی مشاعروں میں بھی حمدیں کہی جارہی ہیں اور ہر پانچ سال بعد ردیفی حمدوں کے مجموعے بھی شائع ہورہے ہیں جب کہ ردیفی نعتوں کے مجموعے ہر سال شائع ہوتے ہیں۔ "بزم جہان حمد" کے زیر اہتمام بہت سے حمدیہ مجموعے شائع ہوئے ہیں جن میں راقم الحروف کے دو مجموعے "زبور سخن" اور "ارحم الراحمین" (حمدیہ شاعری کی تاریخ میں سانیٹ کا اوّلین مجموعہ) بھی شامل ہیں۔ "زبور سخن"، مطبوعہ جنوری ۲۰۰۲ء کا انتساب اس طرح ہے:

"حامد و محمودِ ذات باری تعالیٰ، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام جن کے نام نامی

اسم گرامی میں لفظ ''حمد'' اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہے''۔ حمدیہ سانیٹ کے اوّلین مجموعے ''ارحم الراحمین'' کا انتساب یوں ہے: ''اَلَستُ بِربّکم کی اُس وجد آفریں صدا کے نام جس سے سماعت کی حس کا پہلی بار ادراک ہُوا''۔

راقم الحروف پندرہ سولہ سال پہلے ترک وطن کر کے امریکہ آ گیا تھا اور یہاں آنے کے بعد ای میل کے ذریعے احباب سے رابطہ بحال رکھا۔ انٹرنیشنل کمیونٹی سینٹر، نیویارک کی رکنیت حاصل کی اور اہلیہ کے ہمراہ یہاں کی تقریبات میں شرکت کرتا رہا۔ اس سینٹر میں دنیا بھر کی مختلف قومیتوں کے افراد کو مل جل کر بیٹھنے اور تبادلہء خیال کرنے کا موقع ملا۔ اس سینٹر میں ہماری میزبان للّی مون تھیں جو وہاں کی عہدے دار تھیں۔ بات چیت کے دوران انھوں نے اُردو زبان کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور کئی الفاظ بھی سیکھے۔ اُن کی فرمائش پر راقم الحروف نے اُردو زبان میں اپنی کتابیں انھیں اور تمام حاضرین کو دکھائیں اور آسان زبان میں ایک حمد ''سب کچھ دیا خدا نے'' اسٹیج پر آ کر پیش کی جو یہ تھی:

بلبل کے پیارے گانے ☆ یہ اچھے اچھے کھانے
کس نے بنائے ہیں یہ ☆ موسم جو ہیں سہانے
سب کچھ دیا خدا نے ☆ سب کچھ دیا خدا نے
یہ ریل ، کار ، لاری ☆ تم نے بنائیں ساری
لیکن بتاؤ کس نے؟ ☆ لوہا دیا ہے بھاری
سب کچھ دیا خدانے ☆ سب کچھ دیا خدانے
رکھتے ہو چیز ایسی ؟ ☆ اُس نے نہ ہو بنائی
سوچو ، جواب دو پھر ☆ کس نے ہر ایک شے دی؟
سب کچھ دیا خدانے ☆ سب کچھ دیا خدانے

للّی مون نے فرمائش کی کہ میں اپنی اس نظم کا ترجمہ انگریزی زبان میں بلینک ورس کی صورت میں پیش کروں تاکہ تمام لوگ اس کا مفہوم پوری طرح سمجھ سکیں۔ میں نے دس پندرہ منٹ کی مہلت مانگی اور یہ ترجمہ پیش کیا جس پر سب بہت خوش ہوئے اور تالیاں بجا کر خوشی کا اظہار کیا۔ آپ بھی ملاحظہ کیجئے:

The beautiful melody of the nightingales
The tasteful food , fruits and vegetables
The pleasant weather , mornings and evenings

Who has provide in this world for us ?
All of them are gifted by the God Almighty
Indeed , all of them are gifted by the God Almighty
See the trains , cars , trucks and buses
These are , no doubt , manufactured by you
But Who has given and provide
Iron , steel and other material to you ?
All of them are gifted by the God Almighty
Indeed , all of them are gifted by the God Almighty
Have you any thing in this world ?
Which has not been created or given by God
Think again and answer my question
Who gives away these things generously?
All of them are gifted by the God Almighty
Indeed , all of them are gifted by the God Almighty

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Another poem " God , the Creator " was also recited there:

He is the Greatest , the Most Superior
He is the Holder of all Grandeur
Power , Might , Dignity , Splendor
Having all the Great Creator
He is Merciful to us forever
There is an Ocean of Divine favor
No doubt , He is Elevated Creator
None is equal , none is peer
He has endless love for creatures
He is the Lord , He is the Master
We are subjects , He is the Emperor
For the universe He is the Ruler
Phool , the poet is abject with errors
Praying for His Mercy forever

یہ تو برسبیل تذکرہ آ گیا۔ اب ہم آگے چلتے ہیں۔ امریکہ کے شہر شکاگو میں معروف بزرگ شاعر جناب حامد امروہوی رہائش پذیر تھے جو حال ہی میں وفات پا چکے ہیں، اِنّا للہ وَاِنّا الیہ راجعون۔ اُن کی یہ مشہور نعت ہم بچپن سے سنتے آرہے ہیں:

حقیقت میں وہ لطف زندگی پایا نہیں کرتے ☆ جو یادِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دل کو گرمایا نہیں کرتے

حامد صاحب بہت مخلص، مشفق اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ انھوں نے اس مقالے کے لئے اپنی ایک حمد عنایت فرمائی تھی جو یہاں پیش ہے۔ سہل ممتنع میں یہ حمد اپنی مثال آپ ہے، ملاحظہ کیجیے:

کیا کہوں میں کہاں کہاں تو ہے ☆ عقل پہنچے جہاں جہاں تو ہے
میری ہر سوچ تجھ سے وابستہ ☆ میرے رازوں کا رازداں تو ہے
تیرے اپنے تو تیرے اپنے ہیں ☆ اپنے دشمن کا پاسباں تو ہے
اتنے ماں باپ بھی نہیں ہوتے ☆ جس قدر ہم پہ مہرباں تو ہے
تو سہارا ہے بے سہاروں کا ☆ پاسبانوں کا پاسباں تو ہے
دینے والوں کو دینے والا تو ☆ مہربانوں پہ مہرباں تو ہے

حمد کرتا ہے، عبد ہے حامدؔ
اور ممدوحِ دو جہاں تو ہے

نیویارک میں مقیم ڈاکٹر عبدالرحمن عبدؔ صاحب نے اپنی یہ حمد عنایت کی ہے جس کے قوافی منفرد ہیں۔ عبد صاحب یہاں کے حمدیہ و نعتیہ مشاعروں میں پابندی سے شرکت کرتے ہیں اور بہت با اخلاق شخصیت ہیں۔ اُن کی حمد ملاحظہ کیجیے:

یکتا ہے شان میں وہ، واحد ہے اور احد ہے ☆ کیا دوں مثال اس کی، لیس کمثلہ شے
(سورۃ الشوریٰ)

وہ مہربان سب پہ، سنتا ہے بات سب کی ☆ اُس کو پکار جب بھی مشکل ہو کوئی درپے
ہے لائق عبادت، بس ذات اِک اُسی کی ☆ ہو مست اللہ ھو میں، پی لا الہ کی مے
اُس ذات کی عطا ہے، جو کچھ جسے ملا ہے ☆ حاجت روا سبھی کا، کوئی نہیں ہے جو وَے

اے عبدؔ! نورِ حق سے، ہے روشنی جہاں میں
کر اس کی رہبری میں، دنیا کی منزلیں طے

انجمن علم و ادب، شکاگو سے وابستہ محترمہ غوثیہ سلطانہ نوری کئی مرتبہ بین الاقوامی حمدیہ و نعتیہ کانفرنس اور

مشاعروں کا اہتمام کر چکی ہیں۔ وہ ایک پُر خلوص خاتون ہیں، سہل ممتنع میں اُن کی یہ حمد ملاحظہ کیجئے:

کہہ رہا ہے ہر اِک بشر ، اللہ ! ☆ کب نظر آئے گی سحر ، اللہ ؟
ہے امانت یہ زندگی ، تیری ☆ دے دعا میں مِری اثر ، اللہ!
میں بصد عجز تجھ سے کہتی ہوں ☆ غم کے نالوں کا ہے سفر، اللہ!
تیرے ہونے کا ہے یقیں مجھ کو ☆ ہم کو جینے کا دے ہنر ، اللہ !
تو مسیحاؤں کا مسیحا ہے ☆ کر عطا امن کی بسر ،اللہ !
میری تقدیر کو بدل بھی دے ☆ ہو نظر اب تری اِدھر، اللہ!
دے ، گناہوں کی تو معافی دے ☆ ہیں بھٹکتے اِدھر اُدھر ، اللہ !

کینیڈا میں مقیم معروف بزرگ شاعر پروفیسر رحمن خاور جو پاکستان میں بھی بہت مقبول رہے ہیں اور کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، اُن کی یہ حمد دیکھئے۔ یہ وضاحت ضروری ہے کہ شعراء کا حمدیہ کلام پیش کرنے میں کسی خاص ترتیب کو مدِ نظر نہیں رکھا گیا ہے یعنی تقدیم و تاخیر والی کوئی بات نہیں ہے۔ خاور صاحب کی دلکش حمد ملاحظہ کیجئے :

بفیضِ خدا زندگی کے سفر میں ☆ ہم ایسے بھی ہیں منزلوں کی نظر میں
لئے حسرتِ دیدِ خالق نظر میں ☆ مہ و مہر و انجم ہیں کب سے سفر میں
دعا ہے مِری پُر اثر یوں کہ میں ہوں ☆ خداوندِ ہر دو جہاں کے اثر میں
یہ ادنیٰ سا ہم پر کرم ہے خدا کا ☆ ہمیں ہم جو ہیں عالمِ خشک و تر میں
مجھے حمد گوئی پہ ہے ناز یا رب! ☆ عطا تیری شامل ہے میرے ہنر میں
یقیں ہے مِرا منصبِ دو جہاں پر ☆ بہت مطمئن ہوں میں اپنے نگر میں
اُسی نے عطا کی ہیں سورج کو کرنیں ☆ ہے خاورؔ اسی سے یہ سایہ شجر میں

البنی ، نیویارک میں مقیم جرار حسین جو بڑے شوق سے مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں ، اپنی یہ حمد لے کر حاضر ہوئے ہیں:

اُس کو ہوں جب پکارتا ، دیتا ہے وہ جواب ☆ اللہ کی عطا ہے، ملا رزق بے حساب
کرتا ہے وہ معاف مِرے ہر گناہ کو ☆ نیکی قبول کر کے عطا کرتا ہے ثواب
جذبوں کو میرے، عزم کی قوت ہے اُس نے دی ☆ تعبیر اُس نے بخشی ہے، دیکھا جو میں نے خواب
ظلمت کے بعد صبح کو سورج نیا دیا ☆ تاریک شب کو بخشا ہے پُر نور ماہتاب

بندہ ہوں اُس کا ، ناز یہ جرار مجھ کو ہے ☆ مجھ کو کہا ہے عبد ،کیا پیارا ہے یہ خطاب

'سخنور' شکاگو اور 'حریم نعت' سے وابستہ برادرم عابد رشید صاحب نے اس مقالے کے لئے حمدیں فراہم کرنے میں قابل ذکر تعاون کیا ہے، جس کے لئے اُن کا ممنون ہوں، اللہ تعالیٰ اُنھیں جزائے خیر عطا فرمائے ، آمین۔ وہ اکثر و بیشتر مشاعرے بشمول نعتیہ مشاعرے منعقد کراتے رہتے ہیں۔ انھوں نے اپنی یہ مناجات عنایت کی ہے جو سہل ممتنع میں ہے :

یہ سب تیرا کرم، تیری عطا ہے ☆ کہ مجھ جیسے کو سب کچھ دے دیا ہے
ہے تپتی رہ گزر کی دھوپ ٹھنڈی ☆ تری رحمت کا بادل چل رہا ہے
عطا سے فاصلہ ہے اِک دعا کا ☆ دیا ہے تو نے جب یہ لب ہلا ہے
میں کیا پاتا اگر عملوں کی کھاتا ☆ اک عاصی پر بھی رحمت کی ردا ہے
نہ سہ پائے گا اِک جھونکا غضب کا ☆ ترا باغی جو مجھ میں آ چھپا ہے
گنہ کرتا ہوں استغفار پڑھ کر ☆ مِری تسبیح کا دھاگا کھلا ہے
ترا عابدؔ ہے اِک بہتر خطا کار ☆ وہ پھر اِک بار محوِ التجا ہے

عابد رشید صاحب نے معروف شاعر ڈاکٹر منیر الزماں منیر صاحب، شکاگو کی یہ حمد بھی ارسال فرمائی ہے، جو مناجات کا رنگ لئے ہوئے ہے:

نقش دل پر جو مِرے مصحفی تحریریں ہیں ☆ میری بخشش کی یہی جاگتی تنویریں ہیں
کوئی ذرّہ نہیں جس میں کہ نہیں رمز ترا ☆ فرش سے تا بہ فلک تیری ہی تفسیریں ہیں
غرق انسان تھا کل جہل کی تاریکی میں ☆ فضل سے آج یہاں گونجتی تکبیریں ہیں
در بدر کوئی ہے اور کاسہ بکف ہے کوئی ☆ کیا یہی اُمت محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تقدیریں ہیں؟
ہم ستم کوش ہیں اور صاعقہ بر دوش یہاں ☆ زنگ آلود مسلمانوں کی شمشیریں ہیں
بھیج دے پھر سے پرندوں کا وہ لشکر یارب ☆ بے ہنر ہاتھ ہیں اور پاؤں میں زنجیریں ہیں
دل گرفتہ ہے منیرؔ اس کو صعوبت سے بچا ☆ فہم سے اے خدا ! بالا تری تدبیریں ہیں

واشنگٹن سے محترمہ نورین طلعت عروبہ نے جنھیں 'حمد و نعت' پر پاکستان میں کئی مرتبہ صدارتی ایوارڈ سے نوازا جا چکا ہے، اپنے صدارتی ایوارڈ یافتہ حمدیہ مجموعے ''ربنا'' میں شامل یہ دلکش حمد ارسال فرمائی ہے :

جہاں اُتاری ہے ظلمت ، وہاں سحر دے گا ☆ ذرا سا صبر اُجالوں سے جھولی بھر دے گا
ردائیں دیتا ہے پیاسی زمیں کو بادل کی ☆ وہ دشت کو بھی جو چاہے گا ، باغ کر دے گا

ہمارے دل میں بسائی ہے آرزو جس نے ☆ وہی تو عرضِ تمنا کا بھی ہنر دے گا
ہے بے نیاز کہ جب چاہے گا طفیل نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ☆ مِری دعاؤں میں تم دیکھنا، اثر دے گا
وہ کھول دے گا مسافت کسی کے پیروں سے ☆ کسی کو پھر سے رہِ شوق کا سفر دے گا
مِری جبیں میں مچلتے ہیں جتنے سجدے بھی ☆ خدا سبھی کو مدینے کا پاک در دے گا
ہمارا دھوپ میں جلنا بھی اُس نے دیکھا ہے ☆ وہی سروں پہ ہری چھاؤں کا شجر دے گا

نورین صاحبہ نے جناب صفدر ہمدانی، لندن کی یہ حمد بھی عنایت کی ہے:

حمد کی شکل میں ثنا لکھنا ☆ بعد پھر اس کے اور کیا لکھنا
وہ علیم و بصیر ، النافع ☆ لکھنا خالق اُسے خدا لکھنا
معجزہ دیکھنا حروف کا پھر ☆ پہلے کاغذ پہ تم دعا لکھنا
آزمائش قلم کی ہے بے شک ☆ شانِ محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لکھنا
لکھنا منزل خدائے واحد کو ☆ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو راستہ لکھنا
اذن جو مل گیا ہے لکھنے کا ☆ مستقل اب یہ سلسلہ لکھنا
کب یہ صفدرؔ مِرے گمان میں تھا ☆ حمد یہ اُس کی ہے عطا، لکھنا

شکاگو سے ڈاکٹر افضال الرحمن افسرؔ صاحب نے اپنی یہ حمد ارسال فرمائی ہے۔ افسر صاحب سائنس کے شعبے سے تعلق رکھنے کے باوجود ادبی سرگرمیوں میں بہت فعال ہیں اور مشاعروں کا اہتمام کرتے رہتے ہیں۔ اُن کی یہ دلکش حمد ملاحظہ کیجیے :

خاص اور عام پہ، ہر آن ہے رحمت تیری ☆ ہو ادھر مجھ پہ بھی اللہ! عنایت تیری
جلوہ گر ہوتی ہے ہر رنگ میں قدرت تیری ☆ گردشِ شمس و قمر بھی ہے شہادت تیری
ہم بھٹک جاتے، ترا در جو نہ ملتا ہم کو ☆ زندگی سب کی ہو ہر لمحہ عبادت تیری
ہو ہدایت ترے قرآں کی سدا پیشِ نظر ☆ اس طرح دل میں سما جائے ہدایت تیری
یہ زمیں تیری ہے، افلاک بھی سارے تیرے ☆ سارا عالم ہے، فقط، ایک کرامت تیری
جستجو ہو مجھے ہر دَم تری خوشنودی کی ☆ ہو سدا وردِ زباں شانِ سخاوت تیری
روشنی دے مجھے دنیا کے اندھیروں میں سدا ☆ ہو عطا مجھ کو قیامت میں شفاعت تیری
زندگی میں نہ ہو غیروں کا وہ محتاج کبھی ☆ تیرے افسرؔ پہ ہمیشہ ہو عنایت تیری

'بزمِ سخن' شکاگو کے صدر جناب رشید شیخ نے اپنی یہ حمد عنایت کی ہے۔ شیخ صاحب امریکہ میں

اُردو کی خدمت کر رہے ہیں، ادبی سرگرمیوں میں نہایت فعال ہیں اور ہر ماہ پابندی سے 'بزم سخن' کے زیر اہتمام دو مشاعرے منعقد کر رہے ہیں۔ اُن کی یہ دلکش حمد ملاحظہ کیجئے:

کیا تخلیق کائنات کو جب اے خدا تونے ☆ بنی آدم کو ہی اپنے تخیل میں رکھا تونے
بنایا اشرف المخلوق انساں کو خرد دے کر ☆ خلیفہ بھی بنایا اور حکومت کی عطا تونے
سمندر کی بھی تہہ میں رزق پہنچاتا ہے ماہی کو ☆ پہاڑوں پر بھی دی پتھر میں کیڑے کو غذا تونے
پرندے خوبصورت اُڑتے پھرتے ہیں فضاؤں میں ☆ چرندے اور درندے بھی بنائے خوشنما تونے
گلوں کے رنگ و بو میں ہے تری قدرت کی رعنائی ☆ ثمر اشجار کو دے کر کیا یہ راز وا تونے
ہرے باغات، دریا، دشت وصحرا میں ترا جلوہ ☆ نظر آتا ہے ہر انساں کو جو دکھلا دیا تونے
بیاں اوصاف تیرے کس طرح ہوں شیخؔ سے یارب! ☆ یہ ساری عمر بھی کم ہے جو کر دی ہے عطا تونے

انجمن تبلیغ الاسلام، جیکسن ہائٹ نیویارک سے وابستہ کوثر چشتی صاحب جو مسجد خضرا، جیکسن ہائٹ کے بانی اور صدر بھی ہیں، اپنی یہ حمد ارسال فرمائی ہے۔ چشتی صاحب ہر سال ماہ ربیع الاول میں عالمی نعتیہ مشاعرے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اُن کی یہ حمد ملاحظہ کیجئے:

میرے خدا، ربّ العلیٰ کیا ہو بیاں مولا ترا ☆ ہر دَم پڑھوں کلمہ ترا آخر ہوں میں بندہ ترا
معبود تو، مسجود تو، مشہود تو، محمود تو ☆ ہے ہر جگہ موجود تو، ہے کو بکو چرچا ترا
جس دل میں تیری یاد ہے، وہ دل تو بس آباد ہے ☆ وہ سرو قارِ دوش ہے جس سر میں ہو سودا ترا

پھولوں میں ہے تیری مہک، تاروں میں ہے تیری چمک
شمس و قمر اور روز و شب ہر شے میں ہے جلوہ ترا
تجھ سے ہی ربّ دوجہاں! کوثرؔ کی ہے یہ التجا
جب اس جہاں سے کوچ ہو، ہونٹوں پہ ہو کلمہ ترا

مفتی اولاد رسول قدسی صاحب، خطیب مسجد خضرا، نیویارک کے کئی مجموعے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ انھوں نے اپنی دوہا حمد مع ردیف ارسال فرمائی ہے، جس کا عنوان ہے ''اے ربِ غفار''

سب کا پالنہار ہے، اے ربّ غفار! ☆ ہر سُو جلوہ بار ہے، اے ربّ غفار!
جس کو مل جائے تری رحمت کی تنویر ☆ اُس کا بیڑا پار ہے اے ربّ غفار!
چھوٹے ہوں یا بڑے، سب تیرے محتاج ☆ ایسا تو مختار ہے اے ربّ غفار!
بھید اور بھاؤ کے بنا، سب کو دے جو بھیک ☆ تیرا وہ دربار ہے، اے ربّ غفار!

تیری جو توحید کا ، کرتا ہے انکار☆ وہ بدبخت و خوار ہے اے ربّ غفار

جو تیرے محبوب ﷺ پر، رکھتا ہے ایمان☆ خلد اس پر سرشار ہے، اے ربّ غفار

ہم سب تیرے فضل کے، بے حد ہیں محتاج☆ باطل کی یلغار ہے اے ربّ غفار!

مل جائے تیری رضا، قدسیؔ کو اے کاش!☆ ورنہ سب بے کار ہے، اے ربّ غفار!

انگلینڈ سے محترمہ سمیعہ ناز نے جو 'نعت ریسرچ سینٹر'، یو کے کی نگراں ہیں، حمدیہ کلام فراہم کرنے میں بہت معاونت کی ہے، اللہ تعالیٰ اُنھیں جزائے خیر دے۔ انھوں نے مناجات کا رنگ لئے ہوئے اپنی یہ دلکش حمد ارسال فرمائی ہے :

الٰہی! مرے نیک افکار کر دے ☆ 'عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے'

الٰہی! ہمیں نیک اطوار کر دے ☆ ثنائے نبی ﷺ کو ہی اظہار کر دے

مٹا کے سیاہی گناہوں کی مولا ☆ تو اپنی محبت میں سرشار کر دے

یہ توفیق مدحت جو مجھ کو ملی ہے☆ ہمیشہ اسی کا تو حق دار کر دے

مرا دین و ایمان کامل ہو مولا!☆ حسیں خُلق، پاکیزہ کردار کر دے

سمیعہ صاحبہ نے برمنگھم، یو کے کی طلعت سلیم صاحبہ کی مناجاتی نظم بھی ارسال فرمائی ہے جو یوں ہے:

اے مرے ربّ کریم!
آپ کی چاہت والفت ہے
مری زیست کا سرمایۂ عظیم
آپ سے بڑھ کے مجھے
پوری دنیا میں کہیں
کوئی نہیں ، کوئی نہیں
واقف حال ہیں، جس حال میں ہوں
کب کوئی بات، کئی سوچ بھی پوشیدہ رہی ہے میری
کہ ازل سے تا ابد آپ کی ذات
ہے جہاں بھر کی سمیع اور بصیر
کیسے ممکن ہے کہ تخلیق کریں
اور مرے حال سے آگاہ نہ ہوں
جو بھی کہنا ہو مجھے
خود مری جنبش لب سے پہلے
اس سے، اس کی جزئیات سے آگاہ نہ ہوں

دو جہانوں کے لطیف اور خبیر
مری ہر ایک تمنا، مری ہر سوچ، مری
ہر ایک دعا کا مرکز
ہے فقط آپ کا در، آپ کا در، آپ کا در
کہ بنا مانگے جہاں سے سب کو
جو بھی درکار ہو، کچھ اس سے سوا ملتا ہے
یہ وہ در ہے کہ جہاں سے کبھی مایوس نہ لوٹا کوئی
نہ تو تکرار تمنا، نہ ہی یاں جنبش لب ہے درکار
نہ نگاہوں کی خشونت، نہ تمسخر، نہ ہی ذلت کوئی
بات کھونے کا ہے اندیشہ نہ رسوائی کا ڈر
نہ ہی پردے میں سخاوت کے تماشائی کوئی
کیوں نہ ہر ایک تمنا کو اسی در سے وابستہ رکھوں
مدعا کوئی لئے کیوں میں کسی اُور بڑھوں
کوئی ہو کتنا ہی ہمدرد مرا
اور ہو چاہے شہنشاہوں کا شاہ

ہستی دیکھو تو بشر
میں بھی بشر
اور سوچو تو حقیقت میں ہیں دونوں ہی اسی در کے گدا
کیوں مری بات بھلا اس کی زباں سے پہنچے
واسطہ پیامبروں کا یاں بھلا کیا معنی
جب کہ خود آپ ہیں ہر لحہ رگ جاں کے قریب
زندگی بھر اے خدا!
اِک اسی در کی میں محتاج رہوں
یہ وہ محتاجی ہے، مل جائے جسے
پھر کسی اور کا ہرگز نہ وہ محتاج رہے
اسی محتاجی کے سائے میں رہیں گے محفوظ
مرا پندار ، خودی اور وقار
جنھیں رکھنا ہے ہر اک حال دل و جاں سے عزیز
سر جھکانا ہو اگر عجز سے مجھ کو تو اسی در پہ جھکے
پھیلے دامن تو یہیں اور بڑھے دست تمنا تو اسی سمت بڑھے
اے مرے ربّ عظیم!

سمیعہ صاحبہ نے برمنگھم، یو کے سے تعلق رکھنے والے خواجہ محمد عارف صاحب کی یہ دلکش حمد بھی ارسال کی ہے:

زباں محو حمد و ثنائے خدا ہے ☆ یہ توفیق بھی تو عطائے خدا ہے
دلوں میں ہو احساس و وجدان اس کا ☆ نظر آنکھ کو جو نہ آئے، خدا ہے
وہ خالق، وہ مالک، وہ آقا، وہ مولا ☆ ہر اِک شے جہاں کی برائے خدا ہے
وہ زندہ تھا، زندہ ہے، زندہ رہے گا ☆ کہ فانی ہے جو ماسوائے خدا ہے
کہا لن ترانی کسی کو تو کوئی ☆ سرِ عرش محوِ لقائے خدا ہے
سنے غور سے کوئی تو ذرّہ ذرّہ ☆ ہمہ وقت نغمہ سرائے خدا ہے
اُسی کے رہیں ہو کے سب جنّ و انساں ☆ یہی حکم اور مقتضائے خدا ہے
جھکیں ایک در پر، فقط اُس کے در پر ☆ یہی سنتِ انبیائے خدا ہے
جسے ہوگئی اپنی پہچان عارفؔ! ☆ وہی عارفِ رازہائے خدا ہے

سمیعہ صاحبہ نے رادھرم، یو کے سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کی حمدیہ رباعیات بھی ارسال کی ہیں جو اُن کے مجموعے ''عکسِ آواز'' سے ماخوذ ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

ذرے پہ جو سورج کی نظر ہو جائے ☆ شبنم کی طرح رشکِ گہر ہو جائے
اے دل تجھے کیا اتنی بھی توفیق نہیں ☆ خالی ہو تو اللہ کا گھر ہو جائے

☆☆☆☆☆☆☆☆

ہر پھول کے ہنسنے میں ادا ہے اُس کی ☆ ہر برگ پہ تحریر ثنا ہے اُس کی
آنکھوں سے کسی نے نہیں دیکھا اُس کو ☆ آزاد زمانے سے لِقا ہے اُس کی

☆☆☆☆☆☆☆☆

جب لوح پہ تخلیق رقم کرتا ہے ☆ ہر چیز بیک حرف بہم کرتا ہے
خالق ہے عناصر کے جہاں کا اللہ ☆ باری ہے وہی روح بھی دَم کرتا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆

توّاب ہے، غفار ہے اور ہے رحمان ☆ ہر روز نئی ہوتی ہے اُس کی ہر شان
یکتائی میں کامل ہے وہ اپنی تنہا ☆ ہاں بھیڑ میں تنہا ہے جو وہ ہے انساں

☆☆☆☆☆☆☆☆

غنچے میں تسلسل کی کہانی رکھ دی ☆ ہر چیز میں کچھ اپنی نشانی رکھ دی
ٹھہراؤ کو ٹھہرا دیا پتھر کا جی ☆ پانی کی طبیعت میں روانی رکھ دی

☆☆☆☆☆☆☆

اضداد سے دنیا کو سجایا اُس نے ☆ سورج کو بھی ظلمت سے بنایا اُس نے
کب میل ہُوا آگ میں اور پانی میں ☆ دونوں کو مِرے دل میں ملایا اُس نے

☆☆☆☆☆☆☆

افلاک کی گردش کو ازل سے لکھا ☆ ہر حادثہ مربوط ہے پل سے لکھا
تقدیر جہاں بھر کی معیّن کر دی ☆ انسان کی قسمت ہے عمل سے، لکھا

☆☆☆☆☆☆☆

اسمائے در و بست سکھا کر مجھ کو ☆ بھیجا تو ہے انسان بنا کر مجھ کو
جس کام کی مہلت مجھے دی ہے مولا ☆ اس کام کی ہمت بھی عطا کر مجھ کو

☆☆☆☆☆☆☆

تخلیق کا جب اُس نے فسانہ لکھا ☆ ہر چیز کا کیا ہوگا ٹھکانا، لکھا
پتھر کے مقدر میں لکھا بھاری پن ☆ پھر میرے مقدر میں اُٹھانا لکھا

☆☆☆☆☆☆☆

کر منہ سے یہ اقرار، ہے اللہ احد☆ سب کا ہے وہی رب، وہ غنی اور صمد
ہے پاک علائق سے مگر اُس کی ذات☆ وہ باپ کسی کا، نہ کسی کا ہے ولد

سمیعہ ناز صاحبہ نے ''انت مولانا'' کی ردیف میں ایک دلکش حمد بھیجی ہے جو اُن کے مجموعے ''خزینۂ رحمت'' سے ماخوذ ہے، ملاحظہ کیجئے:

الٰہی! تو ہی شافی، ''انت مولانا'' ☆الٰہی! تو ہی کافی، ''انت مولانا''
جہانِ رنگ و بو دنیائے فانی ہے ☆ الٰہی! تو ہی باقی، ''انت مولانا''
ہمیں یارب! فقط تیرا سہارا ہے ☆ بنا بگڑی ہماری، ''انت مولانا''
درود پاک پڑھ کر جو دعا مانگیں☆ یقینا پوری ہوگی، ''انت مولانا''
میسر ہے سکونِ قلب کی دولت☆ کہ ہے سانسوں کی بولی، ''انت مولانا''
سکھا دے شکر کرنا اے ہمارے رب☆تو ہو جا ہم سے راضی، ''انت مولانا''

تری رحمت پہ نازاں ناز ہے مولا ! ☆ اسے دے دے معافی، ''انت مولانا''

سمیعہ ناز صاحبہ نے لندن، یو کے کی ایک بہت اچھی شاعرہ فرحت خان فرحتؔ کی حمد بھیجی ہے، ملاحظہ کیجئے :

ایک واحد ہے وہ خدا میرا ☆ ساتھ دیتا ہے جو سدا میرا
وہ مِرا ہو گیا اُسی لمحے ☆ میں نے جس دَم اُسے کہا ''میرا''
اُس کو دیکھا نہیں کبھی میں نے ☆ سُن رہا ہے جو مدعا میرا
میری کشتی کا ہے وہی والی ☆ وہ خدا ہی ہے ناخدا میرا
جب پڑھا میں نے نعرہ ٔ تکبیر ☆ بڑھ گیا جوش و ولولہ میرا
ہیں یہ اُس کی عنایتیں ساری ☆ ہے جو آنچل بھرا بھرا میرا
اُس کی رحمت کی چھاؤں میں فرحتؔ ☆ ہے یہ ننھا سا گھونسلہ میرا

سمیعہ ناز صاحبہ نے جرمنی میں مقیم شاعرہ عشرت معین سیماؔ صاحبہ کی ایک حمدیہ کاوش بھی بھیجی ہے۔

زمیں پر بھی ہے اور زمانوں میں ہے ☆ اُسی کا ظہور آسمانوں میں ہے
وہ ربّ احد تا سما و سمک ☆ سبھی کے دلوں میں، زبانوں میں ہے
ہیں پورے بھی مصروفِ ذکرِ خدا ☆ وہ تسبیح کے سارے دانوں میں ہے
وہ رحمت کی بارش بہا دے گی سب ☆ جو غم دل کے کچے مکانوں میں ہے
عطائے سخن بھی کرم ہے ترا ☆ مری شاعری بھی خزانوں میں ہے
ضیائے لطافت میں ڈوبی تھی شب ☆ فضائے سحر اب اذانوں میں ہے
بھلانا نہیں سیماؔ اُس کو کبھی ☆ جو دل کے نہاں چار خانوں میں ہے

سمیعہ ناز نے فرانس میں مقیم شاعرہ شاز ملک کی حمد بھی روانہ کی ہے، ملاحظہ کیجئے :

رحمان ہے رحیم خدا تو حسیب ہے ☆ شہ رگ سے اپنے بندوں کے تو ہی قریب ہے
سانسوں پہ اختیار ہے، دھڑکن پہ اختیار ☆ کرتا ہے اپنے بندوں سے تو پیار بے شمار
دریا بہائے، تو نے سمندر بہا دیئے ☆ اور آسماں پہ چاند ستارے سجا دیئے
مٹی سے تو نے چاک پہ انساں بنا دیا ☆ اشرف کے مرتبے سے اسے پھر سجا دیا
عقل و شعور، قوتِ گویائی بخش دی ☆ اور قیمتی سماعت و بینائی بخش دی
قاصر ہوں تیری شان میں لکھنے سے کچھ خدا ☆ کر دے تو مجھ کو حرف کی دولت حسیں عطا

بندی ہے شازؔ کہنے کو ہر چند بے نشاں ☆ کہتی ہے شعر اس لئے کہ تو ہے مہرباں

سمیعہ ناز نے پیرس (فرانس) میں مقیم شاعر ممتاز ملک کی حمد بھی ارسال کی ہے جو یہاں پیش ہے:

تو خدا ہے ، تری دنیا ہے خطاؤں والی ☆ میں تو بندہ ہوں ، مری ذات کی توقیر کہاں

خلد کا کھیل ہے تیرے لئے آنا جانا ☆ میں یہ چاہوں بھی تو بن جائے گی تقدیر کہاں

نام تیرا ہے جو منزل کی نشانی دے دے ☆ یہ جہاں میرے ارادوں کی ہے جاگیر کہاں

اے خدا ! سوچ کے جگنو کو سلامت رکھنا ☆ ذات کی سیاہی میں اس کے سوا تنویر کہاں

میں ہوں ممتازؔ مگر میری یہ اوقات کہاں ☆ تو نہ چاہے تو قلم میرا ہے شمشیر کہاں

'دائرۂ ادب' نیویارک کے بانی اور منتظم جناب محسن علوی یہاں فروغ حمد و نعت اور اُردو ادب کی خدمت کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں۔ وہ ہر مہینے پابندی سے حمد اور نعت کا مشاعرہ منعقد کر رہے تھے، جن میں شعرا اپنی ایک حمد اور ایک نعت پیش کرتے تھے۔ اب شعرا کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی ہے اور اس آن لائن بین الاقوامی مشاعرے کا دورانیہ تین گھنٹے سے بھی زیادہ ہونے لگا تو اب یہ پابندی ہے کہ ہر شاعر تحت اللفظ سات اشعار یا ترنم سے پانچ اشعار حمد یا نعت یا حمد و نعت دونوں ملا کر پیش کرے، تاکہ مشاعرہ بہت طویل نہ ہو جائے۔ محسن علوی کی دلکش حمد ملاحظہ کیجئے :

رب ! تیری مصلحت کے اشارے جدا جدا ☆ الفت ہر ایک دل میں اُتارے جدا جدا

ہر دل ترے حضور میں رطب اللسان ہے ☆ ہر شخص تجھ کو دل سے پکارے جدا جدا

اللہ رے تیری ذات وہ تیرے رسولؐ پاک ☆ دونوں سے عشق جس کے نظارے جدا جدا

غالب ہے ایک جذب کہ حمد و ثنا لکھوں ☆ جذبات یوں تو دل میں ہیں سارے جدا جدا

نورِ خدا بکھیر رہے ہیں جہان میں ☆ شمس و قمر ، چراغ ، ستارے جدا جدا

ہر اِک نظام پورا کا پورا الگ نظام ☆ ہیں اہتمام سارے کے سارے جدا جدا

مربوط ہر نظام تجھی سے الگ الگ ☆ ہر ذی نفس کو تیرے سہارے جدا جدا

جو چاہے جس طرح سے ترے ساتھ لو لگائے ☆ دل میں ہوں جس طرح کے شرارے جدا جدا

خلقت تمام تیرے لئے سجدہ ریز ہے ☆ انساں، زمین ، چاند ستارے جدا جدا

جن و ملک یہ انس یہ مخلوق سب تری ☆ ہر ایک ،ایک رب کو پکارے جدا جدا

تو جس کو چاہے راہ دکھادے نجات کی ☆ ملتے ہیں آگہی کے اشارے جدا جدا

خالق ہے تو، عظیم مصور ہے تیری ذات ☆ ہر ایک شے کا روپ نکھارے جدا جدا

کرتے ہیں سارے حمد اُسی ذات پاک کی ☆ الفاظ کچھ ہمارے تمھارے جدا جدا
محسنؔ کی یہ دعا ہے کہ محبوب تجھ کو ہو ☆ تو جس کو چاہے جیسے سنوارے جدا جدا

جناب حسّام احمد سید (انھوں نے اپنا پہلا نام حائے حطی سے ہی لکھا ہے) کینیڈا کے شہری ہیں اور ٹورانٹو میں رہتے ہیں۔ وہ شاعر، کالم نگار، ادیب، مقرر، فری لانس جرنلسٹ اور سوشل ورکر ہیں۔ انھوں نے اپنا حمد یہ کلام مقالے میں شمولیت کے لئے بھیجا ہے، ملاحظہ کیجئے:

وقت کا پیچ و خم آپ سے ہے خدا ☆ یہ وجود و عدم آپ سے ہے خدا
آپ نے ہی بنائی ہے یہ کائنات ☆ سانس کا زیر و بم آپ سے ہے خدا
آپ کاتب ہیں ہر اِک کی تقدیر کے ☆ اور یہ لوح و قلم آپ سے ہے خدا
آپ کی ذات کا ہے تصور محال ☆ اور یہ عقل و فہم آپ سے ہے خدا
آپ مالک ہیں ارض و سماوات کے ☆ جو بھی ہے محترم آپ سے ہے خدا
آپ ربِّ جہاں، آپ پروردگار ☆ جس کو جو ہے بہم آپ سے ہے خدا
آپ قدوس، باری، مصور، ملک ☆ نظم دیر و حرم آپ سے ہے خدا
آپ ہی کی بتائی ہوئی راہ پر ☆ جو اُٹھا ہے قدم آپ سے ہے خدا
آپ تو ہیں سخی، ہم ہیں عاجز فقیر ☆ جو ہے جاہ و حشم آپ سے ہے خدا
خود ہی انساں نے آلام پیدا کئے ☆ ہر علاجِ الم آپ سے ہے خدا
آزمائش بھی ہے اور انعام بھی ☆ رزق کا بیش و کم آپ سے ہے خدا
بندگی، عاجزی اور مرا انکسار ☆ دل کی مٹی بھی نم آپ سے ہے خدا
زندگی میں بسے جتنے بھی رنگ ہوں ☆ وہ خوشی ہو یا غم آپ سے ہے خدا
آپ کی حمد حسّامؔ سے ہو بیاں؟ ☆ جو ہُوا ہے رقم آپ سے ہے خدا

شکاگو میں مقیم ساجد چودھری صاحب نے اپنی یہ حمد ارسال کی ہے:

میں بشر تو خدا، میں کہاں تو کہاں ☆ ہے فقط تو ہی تو، ہر نگر کہکشاں
میرے عصیاں کے کھاتے زمیں تا فلک ☆ تیری رحمت ہے بحرِ کرم بے کراں
تیرے شیدائی کو تشنگی کا نہ غم ☆ فیض کے ہیں ترے ایسے چشمے رواں
اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو ☆ میری تھکتی نہیں ورد کرتی زباں
تم کو ساجدؔ! یہ ادراک کیسے ہُوا ☆ تم کہیں بھی نہیں، نہ یہاں نہ وہاں

شکاگو ہی میں مقیم خوش فکر شاعر ڈاکٹر توفیق انصاری احمد صاحب نے اپنی یہ دلکش حمد ارسال فرمائی ہے، ملاحظہ کیجئے :

بہاروں میں تو ہے ، نظاروں میں تو ہے ☆ زمیں ، آسماں، چاند، تاروں میں تو ہے
عبادت کے لائق تری ذات ِ عالی ☆ عبادت کی ساری قطاروں میں تو ہے
نظر جس نے پائی ،کھلا اس پہ عقدہ ☆ تصور کے تابندہ تاروں میں تو ہے
ترے سامنے سارے انساں برابر ☆ غریبوں میں تو ، تاجداروں میں تو ہے
دہکتے ہوئے سرخ صحرا میں تو ہی ☆ مہکتے ہوئے مرغزاروں میں تو ہے
حقیقت بھرے دل کی آواز ہے تو ☆ محبت بھری یادگاروں میں تو ہے
تری مسجدوں سے ترا نام روشن ☆ ترے گھر کے اونچے مناروں میں تو ہے
بشر کے لئے گنجِ تحقیق ہے تو ☆ شراروں میں تو ، آبشاروں میں تو ہے
ذرا سا یہ توفیقؔ واقف ہے لیکن ☆ تری ذات کے سب اشاروں میں تو ہے

شکاگو سے ہی نوجوان شاعر محمد فہد خان نے اپنی یہ حمد بھیجی ہے :

ہم نے جب بھی تری قدرت کے نظارے دیکھے ☆ جابجا تیرے ہی ہونے کے اشارے دیکھے
کہیں تو بیچ میں دریا کے بھی خشکی پائی ☆ اور کہیں دشت میں پانی کے 'فوارے' دیکھے!
سلطنت ڈھونڈی تو جھولی میں فقیروں کے ملی ☆ اور امیروں کے خزانوں میں خسارے دیکھے
پلتے دیکھا ہے یتیموں کو غریبی میں یہاں ☆ بے سہاروں کے بھی کچھ ایسے سہارے دیکھے
ذکر میں رب کے سبھی کر رہے ہر پل ہیں طواف ☆ بس اسی نام کے دیوانے یہ سارے دیکھے

انگلینڈ سے ڈاکٹر ناہید کیانی صاحبہ نے، جو معروف ادبی شخصیت ہیں اور باقاعدگی سے ہر ماہ کئی کئی مشاعروں کا اہتمام کرتی ہیں، اپنی یہ حمد مقالے میں شمولیت کے لئے ارسال کی ہے:

اے مِرے مولا ! اے ربّ ذوالجلال ☆ تو ہی شامل ہے مِرے احساس میں
تیری قدرت ہے رواں انفاس میں ☆ شام کی نیرنگیاں دیکھیں سدا
ضوفشاں یہ صبح بھی تیری عطا ☆ تیرا مظہر گلستانِ رنگ و بو
تو ہی تو ہے، تو ہی تو ، بس تو ہی تو ☆ لفظ کی بازی گری کچھ بھی نہیں
شاعری اور ساحری کچھ بھی نہیں ☆ اس تخیل کو زباں کی ہے عطا
بخشی ہے تو نے مجھے فکرِ رسا ☆ عزتیں ، یہ شہرتیں تیرا کرم

کمتریں کو رفعتیں تیرا کرم☆غیروں سے ہو کچھ نہ میرا واسطہ
التجا ہے ، اپنا ہی رکھنا سدا☆اے مرے مولا ! اے ربِّ ذوالجلال

مشہور و معروف شاعر فرحت ندیم ہمایوں صاحب نیویارک میں مقیم ہیں۔انھوں نے اپنے مجموعۂ کلام ''اِک عمر کی تنہائی'' میں شامل اپنی حمد مقالے میں شمولیت کے لئے ارسال فرمائی ہے۔وہ یہاں حمدیہ اور نعتیہ مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں اور غزل بھی بہت خوب کہتے ہیں۔اُن کی حمد ملاحظہ کیجئے جو خمسہ کی شکل میں ہے :

تعریف تو اسی کے لئے بے شمار ہے ☆ کل کائنات ،جس کی عبادت گزار ہے
جو ماورا ہے عقل سے، پروردگار ہے ☆ اور مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رسول ہیں اللہ کے حبیب
سچ ہے کہ میرا رب ہے رگ جاں سے بھی قریب

داتا وہی ہے ، خالق ارض و سما وہی ☆ اس خاک پر وہی ، سرِ عرشِ علیٰ وہی
مشکل کے وقت سب سے بڑا آسرا وہی ☆ بیمار کے لئے نہیں اُس سے بڑا طبیب
سچ ہے کہ میرا رب ہے رگ جاں سے بھی قریب

انساں کے بس میں کچھ نہیں، آخر وہ کیا کرے☆ پتلا خطا کا ہے، جو کرے تو خطا کرے
اس پر بھی وہ رحیم ہے، سب کچھ عطا کرے☆ اُس کی عطا کے ہوتے ہیں انداز بھی عجیب
سچ ہے کہ میرا رب ہے رگ جاں سے بھی قریب

تفریق نسل و خوں نہیں اُس کی نگاہ میں☆ ہر شے ہے سجدہ ریز اُسی بارگاہ میں
انساں کہیں بھی ہو ، ہے اُسی کی پناہ میں☆ اس کی نظر میں ایک ہیں سب عامر و غریب
سچ ہے کہ میرا رب ہے رگ جاں سے بھی قریب

تکلیف چاہے کوئی ہو، حد سے زیادہ ہو☆ کیوں ہر کسی کے سامنے دامن کشادہ ہو
اُس کی ہی رحمتوں سے نہ کیوں استفادہ ہو☆ ہے اُس کی ذات ہی مِرے حالات کی نقیب
سچ ہے کہ میرا رب ہے رگ جاں سے بھی قریب

برسائے رحمتوں کی جہاں میں گھٹائیں کون☆ کرتا ہے کائنات پہ اتنی عطائیں کون
سنتا ہے اپنے بندوں کی ساری دعائیں کون☆ کوئی نہیں ،کوئی بھی نہیں، بس وہی مجیب
سچ ہے کہ میرا رب ہے رگ جاں سے بھی قریب

پہلے مجھے پناہ دی، اپنی امان دی☆ پھر بولنا سکھا دیا ، منہ میں زبان دی

دی جرأتِ سخن بھی، قلم میں بھی جان دی ☆ لکھتا ہوں حمد، اُس کے کرم سے ہوں خوش نصیب
سچ ہے کہ میرا رب ہے رگِ جاں سے بھی قریب

ایک عرصے تک ''بزمِ سخن'' شکاگو سے وابستہ اور فعال رہنے والے معروف شاعر شاہ نعیم الدین نعیمی صاحب نے اپنی یہ حمد مقالے میں شمولیت کے لئے ارسال فرمائی ہے :

تم پوچھتے ہو مجھ سے، رہتا کہاں ہے اللہ؟ ☆ شہ رگ کے پاس بھی ہے اور بے کراں ہے اللہ
ہر رنگ میں وہی ہے، ہر نقش ہے اُسی کا ☆ سب سے چھُپا ہُوا بھی، سب پر عیاں ہے اللہ
خلوت ہو یا کہ جلوت، وہ ہے شریک محفل ☆ محفل میں چار ہوں تو پھر پانچواں ہے اللہ
جتنے بھی ہیں مظاہر، اُس کا وجود اُن میں ☆ اِک روشنی کی صورت سب پر عیاں ہے اللہ
سمٹا ہُوا بھی ہے وہ، پھیلا ہُوا بھی ہر سو ☆ مسند ہے عرش اُس کی اور لامکاں ہے اللہ
ساحل پہ لا کے ڈالا، موجوں نے ڈوبتے کو ☆ ہر مبتلائے جاں کا جو پاسباں ہے اللہ
یہ گھومتے ستارے ٹکرائیں نہ کبھی بھی ☆ ان کے حسابِ گردش کا رازداں ہے اللہ
خاصانِ خاص جو بھی اُس کے قریب تر ہیں ☆ ان کا خیال اللہ، ان کی زباں ہے اللہ
ہم کو نعیمیؔ اُس نے کیا کیا نہ نعمتیں دیں! ☆ عاصی ہیں، پھر بھی ہم پر خود مہرباں ہے اللہ

Meaning of Prayer

مفہومِ عبادت (منظوم اردو مفہوم)

نوٹ۔ فرانسس مارٹن کی اس انگریزی نظم میں مناجات اور عبادت کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے جس کا منظوم اُردو مفہوم راقم الحروف (تنویر پھولؔ) نے کیا ہے، ملاحظہ فرمایئے :

☆☆☆☆☆☆☆

بہ ہنگامِ سحر جو اِک نَفَس گزرے عبادت میں ☆ یقیناً سارا دن گزرے گا راحت اور فرحت میں
بوقتِ شام اِک لمحہ جو اُس کی بندگی کر لو ☆ میسر ہو تمھیں آرام اور امن و سکوں شب کو
جو عالم بے کسی کا ہو، اُسے جب یاد کرلو گے ☆ سہارا قادرِ مطلق کا اپنے ساتھ پاؤ گے
جو تنہائی میں اپنے دل سے تم یادِ خدا کرلو ☆ سنے گا وہ تمھاری، باز پاؤ گے درِ حق کو
الم میں جب خیال اللہ کا تم دل میں لاؤ گے ☆ سکوں، آرام اور تسکین کی نعمت ہی پاؤ گے
اگر ہو وسوسہ، تشکیک اُس کو یاد تم کر لو ☆ وہی ہے جاننے والا، بچالے گا وہی تم کو
خوشی میں شکر ہو اُس کا، تمھیں بخشے گا وہ فرحت ☆ مسرت اور بھی دے گا، ہے اُس کی ذات باعظمت

مناجات اور حمد اُس کی کرو صبح و مسا یارو !☆ ہر اِک ساعت، ہر اِک لمحہ سکوں سے اپنا تم بھر لو

سہارا جو خدا کا ہے بڑا کامل سہارا ہے☆ نہیں وہ چھوڑتا اس کو ، اُسے جس نے پکارا ہے

الٰہی! پھول کی سن لے، اسے بھی سرخ رو کر دے☆ کہ اپنے بے کراں انعام سے سیراب تو کر دے

"Meaning of Prayer"

A breath of prayer in the morning
Means a day of blessing sure
A breath of prayer in the evening
Means a night of rest secure
A breath of prayer in our weakness
Means a clasp of a mighty hand
A breath of prayer when we are lonely
Means someone to understand
A breath of prayer in our sorrows
Means comfort and peace and rest
A breath of prayer in our doubtings
Assures us the Lord knows best
A breath of prayer in rejoicing
Gives joy and added delight
For they that remember God's goodness
Go singing for into the night
There is never a year nor a season
That prayer may not bless every hour
And never a soul need be helpless
When linked with God's infinite power

(Frances MC Kinnon Mortan)

آخر میں نیو یارک میں مقیم رخسانہ تنویر کی یہ مختصر حمد ملاحظہ کیجیے :

غافل انساں! چھوڑ دے غفلت، بات لے رب کی مان☆ اِک اِک آیت سب سے اعلیٰ لایا ہے قرآن

رب نے کہا ہے "قُولُوا حُسنا" بات کرو شیریں☆ ملتی ہے اخلاق سے عزت، اس سے بڑھی ہے شان

سب کا خالق، سب کا مالک، سب کا پالن ہار☆ بندوں کی وہ ہر مشکل کو کرتا ہے آسان

کیسی کیسی شکلیں بنائیں، بخشا حُسن و جمال☆ آئینہ گر کی صنعت پر آئینہ حیران!

رنگ برنگے پھول کھلے ہیں، دیکھو رخسانہ!☆ ہری بھری جیون کی بگیا، خالق کا احسان

***

میر امتیاز آفریں
بڈگام، کشمیر (انڈیا)

سید نصیر الدین نصیرؔ گیلانی کی نعتیہ شاعری

سید نصیر الدین نصیرؔ گیلانی کا تعارف دیتے ہوئے اردو زبان کے مشہور شاعر اور نقاد احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

" سید نصیر الدین نصیر اردو اور فارسی کے ایک نوجوان شاعر ہیں اور دونوں زبانوں میں ان کی سخن وری نے پورے ملک میں دھوم مچا رکھی ہے۔ اس دھوم کا سبب یہ نہیں ہے کہ سید صاحب گولڑہ شریف کے اس آستانہ عالیہ سے متعلق ہیں جس کا ایک دنیا احترام کرتی ہے۔ اس کا واحد سبب ان کا پاکیزہ اور اعلیٰ ذوقِ شاعری ہے... (ان کی) غزلوں کی سلاست اور ساتھ ہی بلاغت میرے نزدیک حیرت انگیز بھی ہے اور مسرّت بخش بھی۔"

پیر سید نصیر الدین نصیرؔ گیلانی بیک وقت ایک جید عالمِ دین، محقق، خطیب، سجادہ نشین صوفی اور قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کا تعلق پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے معروف علمی و روحانی خانوادے سے تھا جو کافی عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی پورے برصغیر میں کافی شہرت رکھتا ہے۔

آپ نے عربی و فارسی، تفسیر و حدیث، فقہ و اصول، فلسفہ و منطق، تصوف و عرفان کے علاوہ دیگر مذہبی و عصری علوم میں کمال دسترس حاصل کی۔ سید نصیر گیلانی نے فنِ شعر اور ادبیات فارسی و اردو میں بڑا کمال حاصل کیا۔ آپ نے اردو، فارسی، عربی، پنجابی، ہندی اور سرائیکی زبانوں میں شعر کہے اسی لئے انہیں ''شاعرِ ہفت زبان'' کے لقب سے بھی جانا گیا۔ ان کے تخلیقی کینوس (creative canvas) کو دیکھ کر انسان حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ آپ کی شخصیت غیر معمولی اوصاف سے متصف تھی، خوبصورت شاعرانہ کلام، دل لبھانے والا انداز خطابت، علوم اسلامیہ پر کمال کی دسترس، دلکش طرزِ تصنیف، مسندِ سلوک پر دولتِ فقر اور سب سے بڑھ کر حق گوئی و بیباکی۔۔۔ یہ سب خوبیاں آپ کی شخصیت کو چار چاند لگا دیتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وقت گزرنے کے باوجود لوگ آپ سے آج بھی بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں اور آپ کے کلام کو گنگناتے رہتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر لوگ آپ کے خطابات سے فیض حاصل کرتے ہیں اور آپ کی شاعری سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

سید نصیر گیلانی کی زیادہ تر شاعری غزلیات پر مشتمل ہے جن کی لے متصوفانہ اور عاشقانہ ہے۔ آپ کی شاعری میں زیادہ تر بیدلؔ، جامیؔ، رومیؔ، عراقیؔ اور حافظ کا رنگ دیکھنے کو ملتا ہے۔

چونکہ نعت گوئی کا ذوق ان کو اپنے جد بزرگوار پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ سے وراثت میں ملا جنھوں نے کچھ شاندار نعتیں تخلیق کی ہیں۔

سُبْحَانَ اللهِ مَا اَجْمَلَكَ　　　مَا اَحْسَنَكَ مَا اَكْمَلَكَ

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا　　　گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

سید نصیر گیلانی کا نعتیہ شاعری پر مشتمل مجموعہ ''دیں ہمہ اوست'' کے نام سے ہے جس میں فارسی، اردو، عربی اور پنجابی زبان میں بڑی عمدہ نعتیں شامل ہیں۔

جیسا کہ عنوان سے ہی ظاہر ہے ان کی نعتیہ شاعری عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محور کے گرد گھومتی ہے۔ ان کی نظر میں سارا دین ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت ہے اور آپؐ کی اطاعت ہی نجات کی راہ ہے۔ ان کے نزدیک نسبتِ رسولؐ ہی مومن کی متاعِ زیست ہے اور اس کے بغیر ایمان کی حلاوت کو پانا ناممکن ہے۔ نبیؐ کی نگاہِ عنایت ان کا سرمایہ حیات ہے اور ان کی نعت گوئی کا محرک بھی۔

نعت لکھنی ہے، زباں کوئی، زمیں کوئی ہو　　　ہم ہیں اور ان کی عنایات کا اقرار نصیرؔ

چونکہ نعت عشقِ رسولؐ کے چشمے سے پھوٹتی ہے اور پاکیزہ روحوں کو وجد میں لاکر جاودانی بخشتی ہے اس لئے آپ اس پاکیزہ جذبے سے سرشار نظر آتے ہیں اور آپ کو کائنات کے ہر گوشے میں جلوہ رسول نظر آتا ہے۔؎

گیسوئے مصطفٰی سے یقیناً ہوئی ہے مَس　　　خوشبو کہاں سے آئی، یہ بادِ صبا کے ہاتھ

کوئی بھی چیز نہ خلقت کا بن سکی باعث　　　سبب بنی تو بس ان کے ظہور کی نسبت

اپنی وجدانی کیفیات کے زیرِ اثر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کو خود سے دور نہیں سمجھتے اور داخلی احوال کا والہانہ انداز سے اظہار کرتے ہیں۔

تھی کس کے مقدر میں گدائی تیرے در کی　　　قدرت نے اسے راہ دکھائی تیرے در کی

میں بھول گیا نقش و نگارِ رخِ جنت!　　　صورت جو کبھی سامنے آئی تیرے در کی

پھر اس نے کوئی اور تصور نہیں باندھا　　　ہم نے جسے تصویر دکھائی تیرے در کی

ان کی شاعری میں راز و نیاز، ہجر و وصال اور لطف و عنایات کی کیفیات موجزن ہیں اور وہ وجدانی

یکسوئی کے ساتھ اپنی قلبی کیفیات کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے انداز بیان میں سادگی، سلاست اور دلکشی اپنے شباب پر دیکھنے کو ملتی ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی حسن یا خیر کا پہلو پایا جاتا ہے ان کے مطابق وہ سارا نورِ نبوت سے ہی مستعار لیا گیا ہے۔

تیرے ہی نور سے روشن ہوئے افلاک و زمیں
رونما ہوگئے ہر گوشے میں آثارِ حیات
سیرت سید عالم ؐ نے وہ بخشی رفعت
اوج در اوج ابھرتا گیا معیارِ حیات

پیر نصیر کے ادبی مزاج میں چونکہ کلاسیکیت رچی بسی ہے، اس لئے ان کی نعتیہ شاعری بھی اس وصف سے خالی نہیں۔ ان کی شاعری اس روایت کا حصہ محسوس ہوتی ہے جو خواجہ میر درد، امام احمد رضا فاضل بریلوی، بیدم شاہ وارثی، اصغر گونڈوی، پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور بعض دیگر اکابر صوفی شعراء کے ہاتھوں پروان چڑھی۔ ان کی بیش تر نعتیہ شاعری روایتی اسلوب میں ہے، اجتہادی تراکیب کے بجائے وہ روایتی آہنگ کو اپناتے ہیں اور دلنشین انداز میں اپنے خیالات کو زبان دیتے ہیں۔

زندگی جب تھی یہ جینے کا قرینہ ہوتا — رخ سوئے کعبہ تو دل سوئے مدینہ ہوتا
یوں مدینے میں شب و روز گزرتے اپنے — دن صدی ہوتا ہر اک لمحہ مہینہ ہوتا
یہی خواہش تھی یہی اپنی تمنا تھی نصیرؔ — میرا سر اور درِ شاہِ مدینہ ہوتا

نصیرؔ گیلانی کے ترنم اور آہنگ سے ایک پر کیف ماحول کا احساس ہوتا ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے روح طمانیت کی ہواؤں میں پرواز کر رہی ہو۔

اردو زبان کے دیگر غزل گو شعراء کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری میں خاص طور پر امام احمد رضا فاضل بریلویؒ کی نعتیہ شاعری کے اثرات نظر آتے ہیں۔ انہوں نے فاضل بریلویؒ کی کچھ مشہور و معروف نعتوں پر تضمینات بھی لکھی ہیں۔ مقبولِ عام ''سلامِ رضا'' پر ان کی تضمین سے کچھ اشعار یوں ہیں:

مصطفی جان رحمت پہ لاکھوں سلام — صاحب تاجِ عزت پہ لاکھوں سلام
واقفِ رازِ فطرت پہ لاکھوں سلام — قاسمِ کنزِ نعمت پہ لاکھوں سلام
مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام — شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

کہیں کہیں اصلاحِ امت کے جذبے کے زیر اثر وہ اصلاحی روش بھی اختیار کر لیتے ہیں اور اس بات کا اشارہ دیتے ہیں کہ ہر دور میں اعلیٰ معیاراتِ انسانیت تک اسوہ رسول کی روشنی میں ہی پہنچا جا سکتا ہے۔

تیرے کرم نے فقیروں کی جھولیاں بھر دیں ❖ تیری نظر نے گداؤں کو شہریار کیا
تیرے وجود کا اعجاز ہے کہ انسان نے ❖ صفات و ذاتِ الٰہی کا اعتبار کیا

ایک دوسرے مقام پر کچھ اس طرح لکھتے ہیں:

زندگی جب تھی، یہ جینے کا قرینہ ہوتا ❖ رخ سوئے کعبہ، تو دل سوئے مدینہ ہوتا
اسوہ پاک پہ کرتی جو عمل آج امت ❖ کسی دل میں نہ کپٹ ہوتی، نہ کینہ ہوتا

سید نصیر گیلانی قرآن وحدیث سے بھی اپنے کلام میں استشہاد کرتے ہیں۔ وہ قرآنی تلمیحات کا بھی خوبصورتی کے ساتھ اپنی نعتوں میں استعمال کرتے ہیں۔

والشّمس جمالِ ہوشربا، زلفیں والّیلِ اذا یغشیٰ ❖ القابِ سیادت قرآں میں، یٰسین طٰہٰ سبحان اللہ
یہ کہہ کے رک گئے، سدرہ پہ جبرئیلِ امیں ❖ نہیں عروجِ محمدؐ کی انتہا کوئی

ہر سچے عاشقِ رسول کی طرح دیدارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمنا میں ان کی روح تڑپتی رہتی ہے اور ان کیفیات کے زیر اثر کبھی ہجر تو کبھی وصال کا مضمون باندھتے ہیں۔

دل ہوا روشن محمدؐ کا سراپا دیکھ کر ❖ ہوگئیں پر نور آنکھیں ان کا جلوہ دیکھ کر
کیا عجب مجھ پر کرم فرمائیں سلطانِ اممؐ ❖ ذوقِ دل، ذوقِ وفا، ذوقِ تمنا دیکھ کر

سید نصیر گیلانی کا دل عجم میں رہتے ہوئے بھی حرم میں بستا ہے۔ وہ عالمِ خیال میں مدینے کا تصور باندھتے ہیں اور گنبد خضرٰی کی یادوں سے دل کو بہلاتے رہتے ہیں۔

جو تصور میں رہا پیش نظر بھی ہوگا ❖ کعبہ دیکھوں گا مدینے کا سفر بھی ہوگا
سبز گنبد کی ضیائیں بھی ہوں جس میں شامل ❖ میری تقدیر میں وہ نورِ سحر بھی ہوگا

دور حاضر میں جہاں مادیت، عقلیت پسندی اور ظاہر پرستی کا دور دورہ ہے، سیکولر تو سیکولر، مذہبی طبقات بھی تشکیک کا شکار ہوتے جارہے ہیں۔ ایسے میں خود مسلمانوں کے اندر بھی حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ جذبے کو شخصیت پرستی کے خانے میں ڈالنے کی مذموم کاوشیں ہورہی ہیں۔ ایسے میں سید نصیر گیلانی جیسے نعت گو شعراء غنیمت ہیں جو لوگوں کے دلوں کو حرارتِ شوق سے گرمارہے ہیں اور اس بات پر ابھارتے ہیں کہ ''خاکِ مدینہ ونجف'' کو آنکھوں کا سرمہ بنایا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فکری وروحانی فیض سے خود کو منور کیا جائے۔

ہزار بار ہوئی عقل نکتہ چیں پھر بھی ❖ درِ حضورؐ پہ جھکتی رہی جبیں پھر بھی
رواں ہے گرچہ ترقی کی راہ پر دنیا ❖ بغیرِ عشقِ نبیؐ شاد تو نہیں پھر بھی

ڈاکٹر یحیٰ نشیط

کلگاؤں، مہاراشٹر

قصیدۂ ابیات نعت پر امیرؔ مینائی کی تضمین

تضمین، مادہ ضم سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ملانا ہوتے ہیں، جیسے فلاں گاؤں تحصیل میں ضم کر لیا گیا۔ اسی مادے سے عربی قواعد کے مطابق ضمن، ضامن، مضمون وغیرہ الفاظ بنتے ہیں۔ اصطلاح میں اس کے معنی، کسی کے شعر کو اپنے اشعار سے ملانا ہوتے ہیں۔ اگر یہ عمل صرف مصرع تک محدود رہے تو اسے مصرع لگانا یا گرہ لگانا بھی کہتے ہیں مگر تضمین اور گرہ لگانے میں تھوڑا فرق یہ ہوتا ہے کہ گرہ لگاتے وقت شاعر اصل شعر کی معنوی ہئیت کو مزاحیہ یا ہجو یہ رنگ دینے کی کوشش کرتا ہے جس سے اصل شعر کی روح مجراح ہو جاتی ہے۔ چونکہ تضمین نگاری میں شعر کے مضمون پر توجہ دی جاتی ہے اور اسی مضمون کے مطابق دیگر اشعار اس میں شامل کر لیے جاتے ہیں۔ یہ صنعت عربی فارسی شاعری سے ہوتی ہوئی اردو میں آئی ہے۔ تضمین کے مصرع یا شعر کی بآسانی نشاندہی کی خاطر اسے واوین میں لکھا جاتا ہے۔ عربی شاعری میں تضمین نگاری، نقیضہ گوئی کی نقیض سمجھی جاتی تھی کیونہ نقصیضہ گو اپنے اشعار میں ہجو کی انتہائی مذموم اور کریہہ صورت روا رکھتے ہیں جبکہ تضمیں نگاری میں مقابل شاعر سے انسیت و الفت کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ تضمین کے لیے ردیف و قافیے کے ساتھ ہی مضمون و معنی کا لحاظ بھی ضروری ہوتا ہے وگرنہ تضمین بے اثر اور فنی اعتبار سے مجہول و نا مسعود سمجھی جائے گی۔ فارسی شاعری میں تضمین نگاری کا اچھا مقام ہے اکثر شعراء نے اپنے سے قد اور شعراء کے کلام پر تضمینیں کہی ہیں بالخصوص نعتیہ کلام پر فارسی میں کافی تضمینیں ملتی ہیں۔

اردو کے دکنی ادب میں تضمین نگاری کا اتنا چلن نہیں رہا۔ البتہ شمالی ہند کی اردو شاعری میں اس صنف کو کافی فروغ حاصل ہوا اور کئی بلند مرتبہ اور معروف شعراء نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے اور نہایت عمدہ مضامین اپنی تضمینوں سے نکالے ہیں۔ اگر ان شعراء کے نام ہی گنوا لیے جائیں تو فہرست کافی طویل بن سکتی ہے۔ اردو میں مربع، مخمس، مسدس، مثمن وغیرہ شکل میں تضمینیں لکھی گئی ہیں لیکن سب سے طویل تضمین امیرؔ مینائی کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ محسنؔ کاکوروی کے ابیات نعت (نعتیہ قصیدے) پر امیرؔ مینائی کی تضمین ہے۔ اس قصیدے میں ایک سو ایک اشعار ہیں اور ہر شعر پر تضمین مخمس میں ہے

۔اس طرح یہ طویل تضمین ایک طویل قصیدہ بن گئی ہے۔امیر مینائی نے اسے علاحدہ ایک قصیدے کی شکل دی ہے اور ان کے مجموعۂ نعت ''محامد خاتم النبیئین''میں قصائد کے ذیل میں اسے شامل کیا ہے۔اس کے علاوہ اس زمین میں دو نعتیہ غزلین بھی انھوں نے لکھی ہیں۔امیرؔ مینائی کو تضمین نگاری میں مہارت حاصل ہے انھوں نے جامیؔ سعدی اور دیگر فارسی شعراء کے ساتھ ہی اردو کے بعض میلاد خواں حضرات کے اشعار پر تضمینیں کہی ہیں لیکن محسنؔ کے قصیدے پر لکھی گئی تضمین کا مقام نہایت بلند ہے، وہ اس لیے بھی کہ اس قصیدے کے تمام ایک سو ایک اشعار پر مخمس کی صورت میں تضمین کی گئی ہے۔

غدر کا انتقام انگریزوں نے جب لیا تو کیا دہلی ،کیا رام پور اور کیا لکھنؤ تمام ریاستوں اور مغلیہ حکومت کی چولیں ہلا ڈالیں۔انگریز فوجوں کی بربریت کا یہ عالم تھا کہ عوام الناس اپنا سر چھپا کے بھاگے جا رہے تھے۔انھیں اپنے گھروں،اپنی جائیدادوں کی مطلق پروانہ تھی۔اس افراتفری میں محسنؔ اور امیرؔ مینائی کے گھر اور مال و مطبع بھی سب نذر آتش کر دیئے گئے تھے۔امیرؔ کا علمی اثاثہ بھی جل کر تباہ ہو گیا تھا ۔وہ اپنی جان بچا کر کاکوری پہنچے اور محسنؔ کی مصاحبت سے انھیں سکون و اطمنان نصیب ہوا۔اس ابتری کے زمانے میں محسنؔ نے کرامت علی شہیدی کے مشہور قصیدے ؎

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا
سرِ دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا

کی زمین اور ردیف و قافیے میں ایک قصیدہ رقم کیا تھا۔شہیدیؔ کا قصیدہ ۱۳۳ اشعار کا تھا۔کہا جاتا ہے کہ شہیدی نے اپنی جس تمنا اور خواہش کا اس قصیدے میں ذکر کیا تھا،ان کی وہ مراد پوری ہو گئی تھی۔اپنی خواہش کا اظہار جس شعر میں کیا تھا،وہ مشہور شعر درج ذیل ہے ؎

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا

شہیدی کی یہ آرزو پوری ہوئی۔مدینے کے سفر کے دوران طبیعت خراب ہوئی اور دیارِ رسولؐ کی چوکھٹ پر روح قفسِ جسدی سے پرواز کر گئی۔

محسنؔ نے اسی زمین میں ایک سو ایک اشعار قلم بند کر دیئے اور اسے ''ادبیات نعت'' کا عنوان دیا اس سرخی سے ۱۲۷۴ھ برآمد ہوتے ہیں یہ تاریخ صفت 'زبر بینات' میں ہے۔امیرؔ مینائی اس زمانے میں محسنؔ کے یہاں ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔انھوں نے محسنؔ کے اس قصیدے پر تضمین لکھی جو مخمس میں ہے۔امیر کی اس تضمین کو دیکھ کر محسن کو بڑا تعجب ہوا۔انھوں نے امیرؔ سے کہا کہ آپ کے مصرعوں نے اس قصیدے کی شان

بڑھادی ہے۔امیرؔ کے تخلیقی ارادے کو اس سے تقویت ملی اور انھوں نے علاحدہ سے ۱۲۸ اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ رقم کر دیا اسی پر اکتفانہ کرتے ہوئے امیرؔ نے دو نعتیہ غزلین اسی زمین میں سپردِ قلم کر ڈالیں۔

امیرؔ مینائی کی یہ تضمین محسنؔ کے نعتیہ قصیدے کے ہر شعر کی ایک طرح سے وضاحت ہی ہے۔ جس سے اس قصیدے کے اشعار کی تفہیم آسان ہوگئی ہے۔ محسن کے یہ ابیات نعت میں ۲۰ اشعار تشبیب کے ہیں ۲۱واں شعر گریز کا ہے اور بائیسویں شعر سے مدحت رسول کا آغاز ہوتا ہے۔ محسن کے اس قصیدے کی تشبیب عشقیہ ہے اور عشق مجازی سے لے کر عشقِ حقیقی تک کے عوامل کا احاطہ کرتی ہے۔ شاعر نے اس میں عشق کے متصوفانہ نظریات کو قرآن و احادیث کے رموز سے جوڑنے کی سعی فرمائی ہے۔ مثلاً یہ پہلا شعر ہی ملاحظہ ہو کہ ان کے انسلاکات کس طرح قرآن و حدیث سے ہم رشتہ دکھائی دیتے ہیں۔ ہاں! علوم شریعہ پر جن کی نظر نہیں ہوتی، وہ اس کے معنی میں ٹھوکر کھا سکتے ہیں ۔

مٹانا لوحِ دل سے نقشِ ناموسِ اب و جد کا
دبستانِ محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا

اس شعر میں ’’محبت‘‘ کلیدی لفظ ہے۔ محبوب کی محبت کی خاطر حبیب اپنے دل کو اباواجداد کی محبت سے پاک کرنا چاہتا ہے اور یہی اولین تعلیم دبستان محبت کی ہے۔ اللہ رب العزت قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ:

’’آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیبیاں اور تمھارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جس کو تم پسند کرتے ہو (اگر یہ تمام چیزیں) تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔‘‘ (سورۂ توبہ: آیت نمبر: ۲۴)

احادیث میں بھی اللہ اور رسولؐ کی محبت کو باپ، اولاد، کنبہ اور مال و جائیداد پر ترجیح دینے کی ترغیب دی گئی ہے، چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

’’حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کو میری محبت اپنے باپ اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔‘‘

حضرت علیؓ سے بھی روایت ہے کہ:

’’(آپکو) کسی نے پوچھا کہ آپؓ کو حضورؐ سے کتنی محبت تھی، آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی

قسم! حضورؐ ہم لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں سے اور اپنی اولادوں سے اور اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے۔"

ان مصدقہ شواہد کی روشنی میں اگر محسنؔ کے شعر کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں حب اللہ و حب رسولؐ کو اباواجداد کی ناموس پر فضیلت دی گئی ہے۔ محبت رسولؐ کی اس طرح کی افضلیت سے باپ دادا کا نام ڈوب نہیں سکتا۔

امیرؔ مینائی نے اپنے مخمس میں اس کو اور واضح کرنے کی کوشش کی ہے ؎

میں بسم اللہ آزادی ہوں سر پر تاج ہے مد کا
الف آوارگی کا راست نقشہ ہے مرے قد کا
تجرد تختۂ اول ہے میری مشقِ بے حد کا
مٹانا لوحِ دل سے نقشِ ناموسِ اب و جد کا
دبستانِ محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا

(محسن کاکوروی: [مرتبہ، محمد نورالحسن] "کلیات نعت محسنؔ"، لکھنؤ ۱۹۸۲ء ص ۴۸)

محسنؔ نے محبت میں لوح دل سے ناموس اب وجد کو مٹانے کی جو بات کہی ہے، اس کے لیے امیرؔ مینائی، آزادی، آوارگی اور تنہائی (تجرد) کو دبستانِ محبت میں تختۂ اول کی مشق سے تعبیر کرتے ہیں۔ گویا محبت چاہے مجازی ہو یا حقیقی اس کی خاطر ترکِ دنیا تو بس 'بسم اللہ'، یعنی ابتداء ہے۔ مادی آسائشیں اور رشتہ داریاں محبت کے سامنے ہیچ ہیں۔ محسنؔ کے اس نعتیہ قصیدے کے ۲۰ / اشعار تشبیب کے ہیں اور شاعر نے اس میں شباب کی باتوں کو ترجیح دی ہے۔ ویسے تشبیب کے لغوی معنی ہی ایام شباب کی باتوں کا ذکر ہے۔ عربی شاعری میں قصیدے کی تشبیب کے اکثر مضامین شبابیہ یا بہاریہ ہوتے ہیں حتیٰ کہ نعت کے موضوع کی تشابیب میں بھی یہی عنصر کارفرما رہتا ہے۔ اردو میں تشبیب کے لیے اسی وتیرے کو اپنا لیا گیا ہے۔ محسنؔ نے گویا اسی کی پیروی کی ہے۔ تشبیب کا یہ دوسرا شعر ملاحظہ ہو ؎

الٰہی کس کے غم میں نکلے آنسو چشمِ فتاں سے
کہ عطر فتنہ میں ڈوبا ہے رومال اس سہی قد کا

پہلا مصرع استفہامیہ ہے۔ شاعر پوچھ رہا ہے کہ "فتنہ برپا کرنے والی معشوق کی آنکھوں سے کس کے غم میں آنسو نکل پڑے ہیں۔ مگر یہ آنسو جس سے معشوق کا رومال تر ہو گیا ہے شاید اس میں بھی کوئی فتنہ چھپا ہے اسی لیے وہ عطر بیز محسوس ہو رہا ہے۔ امیرؔ مینائی نے اس شعر کی تضمین کی تو اس کے مفہوم کی

وضاحت اس طرح کردی ہے۔

یہ کس کو بے خطا مارا ہے اس نے تیرِ مژگاں سے
کہ آیا جوش میں طوفانِ خجلت آبِ پیکاں سے
پریشانی عیاں ہے سر بسر زلفِ پریشاں سے
الٰہی کس کے غم میں نکلے آنسو چشمِ فتاں سے
کہ عطرِ فتنہ میں ڈوبا ہے رومال اس سہی قد کا

امیرؔ مینائی نے حاشیے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اشک چشم فتاں با عطر فتنہ لفظاً مناسبت دارد''۔اس وضاحت کے بعد شعر کی تفہیم سہل ہوگئی ہے۔

کہاں ہے آتشِ یاقوت لب میں وہ بھڑک باقی
کہ خطِّ سبز نے چھینٹا دیا آبِ زمرد کا

یہ شعر لکھنؤ کے ادبی مزاج کے عین مطابق ہے جس میں رعایتوں کا خوب استعمال ہوا ہے۔معشوق کے سرخ لبوں کی مناسبت سے انھیں یاقوت لب کہا گیا ہے یاقوت چونکہ سرخ رنگ کا ہوتا ہے جیسے آگ کا شعلہ۔شعلہ کی یہ تاثیر ہوتی ہے کہ اس پر پانی کا چھینٹا دیا جائے تو اس کی شعلگی میں اضافہ ہوجاتا ہے ۔دوسرے مصرع میں خط سبز کی مناسبت سے آب زمرد کا استعمال کیا گیا ہے۔خط سبز جو امرد رمعشوق کے عارض پر اُگ آتا ہے، یہ اس کے عنفوانِ شباب اور حسن افزونی کی علامت ہے۔شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ خط سبز جیسے آب زمرد کا چھینٹا دینے کے باوجود یاقوت جیسے سرخ لبوں کی شعلگی رسرخی میں اضافہ نہیں ہوا ۔یعنی محبوب بوس و کنار کے لیے راغب نہیں ہوتا۔اس شعر کی ساری خوبی حاشیہ میں درج عبارت نے ضائع کردی ہے۔اس سے شعر کے معنی ہی تبدیل ہوگئے ہیں۔''چھینٹا دینے سے آگ کے بھڑکنے اور اس کی تیزی میں ضافہ ہوتا ہے۔لوہار اپنی بھٹی بھڑکانے اور آگ تیز کرنے کے لیے اکثر اس پر پانی کا چھینٹا دیتے ہیں جس سے آگ بھڑک اٹھتی ہے اور تیز ہوجاتی ہے۔کلیات محسن کے مرتب نے حاشیے میں ''آگ کی بھڑک اور تیزی کم ہوجانے کی بات کہی ہے جو محل نظر ہے اور حاشیے میں دیئے گئے معنی کے مطابق شعر کا مفہوم لیا جائے تو اس کا معنوی حسن غارت ہوجاتا ہے۔اسی طرح مرتب نے خط سبز کے عارض پر اگ آنے کو معشوق کے چہرے کی بے رونقی کی علامت سمجھا ہے۔مرتب کا یہ کلیہ اردو غزل کے معشوق کے حسن کی روایت کے عین ضد ہے، جبکہ اردو غزل میں خطِ عارض عنفوانِ شباب کے نمود کی علامت اور چہرے کے حسن میں اضافے کا سبب ہے۔اب ان معنوں میں شعر کا مفہوم ہوگا: کہ خط سبز

کے اُگ آنے سے معشوق کے چہرے کی رونق میں اضافہ ہو گیا ہے مگر اس کے باوجود اس کے سرخ لبوں میں بوسوں کے لیے گرمی باقی نہیں۔ یعنی معشوق بوسہ لینے، دینے کے لیے مستعد نہیں۔ اس کی سرد لوجی تو بڑھ گئی ہے امیرؔ مینائی نے کی ہوئی تضمین کے اشعار میں بھی کم و بیش یہی مفہوم ملتا ہے ؎

مے بے دُرد حسنِ صاف تک ہے ساری مشاقی
گیا وہ دور اب رندوں سے کیوں ہے اتنی ناچاقی
یہ ٹھنڈی گرمیاں رکھ چھوڑ کچھ انصاف کر ساقی
کہاں ہے آتشِ یاقوت لب میں وہ بھڑک باقی
کہ خطِ سبز نے چھینٹا دیا آبِ زمرد کا

امیرؔ مینائی نے محسنؔ کے شعر پر کی گئی تضمین میں اپنا مخاطب ساقی کو بنایا ہے اور یہ شکایت کی جا رہی ہے کہ رند تو تیرے پرستار ہیں تو کیوں ان سے ناچاقی کر رہا ہے اور سرد مہری سے پیش آ رہا ہے ، حالانکہ مے بے دردہ اور حسن پر اترانے کا دور تو گذر چکا ہے۔ رندوں کے ساتھ تیری بے التفاتی تو اس درجہ پہنچ چکی ہے کہ تیرے عارض پر خط سبزہ اُگ آنے پر بھی تیرے ہونٹوں میں بوسوں کی گرمی عنقا ہے ۔ امیرؔ نے ''ٹھنڈی گرمی'' کی ترکیب کے ذریعہ ساقی کی ساری نفسیاتی الجھنوں کو واش گاف کر دیا ہے ۔ ساقی کے دل میں بوسے کی خواہش ہے لیکن وہ مکر سے کام لے رہا ہے۔ شاعر نے ساقی کے تغافل اور تجاہل عارفانہ رویے کو ''ٹھنڈی گرمی'' کہا ہے۔

چھپے تم مجھ سے کیوں ، سب ہنستے ہیں ، شاخیں نکلتی ہیں
تمھارے پردے میں عالم ہے ذوالقرنین کی سد کا

ذوالقرنین سکندر کا لقب تھا۔ اس کے معنی دو سینگوں والا ہوتے ہیں۔ شاخ کے معنی سینگ بھی ہوتے ہیں اور شاخ نکلنا ایک محاورہ ہے جس کے معنی اعتراض کرنا ،نکتہ چینی کرنا، عیب جوئی کرنا وغیرہ ہوتے ہیں۔ اس شعر میں رعایت لفظی کے استعمال نے شعر کے مفہوم کو پیچیدہ بنا دیا ہے۔ شاعر کہہ رہا ہے کہ مجھے دیکھ کر تمھارا چھپنا جگ ہنسائی کا سبب بن گیا۔ تمھارے اس عمل سے لوگ نکتہ چینی کرنے لگے ہیں۔ شاعر نے جگ ہنسائی کو دوسرے مصرع کے فقرے 'ذولقرنین کی سد سے جوڑا ہے جو نہایت پیچیدہ معنوی رشتے کا متحمل ہے۔ سد سکندری کے متعلق ایک روایت ملتی ہے کہ اس دیوار کو جو بھی دیکھتا ہے ہنسنے لگتا ہے۔ اگر پہلے مصرع کے 'ہنسنے' کو دوسرے مصرع کے سد ذوالقرنین سے جوڑا جاتا ہے تو صنعتِ تلمیح کا پہلو نکل آتا ہے۔ مذکورہ تفصیل کی رو سے شعر کے مصرعِ ثانی کے معنی یہ نکلتے ہیں کہ، تمھارا مجھ

سے پردہ کرنے پر جو لوگ ہنس رہے ہیں، ان کے لیے تمھارا پردے میں رہنا سد ذوالقرنین کی مانند ہے۔ امیرؔ مینائی نے غالباً اسی مفہوم کو ذہن میں رکھ کر تضمین کی ہے ؎

زبانین خلق کی میرے سنبھالے کب سنبھلتی ہیں
کلیجے پر برابر برچھیاں طنزوں کی چلتی ہیں
نئی عادت جو ڈالی کب یہ باتیں تم کو پھلتی ہیں
چھپے تم مجھ سے کیوں سب ہنستے ہیں شاخیں نکلتی ہیں
تمھارے پردے میں عالم ہے ذوالقرنین کی صدکا

امیرؔ کی تضمین سے محسنؔ کی شعر کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ مجھ سے تمھارا پردہ کرنا تمھاری نئی عادت تھی اس لیے لوگ ہنسنے لگے جیسا کی ذوالقرنیں کی دیوار قہقہ کو دیکھ کر لوگ ہنسنے لگ جاتے ہیں۔ یہ جگ ہنسائی کا طنز میرے سینے میں برچھیاں بن کر پیوست ہوتا ہے۔ خلق کی زبانوں کو میں بھلا کیسے سنبھال سکتا ہوں ؎

بعینہ افتتاح سورۂ صاد آنکھ کو کہیئے ❖ جو ابروئے کشیدہ میں ہے نقشہ صاد کی مد کا

اس شعر میں آنکھ کی رعایت سے صاد،، بعینہ اور ابرو وغیرہ آئے ہیں۔ اور ان تمام الفاظ کا رشتہ قرآن کی سورۃ، سورۂ ''صادؔ'' سے جوڑا گیا ہے۔ محبوب کی آنکھ گویا سورۂ صؔ کی مانند ہے۔ اس کے ابرو، ص پر درج مدؔ کے مماثل ہیں۔ امیرؔ نے اپنی تضمین میں اس شعر کے مفہوم کو اور زیادہ واضح کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

جو ایماں ہو سراپا مصحفِ ناطق تجھے سمجھے ❖ ہوئے ہیں معنیِ والشمس روشن پرتوِ رخ سے
سوادِ زلف سے حل مو بمو والیل کے عقدے ❖ بعینہ افتتاحِ سورۂ صاد آنکھ کو کہیئے
جو ابروئے کشیدہ میں ہے نقشہ صاد کی مد کا

امیرؔ نے مصحف کی مختلف سورتوں کو سراپائے محبوب سے جوڑ دیا ہے۔ جعنی پرتوِ رخ روشن کے لیے والشمس، سیاہ زلفوں کے لیے والیل، آنکھ کے لیے سورۂ صاد۔ امیرؔ کی بیان کردہ تشابیہ ارضی محبوب کے لیے مناسب نہیں ہے۔

تری زلفِ رسا کا شعر اک ادنیٰ سا لٹکا ہے
کرشمہ ہے غزل تیری غزالِ چشمِ اسود کا

یہاں لٹکا اور کرشمہ میں مناسبت ہے۔ اس شعر کی لفظیات کا معنوی ربط بالراست سحر، جادو، تعویذ، گنڈا، نقش افسوں سے ہے۔ اردو غزل میں ان لفظیات کی ساحرانہ نقش گری ملتی ہے۔ مثلاً محسنؔ کی غزل کا یہ شعر ہے ؎

کہاں بل کہاں پیچ تقدیر کے
یہ لٹکے ہیں زلفِ گرہ گیر کے

رندؔ کہتے ہیں ؎

لٹکے کیا کیا نہ کیے سحر کے اور افسوں کے
نقشِ تعویذ بہت میں نے جلائے پھونکے

اور ذوقؔ فرماتے ہیں ؎

جاتی رہی زلفوں کی لٹک دل سے ہمارے
افسوس کچھ ایسا ہمیں لٹکا نہیں آتا

آخری شعر کے پہلے مصرع میں 'لٹک' کے معنی شغل اور دوسرے مصرع میں 'لٹکا' کے معنی تعویذ، گنڈا ہوتے ہیں۔ اردو ادب میں شاعری اور ساحری کا یہ ربط ابتداء ہی سے رہا ہے اور بہت اشعار تعویذ و گنڈوں کے لیے استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔ خاکسار نے اپنے مضمون ''اردو شاعری اور توہم پرستی'' مطبوعہ شاعر ممبئی کے کسی شمارے میں تفصیل سے بحث کی تھی۔ بہر حال! محسن کے مذکورہ شعر میں محبوب کی فتنہ پرور زلفوں اور غزال چشم اسود کی سحرنا کی سے شعرِ غزل ہی نہیں مکمل غزل کے وجود میں آنے کی بات کہی گئی ہے۔ امیرؔ مینائی نے اپنے مخمس میں مزید اس کی وضاحت کرنے کے لیے محبوب کے سراپے کو اس سے جوڑ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

مخمس تیری پانچوں انگلیوں کا ایک خاکا ہے
رباعی چار ابرو کا مقرر سادہ نقشا ہے
جو رنگیں قطعہ ہے یاقوت لب کا ایک ٹکڑا ہے
تری زلفِ رسا کا شعر ایک ادنیٰ سا لٹکا ہے
کرشمہ ہے غزل تیری غزالِ چشمِ اسود کا

امیرؔ نے مخمس، رباعی، قطعہ، ٹکڑا، شعر اور غزل وغیرہ شعری اصناف کو محبوب کے سراپہ سے ہم رشتہ کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ رباعی کے لیے البتہ چار ابرو کہنا تو محل نظر ہو جاتا، اس لیے شاعر نے ''مقرر'' صفت کے ذریعہ اس عیب کی تلخی کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح محبوب کے سراپا کی سحر انگیزی سے اصناف شاعری کے مسحور ہونے کی بات شاعر نے کہی ہے۔ لکھنؤ کی شعری تہذیب کی یہ مثالیں جو آتشؔ، اسیرؔ، ناسخؔ کی پروردہ رہیں امیرؔ نے کثرت سے استعمال کی ہیں۔ امیرؔ جفر، طب، نجوم اور علم الکف

سے بھی آگاہ تھے، اس لیے ان علوم کی جھلکیاں ان کی شاعری میں بآسانی دیکھی جاتی ہیں۔ محسنؔ کی اس غزلیہ تشبیب کے آخری دو اشعار میں شاعر نے خوشامد پرست محبوب کے ساتھ خوشامدانہ رویہ نہ اپنانے کی وجہ تنگ دہنی کو قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر دہن ہوتا تو میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح نہ کرتا؟ محسنؔ کے ابیات نعت (نعتیہ قصیدہ) کے ابتدائی ۲۰ اشعار غزلیہ تشبیب میں ہیں۔ ان پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ نعتیہ ادبیات میں ان اشعار کا نعت سے کوئی تعلق دکھائی نہیں دیتا۔ دراصل محسنؔ نے ادبیات نعت کی سرخی لگا کر اس کے ذیل میں مکمل قصیدہ تحریر کیا ہے۔ اس کی وضاحت مولف نے یہ کہہ کر کی ہے کہ "یہ (ابیات نعت کی تاریخ تصنیف) تاریخ صنعت زبر بینہ میں ہے۔ اس قصیدے پر حضرت امیر مینائی مرحوم کی تضمین نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔" اور خود شاعر نے بھی عمودی تحریر میں ان اشعار کو "غزل تشبیب" کہا ہے۔ ان سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تشبیب کے اشعار ہیں اور ان کا موضوع عشقیہ ہے۔ یوں بھی جتنے بھی نعتیہ قصائد عربی فارسی میں دستیاب ہیں ان کی تشابیب میں نعتیہ عنصر نہیں ہوتا۔ شاعر اس موضوع کو نعت کی طرف موڑنے کے لیے گریز سے کام لیتا ہے اور ایک دو اشعار گریز کے کہہ کر نعت کی سمت بڑھ جاتا ہے۔ ہمارے سامنے اس وقت کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی کا قصیدہ بانت سعاد ہے اس قصیدے کے تیرہ اشعار میں شاعر نے اپنی محبوبہ کا ذکر کیا ہے اس کے بعد چونتیس اشعار تک محبوبی کی اونٹنی کا ذکر ہے۔ اس کے بعد چغل خوروں کی مذمت ہے، پھر معذرت کے اشعار ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ جگہ مدح کی گئی ہے اور صرف ایک شعر نمبر اکیاون ایسا ہے جس میں مدح کا حق ادا کر دیا گیا ہے اور اسی شعر کو سن کر آپؐ نے کعب کو اپنی چادر مرحمت فرمائی تھی۔ اسی لیے اس قصیدے کو قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے۔ دوسرے عربی نعتیہ قصیدے کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے۔ وہ ابوصیری کے قصیدۂ بردہ کی ہے۔ اس میں ۲۷ اشعار کی تشبیب میں عشقیہ اور ناصحانہ مضامین ہیں۔ گریز کے شعر سے پہلے تک ان اشعار میں نعتیہ پہلو دکھائی نہیں دیتا۔ ان مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ قصیدے میں تشبیب کے اشعار مدح سے ہٹ کر علاحدہ مضامین کے حامل ہوتے ہیں۔ گریز کا شعر ان دونوں میں ربط قائم کرتا ہے۔ محسنؔ کے قصیدے میں اسی روایت کو اپنایا گیا ہے اس لیے تشبیب میں نعت کا عنصر نہیں ملتا۔ اس نعتیہ قصیدے کا ۲۰واں شعر گریز کا ہے ؎

ملا ہے لب کو جس کے وصف سے گنجینۂ معنی
زباں نے رتبہ پایا ہے کلیدِ قفل ابجد کا

معشوق کے اتنے سارے اوصاف گنانے کے بعد بھی شاعر کا یہ کہنا بڑا معنی خیز لگتا ہے کہ "ہم کو حق نے منہ نہیں بخشا خوشامد کا، اس لیے صفر دہنی کی وجہ سے ہم معذور ہیں لیکن اوصافِ رسولؐ جب

شاعر کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں اور اس کی کلیدِ زبان سے قفل ابجد کھل جاتا ہے تو اس کے لبوں کو گنجینۂ معنی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کی توضیح امیرؔ نے اپنے مخمس میں یوں کی ہے ؎

وہ احمد جس کے پرتو سے ہے دل آئینۂ معنی
ثنا سے جس کی صندوقِ جواہر سینۂ معنی
مرصع دستِ کاتب میں پڑی دستینۂ معنی
ملا ہے لب کو جس کے وصف سے گنجینۂ معنی
زباں نے رتبہ پایا ہے کلیدِ قفل ابجد کا

یعنی اب مدحت رسولؐ لکھنے کے لیے نور احمدؐ سے دل آئینۂ معنی بن گیا ہے تو سینۂ صندوق سے جواہرِ ثنا اور لبوں سے معنیٔ وصف رسولؐ کا گنجینہ حاصل کرنے کے لیے زبان کلیدۂ قفل ابجد بن گئی ہے۔ یہ بڑا رتبہ زبان کو ثنا و مدحت رسولؐ کی بدولت حاصل ہوا ہے۔ گریز کے اس شعر کے بعد مدح رسولؐ کی ابتداء ہوتی ہے۔ محسنؔ ثنائے رسولؐ میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

بچھا کر فرشِ اطلس کو جما کر عرش و کرسی کو
ازل سے انتظار اللہ کو تھا اس کی آمد کا

محسنؔ کا یہ شعر عقیدے اور عقیدت دونوں لحاظ سے گرفت کی زد میں آ سکتا ہے۔ لیکن اس شعر کی معنوی شدت کو امیرؔ مینائی نے اپنے مخمس میں کم کر دیا ہے۔ سلیم شہزاد نے اپنی ایک مضمون، ''کلامِ محسن کاکوروی ایک تنقیدی مطالعہ'' مطبوعہ نعت رنگ کراچی شمارہ ۲۷ میں مذکورہ شعر پر سخت تنقید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: (اس شعر کا) دوسرا مصرع عقیدے اور عقیدت دونوں کی رو سے بے محل نظر آتا ہے۔ ''ازل'' زمانے کی ایک حد کا تصور ہے، جسے شاعر نے اللہ تعالیٰ سے ہم رشتہ فرض کر کے اللہ کے لیے ''ازل'' کی پابندی متعین کر دی ہے۔ گویا مخلوقات کی طرح اللہ بھی ازل اور (ابد) کی حدود میں قید ہے (معاذ اللہ) اور کسی عاشق کی طرح اپنے معشوق کی آمد کے انتظار میں ہے۔ جب کسی کا انتظار کیا جاتا ہے تو منتظر کے لیے ایک ایسے مقام کا تعین یقینی فرض کر لیا جاتا ہے جو انتظار کرنے والے کے مقام سے الگ / دور / کہیں اور واقع ہے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اس کا (یعنی معشوق / رسولؐ کا) انتظار کر رہا تھا تو ''وہ'' کہاں تھا۔'' (ص۔ ۲۵۰). دراصل ''ازل'' زمانے کی حد کا تصور نہیں ہے بلکہ اس کے معنی ''جس کا شروع نہ ہو'، **without bignning,** یا **eternity** ہوتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جسے سائنس کی زبان میں **uncertainity** کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ جس کی رو سے اللہ کی ذات کو ایک جگہ متعین نہیں کیا

جاسکتا۔اس زمانے میں ذات واحد کے علاوہ کچھ نہ تھا۔نہ خلائے بسیط،نہ بحر و بر نہ ہوا نہ پانی،نہ شمس وقمر ،نہ سیارے نہ ستارے نہ زمیں نہ آسماں نہ زماں نہ مکاں،نہ زمانِ مکانی نہ زمانِ حقیقی۔بس اللہ رب العزت کی تنہائی تنہائی۔سائنس کی زبان میں اسے loneliness یا singularity کہا جاتا ہے۔ہم اس وقت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔سہولت کے لیے اسے ''ازل'' کہہ دیتے ہیں،یعنی جس کی ابتدا نہ ہو۔روایت یوں بھی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تنہائی کو دور کرنے کے لیے لفظ 'کن' سے اس کائنات کو وجود بخشا۔سائنس اسے انفجار اکبر یا عظیم دھماکے سے تعبیر کرتی ہے۔کائنات کی تخلیق کا مقصد لو لاك لما خلقت الافلاك''میں مضمر بتایا جاتا ہے۔یعنی اگر حضورؐ کو پیدا کرنا مقصد نہ ہوتا تو یہ کائنات وجود میں نہ لائی جاتی۔عرش و کرسی کو سجایا نہ جاتا۔جنت میں فرشتوں کی مجلسیں اور حور غلماں محفلیں برپا نہ ہوتیں۔نہ زمین پر ہوائیں چلتیں نہ سمندروں میں جزر و مد اٹھکیلیاں کرتے۔زمین پر نہ آدم نہ آدم زاد ہوتے۔قدرت کی یہ ساری کرشمہ سازیاں محض اللہ کے رسولؐ کے طفیل رونما ہوئیں۔امیرؔ مینائی نے اپنے تضمینی مخمس میں ان ہی خیالات کو پیش کیا ہے ؎

بٹھا کر صف بہ صف چاروں طرف انبوہِ قدسی کو
چراغاں کے عوض چمکا کے انوارِ تجلی کو
بنا کر آئینہ فردوس کی ہر ایک کیاری کو
بچھا کر فرشِ اطلس کو جما کر عرش و کرسی کو
ازل سے انتظار اللہ کو تھا جس کی آمد کا

امیرؔ کی یہ تضمین گویا لفظ 'کن' اور لو لاك لما خلقت الافلاك کی تصوراتی تاریخ پیش کر دیتی ہے۔شاعر اور تضمین نگار نے البتہ اللہ تعالیٰ کی 'قدرتِ کن' کو انسانی اوصاف پر منطبق کر دیا ہے جو محل نظر ہے۔جبکہ خالق کی صفات مخلوق کی اوصاف کے مماثل نہیں ہوسکتیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حسنِ لاثانی کے تذکرے مختلف انداز میں کیے گئے ہیں۔خود احادیث میں بھی اس نوع کے مضامین مل جاتے ہیں۔ایک ضعیف روایت میں یہ بات ملتی ہے کہ آنحضرت کا حسن حضرت یوسفؑ کے حسن سے دوبالا تھا یا آپؐ کے حسن کا ایک حصہ ہی حضرت یوسفؑ کو ملا تھا۔حسنِ یوسف کے یہ چرچے البتہ حضورؐ کی آمد کے بعد صرف مصر و کنعان ہی تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔محسن نے اس خیال کو جس نعتیہ شعر میں باندھا ہے اس پر کی گئی امیرؔ مینائی کی تضمیننے مذکورہ خیال کو واضح کر دیا ہے ؎

خضرؑ تعلیم پائے رہبری جس کی دبستاں میں

سلامت نوحؑ جس کی جوشش الفت سے طوفاں میں
گدا ادریسؑ جس کے کوچۂ چاکِ گریباں میں
قدم آنے سے جس کے مصر شہرستان امکاں میں
ہوا ہے یوسفِ کنعاں لقب حسنِ مقید کا

امیرؔ مینائی، محسنؔ کے مذکورہ شعر سے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ آپؐ امام الانبیاء ہیں اور دیگر انبیاءؑ کو جو قدر و منزلت حاصل ہوئی ہے، اس کا سبب آپ کی ذات ہے۔ پس شہر مصر میں جو حسنِ یوسف کے چرچے رہے وہ بھی آپؐ کی آمد ہی کا نتیجہ ہے۔

حشر کے دن آپؐ امت کے گنہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے یہ عقیدہ امت کے دلوں میں اس قدر رچ بس گیا ہے کہ گناہ کر کے بھی مطمئن رہتے ہیں اس امید پر کہ حضرت محمدؐ شفاعت کر دیں گے اور ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا۔ محسنؔ نے گنہ کر کے مطمئن رہنے کے عمل کو 'خواب غفلت' کہا ہے اور حضورؐ کی شفاعت کو تکیہ گاہِ مغفرت سے تعبیر کیا ہے۔ امیرؔ نے اپنے مخمس میں اس شعر کی معنوی پیچیدگی کو حل کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: خواب میں آپؐ کے دیدار کی خاطر آپؐ کے شیدائی آنکھیں بچھائے رہتے ہیں کیونکہ آپؐ کی شفاعت ہمارے گناہوں پر پردہ ڈالنے والی ہے۔ حشر کے دن امت کے ساتھ کی جانے والی حضور کی حمایت/شفاعت پر امت کے گنہ گاروں کو تکیہ (بھروسہ) ہے اور گناہوں سے امت کی غفلت محشر میں حضورؐ کی مسند شفاعت کا مخملی غلاف ثابت ہوگی۔ یعنی آپؐ امت کی شفاعت کریں گے۔

فروغ اس سے شریعت کا ہے زیبایش حقیقت کی
وہ ہے رنگِ رخِ ناسوت شمع بزم لاہوتی
وہی ہے رونقِ ظاہر وہی ہے زینتِ مخفی
بیاضِ عارضِ صورت سوادِ گیسوے معنی
جواہر سرمہ چشمِ گردشِ چرخِ زبرجد کا

محسنؔ نے اپنے نعتیہ شعر میں آپؐ کو عارض صورت کی بیاض، گیسوے معنی کی سیاہی اور چشمِ گردشِ چرخ کے کحل الجواہر کہا ہے۔ شعر میں سفید کالا اور سبز رنگ کا ذکر ہے اور ان رنگوں کی نسبت بالترتیب بیاض عارض (سفید)، گیسوے معنی اور سرمہ (سواد/سیاہی) نیز آسمان سے دی گئی ہے۔ بیاض و معنی اور سواد/سیاہی میں بھی نسبت ہے۔ اس کے علاوہ بیاض اور سواد میں صنعتِ تضاد کا بھی استعمال ہوا ہے۔ امیرؔ نے آپؐ سے نسبت دی ہوئیں مذکورہ بالا تشبیہات و استعارات اور زیادہ وسیع تناظر میں پیش کی

ہیں۔ وہ آپؐ کو حق کی زیبائش، شریعت کو فروغ دینے والا، ناسوت (عالم اجسام) کے چہرے کا رنگ اور عالم ذات الٰہی (لاہوت) کی بزم کی شمع کہتے ہیں نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ آپؐ ظاہر و باطن کی زینت و رونق ہیں۔ آپؐ ہی کی ذات، بابرکات نے لائی ہوئی شریعت پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے آدمی کا باطن مجلّا اور ظاہر مزکیٰ و مصفیٰ ہوا ہے۔ امیرؔ مینائی نے اس مخمس میں تصوف کے نکات نعت کے تناظر میں پیش کر دیئے ہیں۔ یہاں ایک ترکیب ''زیبائشِ حقیقت'' استعمال ہوئی ہے۔ صوفیوں کے یہاں سلوک کی ایک منزل کا نام حقیقت ہے جہاں پہنچ کر سالک 'کیا ہے یہ' پر غور کرتا ہے۔ اس منزل کی زیبائش آپؐ کی ذات ہے جو سالک کو ہر شے کی ماہیت سے باخبر کر دینے والی ہے۔

محسن کے ابیات نعت کا ایک شعر ہے ؎

جلائے کن فکاں روشن گرِ آئینۂ عالم
سعادت ہے شرف ہے نیّرِ نورِ مجرد کا

اس میں 'جلائے کن فکاں' کی ترکیب پر اعتراض کیا جا سکتا ہے کیونکہ جلا آئینے کے صیقل کرنے کو کہتے ہیں۔ کن فکاں، کن فیکون کی مخفف ترکیب ہے جو امریہ و خبریہ فقروں سے مل کر بنی ہے۔ جس کے معنی ہوتے ہیں ''ہو جا، پس وہ ہو گیا/ گئی۔ اس کا اشارہ تخلیق کائنات کی طرف ہے۔ شعر میں جلائے کن فکاں، روشن گر آئینۂ عالم اور نیر نور مجرد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کہا گیا ہے۔ ان معنوں میں شعر کا مطلب ہوگا کہ نیر نور مجرد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ سعادت اور شرف حاصل ہے کہ آپؐ وجود کائنات کو جلا بخشنے اور روشنی پہنچانے والے ہیں۔ امیرؔ مینائی کو شعر میں پائی جانے والی 'جلائے کن فکاں' کا احساس ہو گیا تھا، اس لیے انھوں نے اپنی تضمین میں اسے درست کر دیا۔ وہ کہتے ہیں ؎

عجب صورت سے چمکا اخترِ آئینۂ عالم
صفا پاتا ہے اس سے جوہرِ آئینۂ عالم
ہوئی خاکِ قدم خاکسترِ آئینۂ عالم
جلائے کن فکاں روشن گرِ آئینۂ عالم
سعادت ہے شرف ہے نیّر نور مجرد کا

محسنؔ کے شعر اور اس تضمین میں آپؐ کی صفت نور کی مختلف انداز میں توضیح ہوئی ہے۔ محسن نے جہاں آپؐ کو نیر کہا ہے وہاں امیرؔ نے آپؐ کو اختر کہا ہے امیر نے یہ بھی کہا ہے کہ آپؐ کی ذات کے نور سے آئینۂ عالم ایسا صاف ہوا کہ اس میں چمک پیدا ہو گئی اور آپؐ کے قدموں کی خاک سے آئینۂ عالم

تابناک ہوگیا۔ محسنؔ کی ابیات نعت کا یہ شعر ؎

مے انگوری الفقر فخری کی حلال اس نے
لڑا ہے جام جم سے سنگِ مقصود اس کے مقصد کا

''الفقر فخری''، قول رسولؐ ہے جس کے معنی ہیں، 'مجھے اپنے افلاس (فقر) پر ناز (فخر) ہے'۔ عربی قاعدے سے اس کے معنی ہوں گے، 'فقر میرا فخر ہے۔ اس قول کی اور زیادہ وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ فقیری میں مجھے شہنشاہی یعنی شان وشوکت حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ فقیری اور دولت مندی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک خیر کا جو یا ہے تو دوسرا شر کا ملجا۔ شاعر نے اس قولِ رسولؐ 'الفقر فخری' کو مے انگوری کہا ہے۔ وہ اس لیے بھی کہ انگور کی ایک قسم سے بننے والی شراب فخری کہلاتی ہے۔ اگرچہ اس طرح لفظوں پر رم کرنا قول رسول کی توہین کے مترادف ہے لیکن لکھنوی شاعری میں صنعت لفظی کے بے انتہا استعمال سے ہونے والی لفظوں کی پامالی کا دانستہ خیال نہیں رکھا جاتا اور وہ عیب، ہنر بن جاتا ہے۔ محسنؔ نے اسی لکھنوی شعری تہذیب کی پیروی کی ہے۔ امیرؔ نے البتہ اپنے مخمس میں ان توہین آمیز لفظیات سے کلی طور پر اجتناب برتا ہے ؎

گرادی قیمتِ جامِ شرابِ پرتگال اس نے
جدا کی ساغرِ افلاس سے دُردِ ملال اس نے
نکالا اپنے مستوں کے لیے گدڑی سے لال اس نے
مے انگورِ الفقر فخری کی حلال اس نے
لڑا ہے جامِ جم سے سنگ مقصود اس کے مقصد کا

امیرؔ مینائی کہتے ہیں کہ آپؐ نے جامِ مے الفقر فخری کو حلال (جائز) قرار دے کر حرام پرتگالی شراب کی قیمت گرادی۔ آپؐ نے غربت وافلاس کے ملال کو الفقر فخری کہہ کر ایسا صاف کردیا جیسے جام شراب سے تلچھٹ صاف کی جاتی ہے۔ آپؐ نے جام جمشید کی (پرتگالی شاہی) شراب کی حرمت کی خاطر مے الفقر فخری کی حلت کو روا رکھا۔ یہ نسخہ آپؐ کی امتیوں کے لیے گویا گدڑی کا لال ہی ہے۔ یہ اس واقعے کی طرف اشارہ بھی ہے جب شراب کی حرمت والی آیت نازل ہوئی تو آپؐ کے حکم سے آپؐ کے جاں نثاروں نے قیمتی شراب کے مٹکے لڑھکا دیئے تھے اور مکے کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہنے لگی تھی۔ گویا حرمت شراب کے پتھر جیسے سخت حکم نے قیمتی شراب کے جاموں کو چور چور کردیا۔

محسنؔ کے وہ اشعار جن میں کمان اور کمانداری کا ذکر ہے ان میں صرف عقیدت میں غلو کی خاطر

لفظوں کے کرتب دکھائے گئے ہیں۔مثلاً کماندارِ نبوت کی زد میں قاب قوسین کا آنا یا قادر انداز ازل کے زور سے کمان 'ح' سے چلے کا اتر جانا یعنی احمد کا معاذ اللہ احد ہو جانا وغیرہ۔امیرؔ مینائی نے اپنے مخمسوں میں مذکورۂ بالا معنوی کمزوریوں کو دور کر دیا ہے۔مثلاً وہ کہتے ہیں ؎

بہت اونچے گئے موسیٰ تو کوہِ طور تک پہنچے
بڑا پلہ کیا عیسیٰ نے کھنچے چرخ پر چلے
نشانے دونوں تھے اس کے نشانے سے کہیں نیچے
ہدف ہو ہو گیا زورِ کماندارِ نبوت سے
مقامِ قاب قوسین اکثر ادنیٰ تیر مقصد کا

محسنؔ نے صاحبِ معراج رسول اللہ کو کماندار نبوت کہا ہے اور آپؐ کی کمان کی زد میں قابِ قوسین معمولی ہدف ثابت ہونے کا ذکر کیا ہے۔مگر امیرؔ نے اس کی وضاحت دوسرے انداز میں کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ یہ وہ مقام (قابِ قوسین) ہے جہاں تک نہ موسیٰ پہنچ پائے اور نہ ہی عیسیٰ جبکہ رسولؐ کے لیے یہ مقام، مقام لاہوت بن گیا تھا۔محسنؔ کے شعر میں صرف لفظی خوبیاں ہیں، یہ معنوی خوبیوں سے عاری ہے۔امیرؔ نے البتہ اپنے مخمس کے سہارے اس میں معنوی حسن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

محسنؔ کا درج ذیل شعر بھی الفاظ کا گورکھ دھندا تھا امیر مینائی نے تضمین کے ذریعہ اس میں رنگ و روغن بھرنے کی سعی فرمائی ہے۔محسنؔ کہتے ہیں ؎

کشش جب قادر انداز ازل کے زور دکھلائے
کمانِ حا سے چلہ کیوں نہ اترے میم احمد کا

اس شعر کے مصرع ثانی میں علم الاعداد کا کرتب دکھایا گیا ہے۔اس کے لیے 'کمانِ ح'، چلہ اور میم احمد کی تراکیب کا سہارا لیا گیا ہے۔کمان اور چلہ میں نسبت ہے۔چلہ بحر کمان یعنی اس تانت کو کہتے ہیں جسے کمان کے دونوں سروں پر باندھا جاتا ہے اور اس کے سہارے تیر پھینکا جاتا ہے۔چلے کے دوسرے معنی چالیس بھی ہوتے ہیں اور علم ابجد کے مطابق یہ میم کی قیمت ہے۔کمان کی شکل حرف 'ح' کی سے ہوتی ہے۔شاعر نے اس کمانِ 'ح' سے مراد 'احمد' لی ہے۔اس کمان سے چلہ یعنی چالیس عدد میم کے نکال لیں تو احمد، احد میں تبدیل ہو جائے گا۔شاعر یہ بھی کہہ رہا ہے کہ قادر انداز ازل یعنی رسول اکرمؐ کے زور کشش کی وجہ سے کمان حا سے یہ چلہ اترا ہے۔(نعوذ باللہ) اس مصرع میں شاعر کا نعت گوئی کے لیے پاک تخیل اوہام کی حدود کو چھو گیا ہے۔خیر! امیر مینائی نے البتہ محسنؔ کے خیال کو تھوڑا موڑ دیا ہے ؎

ہدف ایسا مقابل شست ناوک کے اگر پائے = کماں رکھ دے کماندار آپ کھنچ کر تا ہدف جائے
تعجب کیا کہ احمد بڑھتے بڑھتے تا احد آئے = کشش جب قادر انداز ازل کے زور دکھلائے
کمانِ حا سے چلہ کیوں نہ اترے میم احمد کا

امیرؔ مینائی کہہ رہے ہیں کہ کمان دار (رسول اللہ) کے سامنے ایسا ہدف (قاب قوسین) ہے کہ تیر نہیں بلکہ خود کماندار اس ہدف تک پہنچتا ہے اور یہ کشش اتنی بڑھتی ہے کہ احمد خود احد تک پہنچ جاتا ہے ۔محسنؔ کے شعر کے بالمقابل امیر کی تضمین کے اشعار زیادہ قرین قیاس ہیں ۔ان میں مضمون آفرینی کے ساتھ معنی آفرینی پائی جاتی ہے اور حا سے چلہ اتروانے کے خیال کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے مگر خیال آفرینی نہ محسن کے یہاں ہے اور نہ ہی امیرؔ کے یہاں ۔محسن نے ایسے کئی معمے ابیات نعت میں قلم بند کئے ہیں اور امیرؔ بلا دریغ ان کی وضاحت کرتے چلے گئے ۔محسنؔ کے ''کھنچی ہے رحمت یزداں کی گویا شکل مستقبل اور سرِ تا کید منظور خدا ہے لام کا کل سے''، مصارع والے دونوں اشعار سے بھی ''لیرحمٰن'' کا معما حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔اور امیر نے ان اشعار کی جو وضاحت کی ہے وہ بھی کسی معمے سے کم نہیں ۔ظاہر ہے کہ ایسے اشعار کوئی تاثر قائم نہیں کر سکتے اور نعت گوئی جیسے تقدیسی شاعری میں تو یہ معمے بے اثر وغیر دلچسپ ہو جاتے ہیں ۔شاعر نے احمد با میم اور احد بے میم کی بحث میں اکثر جگہ اپنے قارئین کو الجھائے رکھا ہے ایسے مقامات پر امیرؔ مینائی بھی بے دست و پا دکھائی دیتے ہیں ۔مثلاً ؎

دوئی بھی عین وحدت ہے محمّد نص ناطق کا
مفسر ہے یہ جملہ آیۂ میمِ مشدّد کا

محسنؔ کے اس شعر پر امیرؔ کی تضمین ملاحظہ ہو ؎

احد احمد ہے ایک ان دونوں کا مضموں مطابق ہے
ہر ایک ان میں سے ہے معشوق ہر ایک ان میں عاشق ہے
نہیں مطلق دوئی کو دخل یہ دعوائے صادق ہے
دوئی بھی عین وحدت ہے محمدّ نص ناطق ہے
مفسّر ہے یہ جملہ آیۂ میم محمّد کا

لفظ محمد کے میم مشدد کی وجہ سے دوئی کو وحدت سمجھ لینا قواعد کی رو سے غلط ہے کیونکہ حرف مشدد میں تلفظ میں شدت پیدا کی جاتی ہے تکرار نہیں ۔تشدید کے معنی بھی شدت یا سختیکے ہوتے ہیں ۔علم الصوت یا صوتیات کے مطابق بھی مشدد لفظ کی آواز یا اس کے تلفظ میں تکرار نہیں ہوتی بلکہ مشدد مصمتے کے درمیان کا

مصوتہ غیر مسموع ہو جاتا ہے۔ سنسکرت اور ہندی رسم الخط کے ذریعہ اس اصول کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے ۔بالفرض اگر محسنؔ اور امیر مینائی کی دلیلوں کو مان بھی لیا جائے کہ دوئی عین وحدت ہے اور محمد کا میم اس کے لیے نص ناطق ہے تو اس لفظ کے غیر مشدد ہو جانے سے تو احد نہیں بنتا۔ لفظ احد تو احمد کے میم کو ہٹانے سے بنتا محمد کے مشدد کرنے سے نہیں ۔اس قواعدی نظام کو صوفیوں سے جوڑ کر خلط مبحث قائم کیا جاتا رہا ہے ۔درج بالا مخمس کے پہلے مصرع میں سکتہ آ گیا ہے شاید کتابت کی غلطی سے یہ سقم در آیا ہو۔

اس قصیدے میں محسنؔ نے علم الاعداد کی کرتب بازیاں خوب دکھائی ہیں اور امیر بھی ان کی ہم نوائی میں رطب اللسان رہے ہیں ۔اس علم کی ایجاد اور فروغ اگرچہ عرب میں ہوئی ، لیکن اسلام میں اس کے تقدس کی کوئی علت نہیں نہ نصوص واحادیث نے اس کے تقدس کی تائید کی ہے ، پھر بھی صوفیائے کرام کے یہاں ان اعداد کو حروف مقطعات کی طرح برتنے کی مثالیں پائی جاتی ہیں ۔اس ضمن میں محسن کے یہ دو اشعار اور ان پر امیرؔ مینائی کی تضمین ملاحظہ ہو۔

ملا نونِ نبوت سب کو میمِ عمر کھونے پر
یہاں گھٹ جانے میں اس کے احد ہوتا ہے احمد کا
ہوا رتبے میں افزوں قاف ِقلت کاف ِ کثرت سے
معما پا گئی چشمِ تامل صاد سے صد کا

امیرؔ مینائی نے ان دونوں اشعار پر گرہِ ضمیں یوں لگائی ہے۔

نبی ذی رتبہ سب ہیں آپؐ لیکن سب سے ہیں برتر
یہ برہاں اپنے دعوے پر ہے کافی اے خرد پرور
صفی اللہ سے روح اللہ تک جتنے ہیں پیغمبر
ملا نونِ نبوت سب کو میمِ عمر کھونے پر
یہاں گھٹ جانے میں اس کے احد ہوتا ہے احمد کا

اس تضمین میں حضرت آدم صفی اللہ سے عیسیٰ روح اللہ تک جتنے پیغمبر روئے زمین پر تشریف لائے ،ان تمام میں نبیِ پاک علیہ السلام کی برتری اور افضلیت ثابت کرنے کے لیے علم الاعداد کا سہارا لیا گیا ہے ۔جو قطعی طور پر صحیح دلیل نہیں بن سکتی۔ اس پر طرفہ یہ کہ یہ دلیل سورۂ بقرہ کی آیت سے ٹکراتی ہے جس میں لا نفرق بین احد من رسلہ کہا گیا ہے کہ رسولوں میں سے ہم کسی میں تفریق نہیں کرتے۔ پھر یہ برتری اور کمتری کیسی؟ امیرؔ نے اپنے دعوے پر برہان علم الاعداد کو بنایا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تمام

انبیاء عمر کے چالیس برس گزرنے رگھٹنے کے بعد ہی نبوت سے سرفراز ہوئے۔ یہاں میم سے مراد میم کے ۴۰ عدد ہیں اور 'ن' سے مراد نبوت کا نون ہے۔ شاعر یہاں سیدھے الفاظ میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عمر کے ۴۰ برس گھٹے تو انبیاء نبوت جیسی برتری کے حق دار ہوئے لیکن آپؐ یعنی احمد کے میم کے ۴۰ عدد گھٹ جاتے ہیں تو معاذ اللہ آپؐ رتبے میں احد ہو جاتے ہیں۔ یہ عقیدہ تو اسلام کے عین منافی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ دونوں شعراء نے عقیدۂ اسلامیہ کو بالائے طاق رکھ کر صرف علم الاعداد کے کرتب دکھانے کی کوشش کی ہے۔ دونوں کی کلیات میں اعداد و حروفِ تہجی کو برتنے کی بہوتیری مثالیں مل جاتی ہیں۔ اب محسن کے دوسرے شعر پر امیرؔ مینائی کی تضمین دیکھیے؛ اس میں بھی علم الاعداد کا سہارا لیا گیا ہے ؂

گھٹے اعداد میمِ احمدی جب عمرِ حضرتؐ سے
نبی تو آپؐ تھے ہی بڑھ گیا پایہ نبوت سے
ہوئے ہم نامِ باری بخت چمکا نورِ وحدت سے
ہوا رتبہ میں افزوں قاف قلت کافِ کثرت سے
معما پا گئی چشمِ تامل صاد سے صد کا

امیرؔ مینائی نے اس تضمین میں بھی علم الاعداد کا بکھیڑا کھڑا کر دیا ہے۔ احمد کی میم کے ۴۰ عدد گھٹنے سے 'احمد'، ''احد'' میں تبدیل ہو گیا ہے تو آپؐ کے رتبۂ نبوت میں اضافہ ہو گیا۔ اس ریاضی منطق سے امیرؔ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اللہ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ اگر یہ ریاضی کی کرشمہ سازی کا اظہار ہے تو بھی ایمان پر حرف آتا ہے۔ یہ معما بازی نہ شعر کو حسن بخشتی ہے اور نہ ایمان کی حفاظت میں معین۔ عشقِ رسولؐ کے لیے بھی اس قسم کے یقین سے کوئی سند حاصل نہیں ہوتی۔ اللہ کے رسولؐ کا ہم نامِ باری ہو جانا یہ صرف شاعر کی فکر کا کمال ہے اس میں کوئی معما نہیں ریاضی کے اصولوں سے یہ سب کچھ ہو جاتا ہے۔ اس ریاضی کلیے سے شانِ نبوت میں بڑھ جانے کی سند لینا شریعت میں کس قدر ممکن ہے؟

امیرؔ مینائی کی درج ذیل تضمین میں ''حقیقتِ محمدی'' کی فلسفیانہ بحث ملتی ہے۔

جو پہونچا موجزن ہو کر تجلی گاہِ یزداں میں
بھرے سب قدسیوں نے گوہرِ مقصود داماں میں
سراپا دونوں عالم غرق ہیں اس بحرِ عرفاں میں
چڑھا قافِ قدم تک اور اترا کانِ امکاں میں
ہے شور اس قلزمِ معجز نما کے جزر کا مدکا

اس تضمین میں مدو جزر، موجزن، گوہر، غرق، بحر اور قلزم تمام جغرافیائی لفظیات ہیں۔ مولف نے حاشیے میں ''قِدم'' اور ''عالم امکاں'' کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ (دونوں) دریائے ''حقیقتِ محمدی'' کے جزر و مد ہیں۔ سلیم شہزاد نے یہ کہتے ہوئے بات ختم کردی کہ ''(یہ) حقیقت الٰہی اور حقیقت رسول کو فلسفے کی سطحوں تک لے جاتے ہیں، اسلام جن کا متحمل نہیں۔'' (نعت رنگ شمارہ ۲۷۔ص ۲۵۴)

سمندر رقلزم کے پانی کے چڑھنے اور اترنے کی جغرافیائی اصطلاح مدّو جزر کہلاتی ہے۔ امیرؔ نے تضمین میں بحر عرفان میں آپؐ کی غوطہ زنی کا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ گویا واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے۔ اس بحر تجلیات میں اٹھنے والے مدو جزر سے قاف قدِم اور کانِ امکان دونوں عالم غرق ہو جاتے ہی۔

قاف قدم اور کان امکان کی وضاحت کے لیے ''حقیقت محمدی'' کا سمجھنا ضروری ہے۔ دراصل محمد رسول اللہ کے ساتھ وصف نور کا تصور کافی قدیم ہے۔ امام غزالی کی کتاب ''مشکٰوۃ الانوار'' میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ حدیث رسولؐ ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا اور پھر اسی نور سے ساری مخلوقات پیدا کیں۔ محی الدین ابن العربی کہتے ہیں کہ ''حقیقتِ محمدی کا تخیل کائنات کا تخلیقی، احیائی اور عقلی اصول ہے۔ وہ حقیقت الحقائق ہے، جس کا ظہور ''انسان کامل'' میں ہوتا ہے۔ کامل انسان ہو ہے جس میں عالمِ کبیر کی جملہ صفات کا اجتماع ہو۔'' (بحولہ: نگار خدا نمبر، لکھنؤ جنوری فروری ۱۹۵۶ء ص ۱۳۳) صوفیاء کے نزدیک ساری کائنات دو حصوں میں منقسم ہے، عالم امر اور عالم خلق۔ یہ بالترتیب عالم قدم اور عالمِ امکان کہلاتے ہیں۔ صوفیاء انھیں قلزمِ حقیقت محمدی کے جزر و مد سے تعبیر کرتے ہیں۔ صوفیاء کے یہاں یہ بھی خیال پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ روشنی اور تاریکی کے ۷۰ ہزار حجابات میں مخفی ہے۔ وصال کی آرزومند روح سات منازل سے گزرتی ہے۔ جب روح آخری منزل کو پہنچتی ہے تو سارے حجابات دور ہو جاتے ہیں اور طالب مطلوب کے روبرو ہوتا ہے۔ یہ سات منازل: عبودیت، عشق، زہد، معرفت، وجد، حقیقت اور وصل ہیں۔ (نگار: خدا نمبر ص ۱۳۳) حضرت محمدؐ کی ذات بابرکات ک وجہ سے اس قلزم معجز نما (کائنات) میں جزر و مد جاری رہتے ہیں۔ یعنی کائنات کی تشکیل وتخریب جاری رہتی ہے۔ درج بالا نکات کے سہارے ہم اشعار کی تشریح مختصراً یوں بیان کر سکتے ہیں کائنات میں یہ شور ہنگامہ ہے محض آپؐ کی تخلیق کا نتیجہ ہے اگر آپ کو پیدا کرنا مقصد نہ ہوتا تو یہ کائنات وجود ہی میں نہ لائی جاتی۔ اس کے بعد کے چند اشعار میں محسنؔ وامیرؔ مینائی کے یہاں نہ کوئی ندرت خیال ہے اور نہ تاریخی حقائق کی پاس داری۔ ہاں! عقیدت میں غلو برتنے کا اہتمام پایا جاتا ہے۔ بعض جگہ مادی حقیقتوں کو شعری اوہام کی شکل دے دی گئی ہے۔ مثلاً ؎

عداوت ہو گئی تاثیر خلق عام سے الفت
سبب ہے شعلہ سیلِ آب شمشیرِ مہند کا

محسن کے اس پر امیرؔ کی تضمین کچھ اس طرح ہے ۔

عدو پر بھی عجب انداز سے کرتا ہے وہ شفقت
عداوت بھول جاتا تھا نظر آتی تھی جب صورت
یہاں تک پھیلی اس کے گلشنِ اخلاق کی نکہت
عداوت ہوگئی تاثیر خلقِ عام سے الفت
سبب ہے شعلہ سیلِ آب شمشیرِ مہند کا

شمشیر (تلوار) یا کسی بھی دھار دار ہتھیار کی باڑھ کو مضبوط بنانے کے لیے لوہار اس ہتھیار کو آگ میں ایسا تپاتا ہے کہ وہ شعلہ نما دکھائی دینے لگتا ہے پھر فوراً اسے پانی میں ڈبو دیتا ہے اس عمل کو باڑھ کو پانی دینا کہتے ہیں ۔اس سے ہتھیار کی دھار سخت ہو جاتی ہے اور وہ آسانی سے کند نہیں ہوتی ۔آگ اور پانی کا لوہے پر ہونے والا یہ کیمیائی عمل ہے اور سائنسی حقیقت ہے ۔دونوں شعراء نے البتہ اس سائنسی حقیقت کو حضورؐ کے اخلاق سے جوڑنے کی کوشش کی ہے ۔آگ اور پانی ایک دوسرے کی ضد طبعی اشیاء ہیں ،البتہ فولادی ہتھیار کو مضبوط بنانے کے لیے دونوں ایک ہو جاتی ہیں ۔شاعر نے شمشیر مہند (ہندوستانی تلوار) کہہ کر مصرع میں تلمیح کا استعمال کیا ہے ۔خود اللہ کے رسولؐ شمشیر مہند پسند فرماتے تھے ۔اس کے علاوہ ان اشعار میں کوئی خوبی نہیں ۔

طبعی اعتبار سے ضدین اشیاء پر کیمیائی اثر سے ان کے درمیان پایا جانے والا مختلف فیہ وصف ختم ہو جاتا ہے ۔اوپر آگ اور پانی کی مثال دی گئی ہے ۔ان طبعی مختلف فیہ اوصاف کو شاعر عداوت سے تعبیر کرتا ہے ۔اس کا یہ بھی ماننا ہے کہ آپؐ کی آمد سے اس قسم کی عداوت الفت میں تبدیل ہوگئی تھی ۔ذیل کی تضمین اور محسنؔ کے شعر میں ناگن اور زمرد کی مثال دی گئی ہے ۔اگر چہ کہ اس قیاس آرائی اور مجہول روایت سے نعت کا کوئی تعلق نہیں ۔شاعر نے نبیؐ کے اخلاق کے اثرات انسانوں ہی پر نہیں مادی اشیاء پر ہونے کی تصدیق کرنے کے لیے کھینچ تان کر ناگ اور زمرد کی روایت نظم کردی ہے ۔ناگ (سانپ) کے متعلق یہ روایت ملتی ہے کہ زمرد کو دیکھتے ہی وہ اندھا ہو جاتا ہے گویا دونوں میں ازلی دشمنی ہے مگر آپؐ کی آمد سے یہ عداوت ختم ہوگئی ہے زمرد کا چھینٹا دینے کے بعد بھی وہ (ناگن) خواب ناز میں سوتی رہتی ہے ۔وہ آنکھ نہیں کھولتی ۔محسنؔ نے اپنے شعر میں دامنفی فقروں سے ایک مثبت خیال پیدا کرنے کی سعی

فرمائی ہے۔اردو قواعد کی رو سے دو منفی سے یک مثبت فقرہ بنتا ہے۔شاعر نے نہ کھولے آنکھ گر چھینٹا نہ دیں آبِ زمرد کا۔ یہ مصرع کہا ہے اس کا مثبت پہلو ہوگا آبِ زمرد کا چھینٹا دینے کے بعد ہی (ناگن) آنکھ کھولے گی۔جبکہ روایت کی رو سے زمرد دیکھتے ہی ناگ رناگن (سانپ) اندھا ہو جاتا ہے۔وہ پھر دیکھ نہیں سکتا، مگر اللہ کے رسولؐ کی آمد سے زمرد اور ناگ کی دشمنی رعداوت ختم ہوگئی ہے۔زمرد کو دیکھنے کے بعد بھی اب وہ اندھا نہیں ہوتا۔مولف نے اس شعر کی وضاحت کے لیے غالبؔ کا یہ شعر پیش کیا ہے ؎

سبزۂ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا
یہ زمرد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہوا

امیرؔ مینائی کی تضمین میں درج بالا تمام وضاحتیں آگئی ہیں۔ابیات نعت کا ایک شعر محسنؔ نے یوں قلم بند کیا ہے ؎

نہیں حیرت کے قابل گر کہوں میں ارّہ واصل ہے
بیاں ہے یہ لبِ تشدید سے حرفِ مشدد کا

ارّہ لکڑی کے دو ٹکڑے کر دیتا ہے یعنی وہ واصل نہیں فاصل ہے۔لیکن حرف مشدد، جس کی تشدید ارّے کی مانند ہوتی ہے وہ تو حروف کو جوڑنے کا کام کرتی ہے۔محسنؔ کے اس شعر میں کوئی ندرت نہیں ۔امیرؔ مینائی نے اس شعر پر جو تضمین کہی ہے وہ اصل مضمون سے قدرے ہٹی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

وصالِ حق سے حاصل ہے بقاءِ دائمی اس کی
یہاں ہے واصل و باقی نتیجہ ایک ہی مد کا

یہاں بقاء دائمی کی ترکیب میں صفت ''دائمی'' زائد ہے کیونکہ لفظ بقا میں دائمیت کے معنی پنہاں ہیں۔''اس کی''، اسم اشارہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے۔شاعر کا یہ کہنا کہ آپؐ کو وصال حق (واقعۂ معراج کی طرف اشارہ ہے) کی وجہ سے دوام نصیب ہوا۔شاعر کا یہ خیال قرآن کی آیت ''کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام (سورہ الرحمٰن آیت ۲۶۔۲۷) کی تائید نہیں کرتا۔اس نے تجارتی حساب کی زبان (جمع ، باقی اور مد) استعمال کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح آمد و خرط ایک ہی مد میں جمع ہوتے ہیں اسی طرح وصالِ حق سے آپؐ کو بقاء حاصل ہوا ہے۔اس تاجرانہ جمع خرچ کا نعت کے موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔امیرؔ مینائی نے آپؐ کی برتری ثابت کرنے کے لیے محسنؔ کے خیال کو مہمیز دی ہے۔ان کے مطابق آپؐ کا رتبہ تمام انبیا میں برتر ہے تو پھر آپؐ کو نبی کیسا کہا جائے؟ آپؐ تمام انبیا میں افضل ہیں اور خدا کی طرف سے آپ کو فضیلت حاصل ہوئی ہے نیز وصال حق آپؐ کو حاصل ہوا ہے۔ امیرؔ کی تضمین کے ان اشعار میں شعریت کا فقدان ہے محض سپاٹ انداز میں خبریہ جملوں کی طرح اشعار

قلم بند کردیئے گئے ہیں۔

محسنؔ کے ابیات نعت میں ان اشعار کے بعد آپؐ کی رحلت کا ذکر چار اشعار میں کیا گیا ہے۔اس کے بعد دوسرے مطلع میں روضۂ رسولؐ کے ذکر میں ۱۲ اشعار ہیں۔دونوں شعرا نے روضۂ مبارکہ کی شانِ رفعت میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔امیرؔ مینائی کہتے ہیں ؂

زمینِ روضۂ انور فلک سے ہے کہیں افضل
جواہر روزنِ دیوار چشمِ جوہرِ اول
غبارِ در سے ہے آئینہ خورشید پر صیقل
جبینِ عرش ایزد پر ہے خاکِ آستاں صندل
ہر اک ذرہ ستارہ ہے کلاہ فرقِ فرقد کا

سپہر و مہر کا دعویٰ صداقت کو کہاں پہنچا
تعلّیٰ ہی تعلّیٰ تھی جو وقتِ امتحاں پہنچا
نہ تا قندیلِ در نور چراغِ آسماں پہنچا
نہ گردوں کا غبارہ تا غبارِ کارواں پہنچا
اثر پیدا ہوا آخر زحل کے طالع بد کا

ان دونوں تضمینوں میں علم نجوم کی لفظیات استعمال کی گئی ہیں جن کی معنوی ثقالت سے ترسیل خیال میں رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے۔ہاں !البتہ اتنا ضرور ہے کہ آسمانی عوامل کو شاعر نے زمینی نسبتوں کے طابع کردیا ہے، جو ایک طرح کا انوکھا پن ہے۔امیرؔ نے اپنی تضمین میں قطب شمالی کے قریب کے ستارے 'فرقد' کا بھی ذکر کیا ہے۔علم نجوم سے متعلقہ منظومات میں اس ستارے کا ذکر شاذ ہی ہوا ہے۔امیرؔ کی درج ذیل تضمین میں بھی زمینی نسبتوں کو آسمانوں سے جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے ؂

بلا گردان ملک ہیں عالمِ ارواح کو غش ہے
زمیں پر چاندنی یا سایۂ قصرِ پری وش ہے
فلک پر شمس ہے یا شمسۂ ایوان دلکش ہے
عیاں ہے کہکشاں یا نقشِ محرابِ منقش ہے
فلک ہے یا کلس رکھا ہے چھوٹا سا زمرد کا

ان میں ملک، عالم ارواح، چاندنی، فلک، شمس اور کہکشاں وغیرہ آسمانی عوامل ہیں۔ان تمام کی نسبت

روضۂ رسولؐ سے تشبیہہ و استعارے کی مدد سے ظاہر کی گئی ہے۔ اگلی تضمین میں امیرؔ مینائی کہتے ہیں کہ آپؐ کا روضۂ مبارک مسجودِ زمین و آسماں ہے، یہ عبادت خانۂ عالم اور مطائع دو جہاں بھی ہے۔ یہ روضہ پناہ گاہِ پست و بالا اور مامنِ کون و مکاں ہے۔ یہ قدسیوں کا مرجع اور جن و انساں کی حفاظت گاہ ہے۔ یہاں جبرئیلؑ دربار ایزد سے لائے ہوئے انوار کے طبق سعادت حاصل کرنے کے لیے روزانہ لاتے ہیں اور پیامِ سلامِ حق بلا تکلف سناتے ہیں۔ شاعر یہ بھی کہتا ہے کہ اس شعر میں آمد و آورد کا مضمون پنہاں ہے۔ شاعر نے جبرئیل کی روضۂ مبارک پر آنے جانے کے عمل کو شعری اصطلاح 'آمد و آورد' سے ہم رشتہ کر دیا ہے۔ دونوں شعراء نے اس کے بعد دوبارہ آپؐ کی وصف بیانی کے لیے اپنے قلم کو موڑ دیا ہے۔ محسنؔ کہتے ہیں ؎

ہے جی میں اس زمیں کو تختۂ سروِ رواں کیجے
قیامت ایک سیدھا سا ملا ہے قافیہ قد کا

امیرؔ مینائی نے اس شعر کے مضمون کی ضمن میں جس بات کو آگے بڑھایا ہے وہ آپؐ کے قد کی وصف بیانی میں شاعر کے حسن تخیل کی اچھی مثال ہے ؎

صفات اس سرو بالا کے بہت بڑھ کر بیاں کیجے
بلند ایسے بندھیں مضموں زمیں کو آسماں کیجے
قلم کو فاختہ کے مثل سر گرمِ فغاں کیجے
ہے جی میں اس زمیں کو تختۂ سروِ رواں کیجے
قیامت ایک سیدھا سا ملا ہے قافیہ قد کا

اس تضمین میں آپؐ کے سرو قد، بلند قامتی کے بیان میں غلو برتنے کا شاعر نے اعتراف کیا ہے۔ وہ خود کہہ رہے ہیں کہ جب ''قد'' کا قافیہ ہاتھ آ گیا تو اس کی بلندی کی مطابقت رکھتے ہوئے آپؐ کے قد کا مضمون باندھا جائے۔ مگر ثنائے رسولؐ کے درمیان آہ و فغاں کا ذکر بے محل محسوس ہوتا ہے۔ یوں ہو سکتا ہے کہ غزلیہ شاعری میں فاختہ اور سرو کے رشتے کی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے امیرؔ مینائی نے نعت میں تغزل کی رنگ آمیزی کے لیے یہ وتیرہ اپنایا ہو۔ محسنؔ کے مندرجۂ بالا شعر کے بعد شاعر نے قصیدے کی صنف کا لحاظ رکھتے ہوئے گیارہ اشعار کی غزل اس میں شامل کر دی ہے اور اس کے نعتیہ اشعار میں تغزل کے عنصر کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ محسن کی اس نعتیہ غزل میں علاوہ ایک دو شعر کے باقی تمام اشعار ایک ہی قافیہ میں ہیں۔ امیرؔ مینائی نے قافیہ کے انہی اصولوں کو اپنایا ہے۔ جیسے ؎

کہیں شمس و قمر سے بڑھ کے ہے جلوہ ترے قد کا

ترے پرتو سے چمکا اخترِ تقدیر فرقد کا

دو عالم میں ہے پھیلا نور تیری ذاتِ ارشد کا

محمد مصطفیٰ پتلا ہے تو نورِ مجرد کا

ہوا خورشید اقلیمِ عدم سایہ ترے قد کا

ان اشعار میں نور اور سایہ دو متضاد الفاظ آئے ہیں۔ جو ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ نور کا تو سایہ نہیں ہوتا اس لیے اقلیم عدم کا خورشید آپؐ کا سایہ بن گیا۔ خورشید کا سایہ بن جانا نہایت پیچیدہ خیال ہے۔ شاعر نے آپؐ کے بے سایہ ہونے کی توجیہ اس طرح کی ہے کہ سورج کو عالمِ عدم سے جوڑ دیا ہے۔ شاعر نے ان اشعار میں آپؐ کے لیے ضمیر حاضر تعظیمی کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ یہاں شاعر نے ضمیر کی فاعلی حالت ''تو'' اور ضمیر کی اضافی حالت ''ترے'' کا استعمال کیا ہے جو کراہت سے خالی نہیں۔

محسنؔ نے اپنے نعتیہ شعر میں آپؐ کے گیسوؤں کو سواد تبت سے تشبیہ دی ہے۔ اس کی دو وجوہ سمجھ میں آتی ہیں ایک تو یہ کہ تبت کا علاقہ سیاہ چٹانوں سے گھرا ہوا ہے وہاں کی سیاہی کو بطور تشبیہ شاعر نے باندھا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں کا مشک آہو نہایت خوشبودار ہوتا ہے اس لیے حضورؐ کے خوشبودار گیسوؤں کو وہاں کے مشک کی خوشبو سے۔

تشبیہہ دی ہے۔ امیرؔ مینائی کی تضمین میں اسی خیال کی توسیع ہے مگر انھوں نے محسنؔ کی بیان کردہ تشابیہہ کی نفی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ناف مشک ختن آہو ہی کو مبارک ہو۔ اور گلشن کو سرو چمن مبارک۔ کیونکہ یہ چیزیں آپؐ کی رنگت عنبریں مو تک نہیں پہنچ سکتیں۔ آپؐ کا قد تو گلشن تنزیہ کی بہار کا ایک بوٹا ہے جو کسی تشبیہہ کا محتاج نہیں۔ محسنؔ کے شعر ـ

بنایا رہنما جب عالمِ ایجاد کا تجھ کو ::ہوا حضرِ سر راہِ عدم سایہ ترے قد کا

کی وضاحت کرتے ہوئے امیرؔ مینائی اپنی تضمین میں کہتے ہیں: تجھے سارے عالم کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ تو اکیلا تھا اور عالم دو (عالم ایجاد اور عالم عدم) اس لیے تیرے قد کا سایہ راہ عدم میں رہبری کرنے لگا۔ یعنی خضر کی طرح تیرا سایہ معدوم ہے۔ آگے کے شعر کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ کو دوئی سے نفرت تھی کیونکہ آپؐ کا نور تو اللہ کے نور پیدا کیا گیا جو واحد اور یکتا ہے۔ سائے کی صورت میں آپؐ کی قامت کا نظر آنا بھی دوئی کی علامت ہوسکتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بے سایہ بنایا۔ اس طرح وحدت کے مقابلے میں کثرت کا خاتمہ فرمایا۔

اس غزلیہ نعت کے بعد محسنؔ نے جو اشعار قلم بند کئے ہیں ان میں خود نمائی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ شاعری کی زبان میں اسے تعلّی کہتے ہیں۔ قصیدے کے درمیان میں ممدوح کے آگے اس قسم کے اشعار ایک طرح سے گستاخانہ عمل متصور کیا جائے گا، لیکن یہی عمل ممدوح کی تعریف وتوصیف کے ضمن ہو تو مستحسن قرار پائے گا۔ اردو قصائد میں تعلیٰ کے ایسے اشعار کہنے میں احتیاط برتی گئی ہے، مثلاً اکبر شاہ ثانی کی مدح میں سوداؔ نے جو قصیدہ کہا ہے اس میں تعلیٰ کا یہ شعر آیا ہے ۔

تو بھی تو سوچ دل میں تیرے سخن کا::اُس کے سوا جہاں میں کون آج جوہری ہو

یعنی تیرے (شاعر کے) گوہرِ سخن کا پارکھی اُس (بادشاہ) کے سوا کون ہوسکتا ہے۔ اور ابوظفر بہادر شاہ کی مدح کے درمیاں سوداؔ کے اس شعر میں کس قدر تعلّی نظر آتی ہے ۔

پڑھتا ہو تیرے سامنے وہ مطلع موزوں::اَحسَنت کہیں سن کے بہائی و سنائی

(سوداؔ [مرتبہ: ڈاکٹر شاہ محمد سلیمان صاحب] ''قصائد سودا'' نظامی پریس بدایوں، سلسلہ قصائد اساتذہ ص ۸۷ اور ۹۷)

اس شعر میں واضح طور پر شاعر کی تعلّی دکھائی دیتی ہے۔ محسنؔ اور امیرؔ نے بھی استادان فن کے اس طریقے کو اپنایا ہے ۔

فضائے تنگ میدانِ قلم میں نقطہ و خط سے
بڑے استاد نے مجھ کو سکھایا ہے پھری گدکا

اس شعر کی وضاحت امیر یوں کرتے ہیں ۔

امیرؔ اس کا مقولہ ہے کہ جو اس راہ پر آئے
جھکائے وہ سرِ تسلیم میرے پاؤں پر پہلے
عجائب ٹھاٹھ سے تعلیم پائی اشکؔ سے میں نے
فضائے تنگ میدانِ قلم میں نقطہ و خط سے
بڑے استاد نے مجھ کو سکھایا ہے پھری گد کا

امیرؔ نے اپنے اشعار میں محسنؔ کے استاد مولوی ہادی علی اشکؔ کا ذکر کیا ہے۔ تضمین میں تعلیٰ کا مضمون باندھنے کی عمدہ مثال ہے ۔

مری طبع رواں کا پھر اسی گھاٹ اب اتارا ہے
تماشا دیکھیے بحر سخن کے جزر کا مد کا

اور امیرؔ میانائی کہتے ہیں ۔

تعلّی حد سے بڑھ کر ہو چکی لازم کنارا ہے
لکھوں پھر شعر مدحت میں فکرت کا اشارہ ہے
طبیعت باڑھ پر آئی ہے دل نے جوش مارا ہے
مری طبع رواں کا پھر اسی گھاٹ اب اتارا ہ ہے
تماشا دیکھئے بحر سخن کے جزر کا مد کا

تعلیٰ کے ان اشعار کے بعد شاعر نے بعض اشعار ایسے بھی قلم بند کئے ہیں جن سے شان خداوندی میں استخفاف کا پہلو نکلتا ہے۔مثلاً 'احمد کا اچھا قافیہ ہاتھ نہ آنے کی وجہ سے اللہ کا املا ''الید'' لکھ دیا گیا ہے۔قرآن واحادیث کی رو سے فرشتوں کے ذریعہ لکھے گئے آدمی کے نامۂ اعمال میں چوں و چرا کی گنجائش نہ ہوگی۔وہ سہوات سے پاک ہوں گے۔نامۂ اعمال پر شک کرنا شاعرانہ تعلّی ہوسکتی ہے مگر حقیقت نہیں۔جیسا کہ غالبؔ نے فرشتوں کے لکھے پر پکڑے جانے کی بات کہی ہے اور دم تحریر کوئی گواہ موجود نہ رہنے کو پکڑے جانے کا سبب بتایا ہے۔اس شاعرانہ خیال آرائی کو خوش فہمی رغلاط فہمی پر منتج کیا جا سکتا ہے مگر جب نعت میں یہ موضوع آجائے تو احتیاط لازمی ہو جاتی ہے۔محسنؔ کے یہاں اس موضوع کو شفاعتِ رسولؐ کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے اور ویسی ہی توجیہ امیرؔ مینائی نے بھی اپنی تضمین میں کی ہے ۔

غلط ہو دفتر آئیں کاتبِ اعمال چکر میں
مدیں نیکی ہی کی رہ جائیں باقی سارے دفتر میں
بدی کی جو رقم ہو جا پڑے منہائی کے گھر میں
محاسب ہو شفاعت تیری جب دیوان محشر میں
صحیح آئے نہ میزاں میں سیاہہ دفترِ بد کا

امیرؔ مینائی نے معاملات محشر (عمل کے حساب) میں شفاعت کے معاملے کو'سوداگرانہ ہنرمندی' کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے اور اعمال کا لیکھا جاکھا جو فرشتوں کا رقم کردہ ہوتا ہے،شفاعت کے دوران،ان کے صحیح نہ ہونے کی بات کہی ہے۔شفاعت کے متعلق یہ غلو ایمان وعقیدے پر سوالیہ نشان قائم کردیتا ہے۔محسن کے یہ نعتیہ ابیات دعائیہ کلمات پر ختم ہو جاتے ہیں۔امیرؔ مینائی نے جو تضمین ان اشعار پر کہی ہے اس میں بھی دعائیہ عنصر دکھائی دیتا ہے ۔

تری خدمت میں اے حاجت روا اب عرض ہے اتنی
روا ہوں حاجتیں تیرے ہی در سے دین ودنیا کی

ثنا سے دوسرے کی ہو نہ آلودہ زباں میری
یہ خواہش ہے کروں میں عمر بھر تیری ہی مداحی
نہ اٹھے بوجھ مجھ سے اہلِ دنیا کی خوشامد کا
قصیدہ ختم ہوتا ہے صلہ اس کا عنایت ہو
اٹھتا ہوں دعا کو ہاتھ وا بابِ اجابت ہو
بغل میں یہ قصیدہ سر پہ اکلیلِ سعادت ہو
تیرے دربار میں ہر وقت رہنے کی اجازت ہو
مجھے سرکار سے خلعت ملے عیشِ مخلد کا
دمِ تحریر تیرے ذوق سے بڑھ جائے تر دستی
قلم کے نکلیں آنسو ہو یہ جوشِ خندۂ شادی
شمولِ اشک شیریں سے دوات اتنی تو ہو پھیکی
الٰہی پھیل جائے روشنائی میرے نامے کی
بڑھا معلوم ہو لفظِ احد میں میم احمد کا
کبھی تو کام آئے روشنائی میرے نامے کی
کوئی تو رنگ لائے روشنائی میرے نامے کی
نئی صنعت دکھائے روشنائی میرے نامے کی
الٰہی پھیل جائے روشنائی میرے نامے کی
بڑھا معلوم ہو لفظِ احد میں میمِ احمد کا

امیرؔ مینائی نے آخری دو دعائیہ تضمینیں محسنؔ کے ایک ہی شعر پر کہی ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امیر کو محسنؔ کا یہ شعر پسند تھا۔ امیرؔ نے پہلی تضمین میں اشکِ شیریں سے دوات کی سیاہی پھیکی ہونے کی بات کہی ہے تاکہ لکھتے وقت سیاہی پھیل کر احد، احمد دکھائی دینے لگے۔ دوسری تضمین میں روشنائی پھیل کر احد سے احمد بن جانے کو نئی صنعت سے تعبیر کیا ہے۔ آخر میں اس مخمسی تضمین کی تاریخ ۱۲۷۵ھ بیان کردی ہے ساتھ ۱۲۶۶ف سنہ بھی درج کر دی ہے۔ تضمین درود کے الفاظ پر ختم ہوتی ہے۔

***

محمد آصف

اسسٹنٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ ودر بھ انسٹی ٹیوٹ آف سائنس اینڈ ہیومنیٹیز، امراوتی (مہاراشٹر)

مولانا حسرتؔ موہانی کی نعتیہ شاعری

السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ؛ مولانا حسرت موہانی کی نعتیہ شاعری پر مضمون ارسال کر رہا ہوں، لہٰذا ''جہان حمد و نعت'' میں شائع فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں؛ جزاک اللہ خیرا؛ موبائل 9823944676

مولانا حسرتؔ موہانی ایک مجاہد آزادی ، بیباک صحافی اور بہترین غزل گو شاعر گذرے ہیں۔انھوں نے شاعری میں غزل کو اپنایا اور اسی میں جوہر دکھلائے ہیں۔حسرتؔ نے اردو غزل میں صداقت، حقیقت بیانی اور عشقیہ کیفیات و واردات کا بیان بڑے ہی والہانہ انداز میں کیا اور رئیس المتغزلین کہلائے۔حسرتؔ سچے پکے مسلمان تھے۔وہ صوفی تو نہ تھے البتہ صوفیاء سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔اور ان کے گھر کا ماحول مذہبی تھا۔اس کا نتیجہ ہے کہ حسرتؔ کی شاعری میں جہاں حسن و عشق کے افسانے پائے جاتے ہیں، وہیں حمد، نعت اور مناقب اولیاء بھی جا بہ جا نظر آتے ہیں۔انھوں نے حمد کہی تو خوب اور جب نعت کہنے پر آئے تو عشق رسول ﷺ کا اظہار بڑے ہی دلنشیں انداز میں کیا ہے۔

کلیات حسرتؔ، مطبوعہ فرید بک ڈپو کے دیباچہ میں لکھا ہے :

> ''ان کے کلام میں نعتوں نے سدا بہار گل کھلائے ہیں۔نعت میں وہ ادب سے چلے ہیں، رک کر چلے ہیں مگر اس ضبط کے اندر شوق بے تاب صاف عیاں ہے۔''

نعت کے اسلوب، طریقہ سلیقہ، عقیدت و ارادت مندی اور زبان و بیان کو حسرتؔ نے نہایت عمدگی کے ساتھ برتا ہے۔عشق رسول ﷺ کا اظہار بڑے ہی سلیقے سے کرتے ہیں۔ان کا حال تو یہ تھا کہ جب بھی روضۂ رسول ﷺ پر حاضری نصیب ہوتی تو ایک عجیب کیف طاری ہوتا تھا، مسجد نبوی میں نماز ختم ہوتے ہی دعا کا انتظار کئے بغیر مواجہ اقدس میں حاضر ہو کر درج ذیل اشعار سلام ذوق و شوق کے ساتھ والہانہ انداز میں عرض کرتے تھے ؎

یا نبی اللہ سلام علیک ::: انما الفوز و الفلاح لدیک
بہ سلام آمدم جوابم دہ ! ::: مرہمے بر دلے کباب نہ !
بس بود جاہ و احترام مرا ::: یک علیک از تو صد سلام مرا

(کلیاتِ حسرتؔ، مقدمہ، ص ۴۱)

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اتنا گہرا کہ حسرتؔ خدا کی بارگاہ میں عرض گذار ہوتے ہیں۔

دل کو ہو تجھ سے واسطہ، لب پہ ہو نام مصطفیٰ ؐ
وقت جب آئے اے خدا خاتمہ ہو اس کا

ایک عاشقِ رسولؐ کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ جب تک زندہ رہے خدعزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر کرتے رہے اور موت بھی اسی حال میں آئے کہ اس کے لب پر محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر پاک ہو اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت نصیب ہو۔ دیکھیے کتنے دلکش پیرائے میں حسرتؔ بیان کرتے ہیں۔

گنہگاران امت سے ہے راضی داور محشر::: کہ ان سے نام چمکے گا ترے حسن شفاعت کا
گنہگاروں کا بیڑا پار ہو جائے گا محشر میں::: جو آیا جوش غفاری میں دریا ان کی رحمت کا

کتنا حسین تصور اور الفاظ کا رکھ رکھاؤ کتنا ستھرا ہے۔ میدان محشر اور شفاعت کا سماں ایک اور شعر دیکھیے۔

حشر میں اپنے گناہوں سے مجھے خوف ہو کیا // ان کی رحمت بھی تو ہے منزلِ عصیاں کے قریب

رحمت کا منزل عصیاں سے قریب ہونا حسرتؔ کے تخیل کا کمال ہے۔ انداز بیان نفیس و نرالا ہے۔ حالانکہ مضمون شفاعت کو بے شمار شعراءِ نعت نے اپنے اپنے اسلوب میں بیان کیا ہے، حسرتؔ نے بھی اسے ایک نئے انداز میں پیش کیا ہے۔ مزید ایک غزل کے مطلع کا شعر ہے

روز محشر سایہ گستر ہے جو دامان رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
تاب دوزخ سے بے پرواہ غلامان رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اس طرح مضمون شفاعت کو حسرتؔ نے اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے۔ گنہاگاروں کی شفاعت کا منظر بڑا ہی پر کیف ہوگا کہ ایک طرف مجرم اور دوسری طرف ان کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو انھیں رب کی بارگاہ سے شفاعت کے ذریعے آزاد کرائیں گے۔ شفاعت سے متعلق احادیث بھی وارد ہوئی ہے جن سے شعراء نعت نے استفادہ کیا ہے انہی میں حسرتؔ نے بھی مضامین حدیث سے فیض حاصل کیا ہے۔ ذکر شفاعت کے علاوہ حسرت نے درود کے فضائل و برکات کو بھی شعری پیرائے میں پیش کیا ہے۔ درود و سلام کے تو کیا کہنے خود اللہ عزوجل سورۂ احزاب آیت نمبر ۵۶ میں ارشاد فرما رہا ہے۔

ترجمہ کنز العرفان: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والوں! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

یہ آیت مبارکہ عاشقان درود کے دلوں کو گرماتی رہتی ہے۔ لہٰذا شعراء کے لیے بھی محرک ہے کہ

انھوں نے مضمون درود کو اپنے اشعار میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ حسرتؔ نے بھی فضائل و کمالات درود اپنے اشعار میں نہایت ہی عمدگی کے ساتھ بیان کیے ہیں ؎

مونس بے کساں درود شریف //راحت عاشقاں درود شریف
طالبان وصال کو ہر دم// چاہیے بر زبان درود شریف
اسم اعظم ہے قیدیوں کے لیے // قید میں بے گماں درود شریف
وہ بھی ہو دن کہیں کہ پڑھیں// ہو کے ہم کامراں درود شریف
یہ بھی ایک فیض عشق ہے ورنہ // ہم کہاں اور کہاں درود شریف
شوق نام حضور کا حسرتؔ// بن گیا ترجمان درود شریف

کیا ہی عمدہ غزل حسرتؔ کے قلم سے ترتیب پائی ہے۔ یقیناً عاشقوں کے لیے راحت جاں و روح افزا ہے۔ حسرتؔ کی اس غزل میں ان کی محبت و الفت کا اظہار ہے۔ وہ درود کو قیدیوں کے لیے اسم اعظم قرار دیتے ہیں، یہ ان کا تخیل و عشق ہے۔ درود کا مونس و مددگار ہونا یہ تو ثابت بھی ہے۔ بے شمار احادیث درود کے فضائل میں ملتی ہے اور عشق میں اضافہ و قربت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا باعث بھی ہے حدیث شریف میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا، جس نے سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجا ہے۔“ (ترمذی، الحدیث ۴۸۴)

لہٰذا یہاں بھی قربت اور آخرت میں بھی قربت۔ اسی لیے تو حسرتؔ درود پڑھنے کو فیض عشق قرار دیتے ہیں۔ حسرتؔ کے کلام میں درود کی بھینی بھینی خوشبو کے ساتھ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سلام کی معطر معطر فضائیں بھی دل فروز ہیں۔ بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ اس طرح سلام عقیدت پیش کرتے ہیں۔

السلام اے شہ بشیر و نذیر\\ داعی و شاہد و سراج منیر
آرزو ہے کہ نام پاک حضور\\ کاش ورد زباں ہو وقت اخیر

واہ! کیا انداز سلام ہے کیا ہی خوبصورت تمنا ہے۔ یہ عشق کی افضل منزل ہے کہ بندہ مرتے وقت بھی حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی ورد زباں چاہتا ہے۔ حقیقت بیانی حسرتؔ کی خصوصیات میں سے ہے۔ نعت میں یہ عنصر بدرجہ اتم ہے۔ وہ واردات قلبی کا بیان کرتے وقت انہی باتوں کا ذکر کرتے ہیں جو عموماً دنیا کا ہر عاشق رسول چاہتا ہے ؎

اے شہ شاہان رسل السلام::: حاضر ہے پھر یہ غلام

بہت ہی عمدگی سے عاجزی و انکساری کے ساتھ سرکار عالی وقار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں گلدستہ سلام

پیش کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مسلمان عاشق رسولؐ کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ اسے مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہو اور اس تمنا کا اظہار وہ گاہ بہ گاہ کرتا بھی رہتا ہے، اسی کو نعت گو شعراء، شاعری کے ذریعے پیش کرتے ہیں یا اظہارِ تمناءِ دیدارِ مدینہ میں شاعرانہ کمالات کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حسرتؔ نے بھی اسی تمنا کا اظہار بڑے ہی احسن انداز میں کیا ہے۔ بلکہ حسرتؔ کی نعتیہ شاعری کا اکثر حصہ طیبہ کی حاضری اور مدینہ کی جلوہ باریوں کے بیان پر مشتمل ہے۔ وہ دربارِ مدینہ کی حاضری کو خوبی قسمت سمجھتے اور سمجھنا بھی چاہیے، کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

کہاں کا منصب، کہاں کی دولت، قسم خدا کی یہ ہے حقیقت
جنھیں بلایا ہے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہی مدینے کو جا رہے ہیں

اور ہر عاشق کا یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ مدینہ ایسا مقام ہے جہاں بلاوے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حسرتؔ کہتے ہیں ؎

ان کی بندہ پروری کے نثار ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نصیب

حسرت نے بارہ مرتبہ مدینہ طیبہ کا دیدار کیا ہے۔ دوران سفر یا قیام مدینہ کے دوران اکثر طیبہ کے گن گائے ہیں۔ اور جب طیبہ کی طرف بڑھتے ہیں تو یوں گویا ہوتے ہیں ؎

شوق پہنچا حد جنون کے قریب ::: بہ ہواداری دیار حبیب
لے چلا پھر کشاں کشاں مجھ کو ::: دل اسی ارض محترم کے قریب
خلد ہے کوئے یار ورنہ کہاں ::: یہ سکوں بخشیاں یہ کیف یہ طیب
لو مدینے کو پھر چلے حسرتؔ ::: دیدنی ہے یہ ماجرائے غریب

کوئے یار کو خلد کہنا حدیث سے اخذ کیا ہے۔ چنانچہ بخاری کی روایت ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان (والی جگہ) جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر قیامت کے دن میرے حوض (کوثر) پر ہوگا (بخاری، حدیث نمبر ۱۸۸۸)

حسرتؔ مالی اعتبار سے اتنی طاقت نہیں رکھتے تھے کہ اایک مرتبہ بھی مدینہ دیکھتے لیکن بارہ مرتبہ حاضری واقعی میں ظاہری اعتبار سے حیرت انگیز ہے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں ''دیدنی ہے یہ ماجرائے غریب''، انھیں خود بھی حیرت ہے۔ لیکن یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کرم ہے اور جب شوق، جستجو اور تڑپ کے ساتھ مدینہ پہنچتے ہیں تو سلام عرض کرتے ہیں ؎

سلام علیک اے جوار مدینہ ::: جوار سراپا بہار مدینہ

اس غزل میں عجیب کیف وسرور ہے، دوران قرأت دل مدینہ کی جانب کھینچا چلا جاتا ہے، اور تصور مدینہ دل ودماغ پر چھا جاتا ہے۔ جیسے ؂

زہے راحت یقظہ و نوم ایں جا::: زہے لطف ولیل و نہار مدینہ
سویدائے دل ہے، دل حسن حق کا::: نہیں یہ شب نور بار مدینہ
شام تمنا میں خوشبوئے جنت:::پھرے لے کے ہم یادگار مدینہ
مدینہ چلو کیوں نہ ہر سال حسرتؔ:::بلائیں جو خود تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

غزل میں حسن مدینہ کی دل کشی کا بیان دیکھیے، جمالیاتی پہلو پر غور کیجیے۔ نور ہی نور آنکھوں کے سامنے چھا جاتا ہے۔ تغزل کے ساتھ ساتھ حسن جمال مدینہ قلب ونظر کو راحت وتسکین پہنچاتا ہے۔ قاری حسن مدینہ میں کھوسا جاتا ہے۔ حسرتؔ کا حسن تخیل یہاں جلوہ افروز ہے، جس کے ذریعے انھوں نے نہایت ہی دلنشیں پیرائے میں جمال مدینہ کا تذکرہ کیا ہے۔ ''شام تمنا میں خوشبوئے جنت'' حسرت کے تصور جمال کی ترجمانی کر رہا ہے اور شام تمنا کی ترکیب ہمارے ذہن ودماغ کو اپیل کر رہی ہے۔ ایک اور غزل کے چند اشعار دیکھیے اور ان کے ذوق جمال کی داد دیجیے۔

مدنی صبح کا عجب ہے ظہور::: قابل دید ہے یہ بارش نور
نظر آتا ہے پیش روئے حضور:::ایک بینش کو نور جلوہ طور
آپ کا غم ہے عاشقوں کے لیے:::فی المثل اک شراب ناب سرور

بارش نور، نور جلوہ طور اور شراب ناب سرور قابل توجہ ہے۔ ذکر مدینہ حسرتؔ کے یہاں بڑے ہی والہانہ انداز میں ملتا ہے۔ مدینہ اور مدینے کی یادوں اور باتوں ہی میں کھوئے رہنا چاہتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں ؂

نہ مرنے کی باتیں نہ جینے کی باتیں:::کرو ہم صفیرو مدینے کی باتیں

جب بندہ عشق رسول میں اپنے آپ کو مٹا دیتا ہے تو یہی کیفیت اس پر طاری ہوتی ہے جو حسرتؔ بیان کر رہے ہیں۔ وہ عاشق کی اضطرابی وبے قراری کی حقیقت بیان کر رہے ہیں۔ عاشق کے دل ودماغ پر صرف مدینہ اور مدینے کی ہر چیز چھائی رہتی ہے۔ کبھی گلزار مدینہ، کبھی فضائے مدینہ، کبھی صحرائے مدینہ، خار مدینہ، سگان مدینہ حتیٰ کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق مدینہ اور شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہوتا ہے، بیان کرتے ہیں۔ شاعر کا تخیل تو پھر تخیل ہوتا ہے۔ جب شعر کہنے پر آتا ہے تو یوں دست بستہ اظہار کرتا ہے ؂

شرف رکھتی ہے بادشاہی پہ بے شک:::مدینہ کی حسرتؔ غریب الدیاری

یہ سچے عاشق کی دلی تڑپ کی حقیقی ترجمانی ہے۔ دنیا ومافیا کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ جینے مرنے کی

تو کیا بات صاحب وہ تو مدینہ میں مرنے کی تمنا بھی کرتا ہے اور اسے موت سمجھتا بھی نہیں بلکہ اس کے نزدیک حقیقت میں یہی فنا، بقا ہوتی ہے۔

فنا ہے بقا مسلک عاشقی میں:::اگر رونما ہو دیار نبی میں

مدینے کی تو کیا بات، یہاں تو بڑے بڑے علماء، اصفیاء، اتقیاء اور اولیاء موت کے آرزومند رہے ہیں اور رہتے ہیں وہ مدینہ میں قضا چاہتے ہیں۔ مدینہ اور عاشقان مدینہ کی کیفیت کا کیسا والہانہ بیان حسرتؔ کر رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

پسند شوق ہے آب و ہوا مدینے کی:::عجب بہار ہے صل علیٰ مدینے کی

باامتیاز و بہ تخصیص خواب گاہ رسول:::قلوب اہل ولا میں ہے جا مدینے کی

صعوبتوں میں بھی اک رخت سفر کی ہے شان:::جو یاد رہتی ہے صبح و مسا مدینے کی

علاج علت عصیاں کی فکر کیا ہو اسے:::جسے ہو نصیب خاک شفا مدینے کی

سکون خاطر حسرتؔ بنی وہ رابغ میں:::خبر جو لائی تھی باد صبا مدینے کی

کیا عمدہ تجسس، شوق و جستجو اور عشق و محبت کا بیان ہے۔ غزل کے انداز میں ذکر مدینہ قاری کو محظوظ کرتا ہے وہ تصور ہی تصور میں مدینہ پہنچ جاتا ہے۔ قاری کی دنیا بدل دینا اور اسے دوسری دنیا داخل کر دینا یہ شاعر کے کمال فن کا مظہر ہے۔ یہی شاعری کا جمالیاتی عنصر ہے جو حسرتؔ کی نعتوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ مدینہ جو کہ عاشق کے لیے راحت جاں و سکوں کا باعث ہے حسرتؔ اسے شہر محبت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

پھر آنے لگیں شہر محبت کی ہوائیں:::پھر پیش نظر ہو گئیں جنت کی فضائیں

اے قافلہ والو کہیں وہ گنبد خضرا:::پھر آئے نظر ہم کو کہ تم کو بھی دکھائیں

اور عشق کا والہانہ انداز دیکھیے کہ خاک مدینہ جس کے لیے مسلمان مچلتا ہے دیوانگی کا ذکر کرتے ہیں

ہاتھ آئے اگر خاک ترے نقش قدم کی:::سر پر بھی رکھیں، کبھی آنکھوں سے لگائیں

اور آگے بڑھ کر منظر کشی کرتے ہیں۔

نظارہ فروزی کی عجب شان ہے پیدا:::یہ شکل و شمائل یہ عبائیں یہ قبائیں

مدینہ کا ذکر کرتے کرتے وہ اس نکتہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ تمام تر خدائے کریم عزوجل کا فضل ہے۔

عجب انداز ہے فضل خدا کا:::مدینے کی ہوائے جانفزا کا

بفرط بارش انوار حسرتؔ::: نہیں کچھ فرق یاں صبح و مسا کا

حسرتؔ کی شاعری میں مدینہ نور کا استعارہ ہے۔ اور پھر باری آتی ہے روضۂ انور کی تو وہی خیال جو عاشقوں

کا خاصہ رہا ہے کہ روضہ اقدس جنت سے بڑھ کر نظر آتا ہے، اس خیال کی حسرتؔ بھی ترویج کرتے نظر آتے ہیں۔

مسجد میں جو تھا متصل روضۂ اطہر::: ایک قطعہ وہ جنت کا نمونہ نظر آیا
البتہ سکوں بخشی و خوشبوئی کی رو سے::: ہر حصہ دنیا سے نرالا نظر آیا

مزید حسرتؔ کو روضہ اطہر کا منارہ عرش معلیٰ کے ہم مرتبہ نظر آتا ہے۔

حق بینی کو اس روضہ اطہر کا منارہ::: ہم مرتبہ عرش معلیٰ نظر آیا

یہاں پہنچ جانے کے بعد عاشق کی بے چینی، ہجر و فرقت کا مداوا ہو جاتا ہے۔ دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اس بات کا ذکر حسرتؔ یوں کرتے ہیں۔

ہم ہجر کے ماروں کو اس قرب میں یکسر::: بیماری فرقت کا مداوا نظر آیا
القصہ جو محروم سکوں تھا دل حسرتؔ::: آخر وہ یہیں آ کے شکیبا نظر آیا

آخر مدینہ نور علیٰ نور دکھائی دیتا ہے۔

کھنچ گئی نور علیٰ نور کی تصویر جمیل::: بعد کعبے کے جو آنکھوں نے مدینہ دیکھا

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان و شوکت، عظمت و رفعت، سرفرازی و سربلندی اور سیرت و صورت کو بڑے ہی احسن انداز میں ایک مکمل غزل میں یوں پیش کیا ہے۔

مظہر شان کبریا صل علیٰ محمد::: آئینہ خدا نما صل علیٰ محمد
موجب ناز عارفاں باعث فخر صادقاں::: سرور و خیر انبیاء صل علیٰ محمد
مرکز عشق دل کشا مصدر حسن جانفزاں::: صورت و سیرت خدا صل علیٰ محمد
مونس دل شکستگاں، پشت پناہ خستگاں::: شافع عرصہ جزا صل علیٰ محمد
حسرتؔ اگر رکھے ہے تو بخشش حق کی آرزو::: ورد زباں رہے سدا صل علیٰ محمد

کیا ہی خوب غزل ترکیب الفاظ کا حسن، صل علیٰ محمد کی تکرار روانی اور شیرینی گھول رہی ہے۔ غنائیت و موسیقیت دوبالا دکھائی دیتی ہے۔ یہ حسرتؔ کا شاعرانہ کمال ہے۔ نعت جیسے نازک فن میں بھی آپ نے کمال کر دکھایا ہے۔ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں انوکھی تمنا کا اظہار بڑی ہی عاجزی وانکساری کے ساتھ کرتے ہیں، حوصلہ و ہمت کی طلب بھی ادب کے ساتھ کرتے ہیں جو غلاموں کا شیوہ ہے۔

بہ ملک تمنا بصد طرفہ کاری ! ::: ترا شوق کرتا رہے شہر یاری
ترے در پہ عشاق اے شاہ خوباں ::: غلامانہ کرتے رہے جاں نثاری
رضا تیری ثابت ہے اپنی خوشی سے::: مقدم بہ آئین خدمت گذاری

تری نذر کو لائے ہیں نقد جاں ہم :::بصد عذر خواہی بصد شرمساری

شرف رکھتی ہے بادشاہی پہ بے شک:::مدینے کی حسرتؔ غریب الدیاری

کیا خوب تمنائیں اور اتنا ہی خوب صورت طریقہ اظہار بھی ہے۔بارگاہ رسالت میں استغاثہ بھی پیش کرتے ہیں۔اور اس عظیم ہستی کی بارگاہ میں عشق کامل کی فریاد کررہے ہیں اور خرد کو دیوانہ بنانے کا سوال کررہے ہیں، چونکہ خرد ہی تو بیچ میں روڑا ڈالتی ہے لہٰذا اسی کو دیوانہ بنانے کی التجا بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کررہے ہیں۔

خیال غیر کو دل سے مٹادو یارسول اللہ:::خرد کو اپنا دیوانہ بنادو یارسول اللہ

تطہیرِ خیال کے بعد نور کی جھلک دیکھنے کی تمنا کا اظہار کرتے ہیں۔

تجلی طور پر جس نور کی دیکھی تھی موسیٰ نے:::ہمیں بھی اک جھلک اس کی دکھادو یارسول اللہ

ہمت وحوصلے دیکھیے کہ اس راز عشق کو مانگ رہے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا۔

علی آگاہ جس سے ہوکے باب علم کہلائے:::وہ راز عشق ہمیں بھی بتادو یارسول اللہ

اسی کے ساتھ صبر حسین ابن علی کا چاہ رہے ہیں۔

حسین ابن علی کے صبر نے جس کے مزے لوٹے:::ہمیں بھی اس بلا کا حوصلہ دو یارسول اللہ

بغداد کا راستہ بھی مدینہ ہوکر طے کررہے ہیں،عموماً لوگ بغداد سے طیبہ کی طرف جاتے ہیں یعنی بغداد والے کے ذریعے مدینہ پہنچنا چاہتے ہیں، حسرتؔ کا معاملہ جدا واقع ہوا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقائے غوث الاعظم طلب کررہے ہیں۔

تمنا ہے محبت کو لقائے غوث الاعظم کی:::اسے بغداد کا رستہ دکھادو یارسول اللہ

اپنے مرشدین اور رہنما بھی در رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے مانگ رہے جو سارے زمانے کو عطا کرتے ہیں:

گرفتاران باطل ہیں طلب ہے حق نمائی کی:::ہمیں عبدالصمد سا رہنما دو یا رسول اللہ

غرض حسرتؔ کو وہاب، عبدالرزاقین ووالی سی:::ملا کر مرتبہ انوار کا دو یا رسول اللہ

پوری نعت حسرتؔ کے حوصلے وجراءت کی ضامن ہے۔کس قدر احسن انداز میں وہ عشق الٰہی ،عشق رسول، عشق اولیاء ومرشدین کی طلب کررہے ہیں۔واقعی میں حسرتؔ استغاثہ بھی انوکھا اور دلنشیں ہے۔ان کی تمنائیں قابل رشک ہیں۔اس طرح کی تمنائیں اور باتیں وہی کرسکتا ہے جو عشق میں بہت آگے نکل گیا ہو۔معرفت کی منزل میں پہنچ چکا ہو اور حقیقت کا نظارہ کررہا ہو۔

حسرتؔ نے ایک نعتیہ نظم مخمس کی ہیت میں لکھی۔جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا پہلا

مصرعہ ہندی، دوسرا اردو، تیسرا فارسی اور چوتھا و پانچواں مصرعہ عربی زبان میں ہے۔ نظم کے چوتھے و پانچویں مصرعے عربی نعت سے ماخوذ ہے، جو کشف العرفان میں حضرت حسان بن ثابت سے منسوب ہے۔ ہندی اور اردو زبان کے مصرعے حسرتؔ کے تخلیق کردہ ہے۔ فارسی مصرعوں کے تعلق سے کچھ کہہ نہیں سکتا کہ حسرتؔ کے خود تخلیق کردہ ہیں یا عربی کی طرح انھوں کسی فارسی نعت سے لیے ہیں، امکان ہے کہ انھی کے ہو وہ فارسی میں اشعار موزوں کیا کرتے تھے۔ ان کی غزلیات میں فارسی اشعار بھی ملتے ہیں۔ نعت تین بندوں پر مشتمل ہے جو درج ذیل ہے ۔

کا سانجھ سکار کی بات کہی :::: کچھ فکر نہ شام و سحر کی رہی

دل گشت مرا زیں جملہ تہی!:::: الصبح بدا من طلعته

والليل دجیٰ من وفرته

اورن سے ہوئی نہ یہ ہوئے کبھو :::: کچھ فرق نہیں اس میں سر مو

ز اجازت او بہ ارادت او :::: سعت الشجر نطق الحجر

شق القمر با شارته

کہاں کہہ کے بلائے کون گوا :::: کچھ بھی نہ کھلا حسرتؔ بخدا

در پردہ چہ شد بہ شب اسرا :::: فاق الرسلا فضلا و علا

فالعزلنا با جابته

مذکورہ بالا نعت حسرتؔ کے کمال فن کی مظہر ہے۔ چار زبانوں میں مصرعے موزوں کرنا آسان بات نہیں اور وہ بھی ایک مصرعہ ہندی زبان میں ہو جس کا فن شاعری عربی، فارسی اور اردو سے جدا ہے۔ حسرتؔ نے ہندی میں مصرعے موزوں کر لیے جو واقعی میں دشوار گذار امر ہے۔ پھر عربی نعتیہ اشعار کی نسبت سے اور وزن پر ہندی، فارسی اور اردو میں مصرعے موزوں کیے ہیں، قابل داد ہے۔ لیکن عشق میں گرفتار ہونے کے بعد یہ کام قدرے آسان ہو جاتا ہے، مگر عشق کوئی آسان کام نہیں ہے یا سب کے بس کی بات نہیں ہے۔

المختصر حسرتؔ نے نعتیہ شاعری میں اپنے فن کے جوہر دکھائے ہیں۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ذوق جمال، مدینہ سے بے انتہا محبت، درود سے انس اور ذکر شفاعت حسرتؔ کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ ندرت خیال، تخیل کا بانکپن، الفاظ کا رکھ رکھاؤ اور زبان و بیان کی خوبیاں ان کی نعتوں کے حسن کو دوبالا کرتی ہیں۔ دلکش تراکیب، شیرینی و شگفتگی، شیفتگی، ملائم اور لطیف شوق و جستجو، غنائیت و موسیقیت خوب سے خوب تر کی طرف بڑھتی ہیں۔ ان کی نعتوں میں محبت کا رنگ بھرا ہے اور کلام شوق و اشتیاق اور ذکر و یاد مدینہ سے معطر معطر ہے۔ ***

ڈاکٹر سروشہ نسرین قاضی
سابق صدر شعبۂ اردو، وسنت راؤ نائیک گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، ناگپور

سید محمد نورالحسن کی نورانی جہتیں

خدا کی حمد و مناجات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثنا اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت ہے۔ نعت گوئی کائنات ادب کی وہ پاکیزہ صنف ہے جس کا موجد و خالق کائنات کا موجد و خالق ہے۔ قرآن کریم کی وہ آیات جس میں اللہ نے اپنے حبیب کا تذکرہ کیا ہے وہ نعت گوئی کی شرعی اور مذہبی حیثیت پر دال ہیں۔ نعت گوئی کی قدامت کے متعلق یہ بھی ایک تاریخی صداقت ہے کہ جس وقت قرآن کریم کا نزول نہیں ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت ذوالعشیرہ میں اپنی نبوت کا اعلان نہیں فرمایا تھا اس زمانے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت تعریفی و توصیفی کلمات کا موضوع قرار پا چکی تھی، امین و صادق کے خطابات سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرفراز ہو چکے تھے۔ ملیکۃ العرب جناب خدیجۃ الکبریٰ آپ کے کردار و اخلاق سے متاثر ہو کر آپ کی زوجیت میں داخل ہو چکی تھیں حالانکہ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت و نبوت کا اعلان نہیں فرمایا تھا، اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اعلان رسالت سے قبل ہی آپ کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے اور آپ کی نصرت و حمایت میں دامے، درمے، سخنے پیش پیش تھے بعد ازاں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت کا اعلان فرمایا اور چند پاکیزہ نفوس افراد نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا تو یہیں سے باقاعدہ نعت گوئی کا سلسلہ بھی شروع ہوا، حضرت حسان بن ثابت جیسے شعرا نے نعتیہ قصائد تخلیق کیے، یہ نعتیہ قصائد دراصل کفار و مشرکین کو اہل اسلام کی جانب سے ترکی بہ ترکی جواب تھا۔ کفار قریش کے زرخرید شعرا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے پر مامور تھے لہٰذا مومن شعرا نے ان کی گستاخیوں سے مقابلے کے لیے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانا شروع کیا بعض ایسے عربی شعرا بھی گذرے ہیں جو مسلمان ہونے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تضحیک اور ہجو کیا کرتے تھے لیکن جب انھوں نے کلمۂ توحید و رسالت کا اقرار کر لیا اور آپ کی شفقت و مہربانی کا بہ نفس نفیس مشاہدہ کیا تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی پر مجبور ہوئے۔ غرض کہ نعت گوئی کی صنفی اور مذہبی حیثیت ایک مسلمہ صداقت ہے۔ سید نورالحسن نور بھی 'قبیلۂ نعت گوئی' کے ایک فرد ہیں۔ نور کی

نعتیہ شاعری نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طواف کرتی ہے۔

عام طور سے اردو میں نعتیہ شاعری ایک مذہبی رسم کی حیثیت سے رواج پاتی رہی اس کا نتیجہ یہ ہوا اکثر اردو کے نعت گو شعرا نے اس میدان میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیا، یہ احتیاط لازمی تھی کیونکہ نعت کا موضوع کائنات کی وہ عظیم ہستی ہے جسے خدا نے اپنا محبوب قرار دیا ہے، شاید اسی لیے بعض ناقدین نے نعت گوئی کے فن کو تلوار کی دھار پر چلنے سے تعبیر کیا ہے، حالانکہ یہی محتاط فنی روش جب ڈر اور خوف میں تبدیل ہونے لگی تو اس کے زیر اثر نعت گوئی کی صنف کے پھیلاؤ میں رکاوٹ یا دھیما پن کا موجب بھی ثابت ہوئی۔ اکثر نعت گو شعرا نے نعت گوئی کی صنف میں فنی کمالات دکھانے سے گریز کا راستہ اختیار کیا ہے وہ سیدھے سادے انداز میں اپنے جذبات کی تسکین کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں جب کہ محسنؔ کاکوروی جیسے اردو کے عظیم نعت گو شاعر کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ محسن کاکوروی کا مشہور نعتیہ کلام 'قصیدہ مدیح خیر المرسلین' جس کا مطلع ہے:

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل :::: برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

بہ اعتبار فنِ شاعری اردو کا بہترین نعتیہ سرمایہ ہے۔ سید محمد نور الحسن نورؔ کی نعتیہ شاعری محسن کاکوروی کے بنائے ہوئے راستوں پر چلنے کی جرأت اور حوصلہ رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نورؔ کی نعت گوئی صرف شاعر کے جذبات کی تسکین کا سامان نہیں ہے بلکہ یہ قاری اور سامع کے لیے بھی روحانی فرط و انبساط کا وسیلہ ہے اور فن شاعری کے لحاظ سے بھی یہ مستحکم اور پائیدار خطوط کا آئینہ دار ہے۔ نورؔ کی نعت گوئی صرف اعتقادی نہیں ہے بلکہ زبان و بیان اور فن شاعری کے لوازمات کی احسن جلوہ گری سے اس کی مذہبی حیثیت کے ساتھ ساتھ ادبی حیثیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ سید نور الحسن نورؔ کی نعتیہ شاعری میں ایمانی فضا کے ساتھ ساتھ شاعرانہ ماحول کی پاسداری بھی موجود ہے شاید اسی لیے ان کے نعتیہ اشعار کی عشقیہ فضا بندی میں تغزل کا سا انداز سرایت کر گیا ہے۔ میرے نزدیک یہ عیب نہیں حسن ہے۔ ذیل کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

ان کے دامن میں چھپ کے پوچھوں گا ::: کیا یہی آفتابِ محشر ہے

اک بار جو آپ مسکرائیں ::: ہم سارے غموں کو بھول جائیں

ہے اٹھتے بیٹھتے ان کا ہی نام ہونٹوں پر::: یہی ہے اب مری گفت و شنید کیا کہنا

(قلزم نور، مطبوعہ اپریل ۲۰۱۸ء، ص ٦٦ ـ ۴۳ ـ ۴۱)

اے کاش دیکھ لوں میں کبھی اُس دیار کو::: آئے جہاں قرار دلِ بے قرار کو

گر لمس دست ناز ترا ہو اُسے نصیب ::: اثرات زندگی کے مرتب ہوں زہر میں

تجھ کو دلِ فسردہ جو تسکین چاہیے ::: ہونا بس ان کی یاد میں غمگین چاہیے
آئیں گے وہ ضرور مگر ایک شرط ہے ::: سوزِ وفا سے قلب کی تزئین چاہیے

(مطلع نور، مطبوعہ ۲۰۱۸ء، ص ۶۷۔۵۹۔۴۶)

سید نور الحسن نورؔ کے مذکورہ نعتیہ اشعار کو اگر کسی ہم بحر اور ہم قافیہ غزل میں رکھ دیا جائے تو اس پر تغزل پذیری کا اطلاق بھی صادق آئے گا۔ نورؔ کے وہ نعتیہ اشعار جن کا انداز غزلیہ طرز بیان کا غماز ہے وہ شعوری محنت کا نتیجہ ہے یا لاشعوری یہ طے کر پانا مشکل ہے امکان ہے کہ ان کی یہ فنی روش 'وجد' کی کیفیت کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے کیونکہ عالم وجد میں اکثر اس قسم کے والہانہ انداز سے مملو اشعار کا ظہور ہوتا ہے، ہم نورؔ سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ دانستہ طور پر نعت کو غزل کے لہجے سے قریب کر رہے ہیں کیونکہ وہ عروس سخن یعنی غزل سے زیادہ صنف نعت کے اسیر ہیں اور کسی حد تک غزل گوئی کو کم تر یا ثانوی درجے کی کاوش بھی خیال کرتے ہیں۔ ذیل کا شعر اس بات کا بین مظہر ہے :

میری بلا سنوارے عروسِ غزل کی زلف ::: مجھ کو تو نعت باعثِ صد افتخار ہے

مذکورہ شعر سے نور الحسن نورؔ کی صنفی ترجیحات کا اندازہ بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ نورؔ کی ترجیحی صنف 'نعت' ہے اور وہ نعت کو ہی اپنے لیے باعث صد افتخار قرار دیتے ہیں، یہاں لفظ 'صد افتخار' قابل غور ہے، صد افتخار سے مراد ہر طرح کے فخر و مباہات کے لیے نورؔ کو صنف نعت کافی اور شافی ہے اس میں مذہبی، ایمانی اور اعتقادی افتخار کے ساتھ ساتھ شاعرانہ افتخار بھی شامل ہے بلکہ مذکورہ شعر میں شاعرانہ افتخار ہی خصوصیت کے ساتھ مطلوب ہے، حالانکہ اردو شاعری میں افتخار کا باعث صنف غزل کی چکا چوندھ ہے لیکن نورؔ اس چکا چوندھ کو خاطر میں لائے بغیر بھی شاعرانہ افتخار کی منزل حاصل کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں دراصل وہ نعت گوئی میں فنی کمالات دکھانے کے اہل ہیں اس لیے انھیں عروس سخن کی زلف سنوارنے کی قطعی حاجت محسوس نہیں ہوتی۔

صنف غزل کا اردو شعرا پر شروع ہی سے دبدبہ قائم رہا ہے۔ شاید ہی کوئی شاعر ہو جس نے عروس سخن کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا ہو، موضوعاتی لحاظ سے صنف غزل سے اجتناب کیا گیا ہو گا لیکن ہیئت کے لحاظ سے بہر حال اس صنف کا جادو سر چڑھ کر بولتا رہا ہے۔ میر انیسؔ جیسے عظیم رثائی شعرا نے بھی 'سلام' کے لیے غزل ہی کی ہیئت کو استعمال کیا ہے۔ ترقی پسند شعرا نے بھی اپنی نظمیہ شاعری کے لیے اکثر غزل ہی کے فارم کو برتا ہے اور خود جناب سید نور الحسن نورؔ نے بھی اپنی نعتیہ شاعری کے لیے غزل کی ہیئتی صورت کو قبول کیا ہے، لیکن ہیئت کی حیثیت اور اس کی جملہ صنفی خصوصیت میں فرق ہے، ہیئت صرف

عروضی ساخت کا نام ہے جب کہ صنف میں ہیئت کے ساتھ ساتھ اس کی تمام تر داخلی و خارجی ساخت کی شمولیت لازمی ہے۔ اس میں زبان و بیان کی تخصیص اور مخصوص لفظیات کے ساتھ ساتھ موضوعی اختصاص بھی شامل ہے۔ اس اعتبار سے غزل کی عروضی ساخت میں نعتیہ شاعری کی تخلیق کلی طور پر غزل پسندی کے زمرے میں داخل نہیں ہوسکتی لہٰذا سید نورالحسن نورؔ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ:

میری بلا سنوارے عروس غزل کی زلف::: مجھ کو تو نعت باعث صد افتخار ہے

واقعی اگر ہم نورالحسن نورؔ کی نعتیہ جہات کا بغور مطالعہ کریں تو وہ افتخار یہ نکات ذہن میں مرتسم ہوتے چلے جائیں گے جن کے بل بوتے پر نورؔ کا دعویٰ مستحکم ثابت ہونے لگتا ہے۔

سید نورالحسن نورؔ کے بعض نعتیہ کلام کی ہیئت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ غزل کی ہیئت کے محتاج نہیں ہیں بلکہ مذاق زمانہ کے مطابق انھوں نے غزل کی ہیئت کو اہمیت دی ہے ورنہ ان کے نعتیہ مجموعۂ کلام 'وسلموا تسلیماً' میں مربع کی ہیئت میں بھی نعت موجود ہے، 'یا نبیؐ سلام علیک' نورؔ کی ایسی نعت ہے جو چار چار مصرعوں کے بند پر مشتمل ہے، اس نعت کی ہیئتی حیثیت سے سید نورالحسن نورؔ کی ہمہ اصناف مہارت کا پتہ بھی چلتا ہے، ہمہ اصناف کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے رباعی کے اوزان میں بھی نعتیہ مضامین کو بحسن وخوبی نظم کیا ہے۔ ذیل میں نورؔ کی نعتیہ رباعیات کے چند نمونے پیش ہیں ملاحظہ کیجیے:

دیوار و در کو رہگذاروں کو سلام ::: سب گلیوں کو سب چوباروں کو سلام
اک گلشن عالم ہی نہیں جنت بھی ::: کرتی ہے مدینے کے نظاروں کو سلام
اے جانِ کرم تم پہ درود اور سلام ::: اے شمع حرم تم پہ درود اور سلام
اللہ کے محبوب رسول رحمت ::: اے شاہ امم تم پہ درود اور سلام

(وسلموا تسلیما، مطبوعہ فروری ۲۰۱۸ء، ص ۳۹)

نعت گوئی کا فن پاکیزہ جذبۂ عشق کا متقاضی ہوتا ہے اس کے بغیر 'نعت' کا تصور ہی ناممکن ہے اور یہ پاکیزہ جذبہ سیرت النبیؐ کے مطالعہ کے بغیر پیدا ہی نہیں ہوسکتا جب تک محبوب خدا کی شخصیت اور کردار کا عرفان یا معرفت حاصل نہیں ہوگی اس وقت تک دل اس جذبے کی اصل سے بیگانہ رہے گا، سید نورالحسن نورؔ کی نعتیہ شاعری میں موجود جذبۂ عشق کی لالہ زاری سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں رحمۃ للعالمین کی معرفت حاصل ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ اہل بیت رسول کی معرفت بھی رکھتے ہیں بنیادی طور پر نورؔ ایک کامیاب نعت گو شاعر ہیں لیکن ان کی نعت گوئی کی نورانی جہات آپؐ کے اہلبیت اطہار کی سیرت و کردار کو بھی اپنا عنوان قرار دیتی ہے وہ آل رسول سے بھی بے پناہ محبت کرتے ہیں اسی لیے ان کے

نورانی کلام کا ایک وافر حصہ سلام و منقبت پر مشتمل ہے۔ حضرت علی اور خاتون جنت حضرت فاطمہ کے مناقب میں انھوں نے منقبتیں بھی لکھی ہیں اور نواسۂ رسول امام حسین کی شان میں سلام بھی کہے ہیں۔

سید نور الحسن نورؔ چونکہ فن شاعری سے مالا مال شاعر ہیں اس لیے انھیں اصناف کا باہمی فرق بھی بخوبی معلوم ہے۔ سلام اور منقبت کا جو صنفی امتیاز ہے اس کی پاسداری بھی ان کے کلام میں نمایاں ہے۔ عام طور سے مذہبی شاعری کے دلدادہ شعرا قصیدہ، منقبت اور سلام کا صنفی فرق نظر انداز کر جاتے ہیں اور قصیدے میں سلام کے شعر اور سلام میں منقبتی موضوعات کی در اندازی ہو جاتی ہے لیکن نور الحسن نورؔ اصناف کے باہمی امتیاز سے روگردانی نہیں کرتے وہ 'سلام' کے شعر کو واقعۂ کربلا کے تناظر میں پیش کرتے ہیں۔ سلام ایک رثائی صنف ہے اس لیے اس میں شہادت حسین اور اہل بیت رسول کی مظلومیت کا بیان لازمی طور پر کیا جاتا ہے۔ سید نور الحسن نورؔ کے سلام 'کربلا' کی آفاقی حیثیت کو بیان کرتے ہیں اور اس کے دل سوز اثرات جو دنیائے انسانیت پر آج تک ثبت ہیں اُسے بھی اپنا موضوع بناتے ہیں۔ ذیل میں نورؔ کے کربلائی سلاموں کے چند شعر پیش ہیں اور انہیں اشعار پر اس مضمون کا اختتام بھی کیا جاتا ہے۔

سر پہ عمامۂ نبی ہاتھ میں ذوالفقار ہے ::: ضیغم حیدری کا رخ جانبِ کارزار ہے

جن و بشر ملائکہ یا ہوں زمین و آسماں ::: تیر غم حسین تو سب کے جگر کے پار ہے

روک سکے حسین کو دم یہ کہاں یزید میں ::: تشنہ لبی کا مرحلہ مرضئ کردگار ہے

چل دیئے شہر نبی سے تاجدارِ کربلا ::: دونوں عالم میں بڑھانے کو وقارِ کربلا

سارا عالم رو رہا ہے یاد میں شبیر کی ::: نورؔ اک میں ہی نہیں ہوں سوگوارِ کربلا

***

ڈاکٹر سراج احمد قادری

مدیر ''دبستانِ نعت''، نعت ریسرچ سینٹر انڈیا، خلیل آباد ضلع سنت کبیر نگر (یو۔پی)

مخلص مصوری اور ترفّعاتِ نعت

نعت کا تعلق نعت گو اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب کا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ اس کو رگ جاں کا درجہ حاصل ہے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ اس صنف مقدس کو رفعتوں سے ہم کنار کرنے کے لیے صرف اعلیٰ تخیل اور لوازمات شاعری سے واقفیت ہی کافی نہیں بلکہ اس کے اپنے خود کے کچھ لوازمات اور تقاضے ہیں جن سے واقفیت ضروری ہے۔ جب تک نعت گو ان تقاضوں کو پورا نہیں کرے گا تب تک اس کی نعت گوئی میں وجد آفریں کیفیت پیدا نہیں ہوگی نیز ایسی صورت میں لغزش فکر کے امکانات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ لغزش فکر کا وقوع پذیر ہونا یقینی ہو جاتا ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نعت گو اپنے ممدوح کائنات آقا و مولیٰ روحی فدا جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور خراج تحسین پیش کرنا چھوڑ دے۔ بلکہ اس کے لیے لازم ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ نے اسے شعر گوئی کی جو قدرت عطا کی ہے وہ نعت گوئی کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے بارگاہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اپنی محبتوں کا خراج تحسین پیش کر اپنے آپ کو شاد کام کرتا رہے۔

یوں تو دنیا کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر نہ ہو اور نعت گوئی ذکر رسول کا بہترین ذریعہ ہے۔ سیرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کبھی مکہ مکرمہ کی گلیوں سے گزر فرمایا کرتے تھے یا وادی مکہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو وہاں کے شجر وحجر آقا علیہ السلام کی بارگاہ عالی جاہ میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتے تھے یہ شعور وادراک رب تبار وتعالیٰ نے کائنات کے سارے نباتات و جمادات اور حیوانات کو عطا کیا تھا اگر بالفرض میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری ملک ہندوستان میں ہوئی ہوتی تو یہاں کے بھی شجر وحجر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہدیۂ دُرود وسلام لازمی طور پر پیش کرتے ان کا بارگاہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں درود و سلام کا پیش کرنا میں سمجھتا ہوں کہ ان کی اپنی زبان میں نعت گوئی ہی کہلائے گی۔ جناب مخلص مصوری صاحب اسی مفہوم کو اپنے انداز اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

ہراک مخلوق کی سُنتے تھےاُن سے بات کرتے تھے:::نہیں ہےآپ سے بہتر کوئی فہمیدہ

یوں تو ملک ہندوستان کا کوئی ایسا صوبہ اور ضلع نہیں کہ جہاں نعت گوئی کا تذکرہ نہ ملتا ہو،انہیں صوبوں میں صوبۂ مہاراشٹرا بھی ہے۔ اگر تحقیق کی جائے تو اس کے ہر ضلع میں نعت گوشعراء کی اچھی خاصی تعداد دریافت ہوسکتی ہے۔بعض محققین کے نزدیک یہاں زمانہ ٔ قدیم سے نعت گوئی کا سراغ ملتا ہے۔''صدائے سرمدی'' کے مصنف محترم جناب خواجہ معین الدین مخلصؔ مصوری کا بھی تعلق مہاراشٹرا کے مشہور ضلع برار سے ہے۔ برار کے بارے میں محققین کا نقطہ نظر ہے کہ خطیب سید امجد حسین غزنوی الانبازی ایک بہترین نعت گوشاعر گذرے ہیں جنہوں نے نعت گوئی کے فن میں باقاعدہ ایک نعتیہ دیوان ''دیوان امجدفی مدح احمد'' چھوڑا تھا، جسے ان کے خلف اکبر سید عظمت حسین خطیب نے 1313 ھجری میں پہلی بار خود کے زیر اہتمام دیوان مطبع فیض منبع چودہویں صدی، راولپنڈی سے طبع کرار کر عام کیا تھا اور اس دیوان کو برار کا اوّلین نعتیہ دیوان ہونے کا شرف حاصل ہے۔

نعت گوئی درحقیقت اصناف ادب کی وہ واحد صنف سخن ہے جو جملہ اصناف ادب پر از روئے فکرو فن اور مواد دونوں لحاظ سے فوقیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی اوپر ذکر کیا کہ نعت گوئی کے اپنے خود کے لوازمات اور تقاضے ہیں جس کی پاسداری ہر نعت گو کے لیے لازم ہے۔ جیسے نعت میں استعمال ہونے والے الفاظ کا پاک دامن ہونا، ذومعنی الفاظ کی گنجائش نہ ہونا، نعت گو جس واقعہ کو بطور تلمیح اپنی شاعری میں استعمال کررہا ہے اس کی اسناد پر بھی گرفت ہونا وغیرہ۔ اگر نعت گو کو ان ساری چیزوں پر دسترس حاصل نہیں تو اس کی نعت گوئی ادبی اور تنقیدی لحاظ سے کمزور قرار پائے گی جس سے نعت گوئی کا مقصد مفقود ہوتا نظر آئے گا۔ میں نے اپنے تحقیقی مقالہ'' مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری کا ایک تحقیقی مطالعہ کی پہلی جلد''نعتیہ روایت کا عروج وارتقاء۔ایک تاریخی وتجزیاتی مطالعہ'' میں ایک مقام پر تحریر کیا ہے: ''نعت گوئی ہمارے عہد میں پیمانۂ سخن بھی ہے اور پیمانۂ لیاقت علمی بھی۔''

اگر اس صنف سخن کو صرف پیمانۂ سخن تسلیم کر نعت گوئی کی جائے گی تو اس کو کبھی بھی وہ ارتقائی فروغ اور مقام ومرتبہ حاصل نہیں ہوسکتا جس کی وہ متقاضی ہے۔محترم جناب مخلصؔ مصوری صاحب نے شاعری کا آغاز صنف نازک یعنی غزل سے کیا اور اس کے بعد جب ان کی طبیعت نعت گوئی کی طرف مائل ہوئی تو انہوں نے نعتیں کہنا شروع کیں۔جیسا کہ طریقہ ہے کہ عموماً نعت گوشعراء اپنی کلیات یا دیوان کا آغاز حمد پاک سے کرتے ہیں اسی طریق پر گامزن رہ کر آپ نے بھی اپنے اس مجموعہ کلام کا آغاز حمد پاک سے ہی کیا ہے، ان کے اس نعتیہ مجموعے کا آغاز درج ذیل حمد پاک سے ہوتا ہے ؎

خود ہے تو لا جواب لا ثانی ::: چھپ کے بھی بے حجاب لا ثانی
یہ ہوا آگ و آب لا ثانی ::: رحمتوں کا سحاب لا ثانی

اور مقطع میں فرماتے ہیں ؎

یہ کرشمہ بھی دیکھئے مخلصؔ ::: ہے نبی کا لُعاب لا ثانی

درحقیقت جتنا ادراک نعت گوئی کے لیے درکار ہے اس سے ماسوا ادراک حمد کے لیے درکار ہے۔ مذکورہ حمد کے مقطع میں مخلصؔ صاحب نے سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے کو" کرشمہ" کہا ہے جو حمد و نعت گوئی کے مزاج کے بالکل منافی ہے اس لیے کہ کرشمہ ایک استدراجی فعل ہوتا ہے جس کا صدور کسی سے بھی ہو سکتا اور معجزہ عطائے الٰہی ہوا کرتا ہے جس کا صدور صرف اور صرف انبیائے کرام ہی سے ہو سکتا ہے۔ مخلصؔ مصور صاحب اپنی ایک دعا میں فرماتے ہیں ؎

دربار محمد سے مجھے آئے بُلاوا :::: چوموں مرے سرکار کی جالی مرے مولا

دوسرا مصرع فصاحت و بلاغت کے معیار سے گرا ہوا ہے۔ میرے اپنے خیال میں یہ مصرع اس طرح ہونا چاہیے......ع...... اور چوم لوں روضے کی میں جالی مرے مولا

دوسری خامی یہ ہے اس میں سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مقدس کی جالیوں کے چومنے کی تمنا کی گئی ہے جبکہ شریعت میں اس کی سخت ممانعت فرمائی گئی ہے۔ روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آداب بیان فرماتے ہوئے مشہور عالم دین امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے رسالہ "انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ یہ خلاف ادب ہے۔ بلکہ چار ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ جاؤ۔ یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بُلایا۔ اپنے مواجۂ اقدس میں جگہ بخشی۔ ان کی نگاہِ کریم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی؛ اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے والحمدللہ"۔

الحمدللہ! اب دل کی طرح تمہارا منھ بھی اس پاک جالی کی طرف ہو گیا جو اللہ عزّ وجلّ کے محبوب عظیم الشان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہے۔ نہایت ادب و وقار کے ساتھ، آواز حزیں و صورت درد آگیں و دل شرم ناک و جگر چاک چاک معتدل آواز سے نہ سخت و بلند (کہ ان کے حضور آواز بلند کرنے سے عمل اکارت ہو جاتے ہیں) نہ نہایت نرم و پست (کہ سنت کے خلاف ہے) اگرچہ وہ تمہارے دلوں کے خطروں تک سے آگاہ ہیں جیسا کہ ابھی تصریحات سے گزرا۔ (شمائم النعت۔ ڈاکٹر

سراج احمد قادری، رضوی کتاب گھر دہلی صفحہ ۴۵۔

مخلصؔ صاحب اپنی ایک نعت پاک میں فرماتے ہیں ؎

اللہ کے حضور بھی اس شان سے گیا ہے تو ::: تھیں پاؤں میں ہی جوتیاں اے مصطفی اے مصطفی

اس شعر کا پس منظر ایک موضوع اور باطل روایت ہے جس کے بارے میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں :

سوال: یہ صحیح ہے کہ شب معراج مبارک جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرش بریں پر پہنچے نعلین پاک اُتارنا چاہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی ایمن میں نعلین شریفین اُتارنے کا حکم ہوا تھا۔ فوراً غیب سے ندا آئی اے حبیب تمارے مع نعلین شریف رونق افروز ہونے سے عرش کی زینت و عزت زیادہ ہوگی۔ [ارشاد: یہ روایت محض باطل وموضوع ہے۔ (معارف رضا دوازدہم ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی صفحہ ۱۰۱/۱۰۲]۔

مخلصؔ مصوری صاحب نے اپنی ایک نعت میں لفظ یثرب کا بھی استعمال کیا ہے جبکہ حدیث میں اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں ؎

بے مثل تو دانا و بیں::: کافر بھی کہتے تھے امیں
کہتا ہے مخلصؔ بالیقیں ::: اے شہر یثرب کے مکیں
اے رحمت اللعالمیں ::: تجھ سا حسیں کوئی نہیں

''فخر دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے سے منع فرمایا ہے، بخاری ومسلم کی حدیث ہے یَقُولُونَ یَثرِب وَ ھِیَ المَدِینَۃ لوگ اسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ یہ مدینہ ہے۔''

معارف رضا شمارہ ۱۹۸۶ء سنہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی صفحہ ۱۶۸

یہ وہ چند نقوش تھے جن کی نشان دہی میں نے ناگزیر محسوس کی مگر ایسا نہیں ہے کہ جناب مخلصؔ صاحب کی نعتیہ شاعری میں اچھے اشعار نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اچھے اشعار بھی کہے ہیں اور خوب کہے ہیں۔ اولاً نعت کے حوالے سے ان کا مشرب ملاحظہ کریں، وہ فرماتے ہیں ؎

شاعر فنکار مخلصؔ سے ذرا کہہ دیجئے ::: جو کہے نہ نعت اس کی شاعری اچھی نہیں

چند اشعار اور پیش خدمت ہیں جن سے اہل نظر اور نعت کے اسرار و رموز سے واقف حضرات محسوس کریں گے کہ تاریخ نعت گوئی میں وہ کس مقام پر فائز ہیں یا نعت نگاری میں ان کا مقام ومرتبہ کیا ہے۔

قرآن پاک ہے گواہ جب ترے علم غیب کا:::ہم کو نہیں ذرا گماں اے مصطفی اے مصطفی

تیرگی میں بھی نظر آئے گی منزل مخلصؔ :::عشق احمد میں لہو دل کے جلائے رکھیے

اہل ایماں نے اگر باغ جناں دیکھا ہے :::یہ سمجھ لو کہ مدینے کا جہاں دیکھا ہے

آپ کو دائی حلیمہ لئے گھر جب پہنچی :::خیر و برکت کا عجب اُس نے سماں دیکھا ہے

جس دل میں محمد کی الفت نہیں بس وہ دل :::ایمان کی پوچھو تو ایمان سے خالی ہے

یہ کیا ہو گیا ہے زمانے کو مخلصؔ ::: عقائد بدلنے کی سازش چلی ہے

یہی سوچ کر ہوں پریشان آقا :::نہیں ہوں تمہیں منہ دکھانے کے قابل

مخلصؔ گناہ دھلتے ہیں اُمت کے بالیقیں :::رحمت برس رہی ہے محمد کے شہر میں

ترا لفظ لفظ پیام ہے تری ہر ادا کو دوام ہے:::وہاں رحمتوں کا نزول ہے جہاں آج تیرا قیام ہے

یہ معجزہ بھی خدا کے حبیب کا دیکھو :::سفر طویل تھا لیکن وہ ایک آن میں تھا

ایمان کی پوچھو تو ہیں ایمان سے خالی ::: کہنے کو بہت سے ہیں علم دار محمد

آپ کے جلسۂ میلاد سے چڑھ ہے جس کو :::ایسا گستاخ ہر انسان بُرا لگتا ہے

تھے محمد بھی بشر عام بشر کی مانند :::ایسا جو بولے وہ انسان بُرا لگتا ہے

جس کے صدقے میں ہوئے پیدا اُسے بھول گئے :::شاعرو آپ کا دیوان بُرا لگتا ہے

تو عاشق رسول اگر ہے تو یاد رکھ :::اک دن مدینہ جائے گا کیوں ملول ہے

اپنی نعت گوئی کے تعلق سے مخلصؔ صاحب نے درج ذیل شعر میں وہ سب کچھ کہہ دیا ہے، جو ایک تنقید نگار یا ادب شناس کہنا چاہتا ہے، وہ فرماتے ہیں ؎

یوں ہی مخلصؔ نعت گوئی کا عمل جاری رہے
ایک دن رنگ آئے گا حسان سے فن کار کا

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر یوں ہی مخلصؔ مصوری صاحب نے مسلسل نعت گوئی کا عمل جاری رکھا تو ایک دن ضرور وہ برار کی سرزمین کے حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مثال بن کر افق نعت گوئی پر جگمگائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

***

فاروق ارگلی
معرفت: فرید بکڈپو، دہلی

اُردو نعت گوئی میں سکھ شعراء کا حصّہ

محسنِ انسانیت رحمت عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی سے عشق کے ولولے میں یہ شعر کہنے والا شاعر کوئی اور نہیں اردو زبان، ادب اور تہذیب کی نمایاں شخصیت، عالمی شہرت یافتہ شاعر آنجہانی کنور مہندر سنگھ بیدی تھے۔ بیسویں صدی میں برصغیر ہندوپاک کے اُردو منظر نامے پر بیدی صاحب کا نام ہمیشہ ممتاز و مفتخر رہے گا۔ تقسیم کے ہاتھوں اُجڑی ہوئی اُردو کی راجدھانی دلّی کے ایوانِ شعر و سخن کو پھر سے آباد کرنے اور سجانے میں ان کا تاریخ ساز کردار اُردو دنیا کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ آزادی کے بعد شکستگی اور مایوسی کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی اُردو زبان کو اپنی سرگرم ہمہ جہت شخصیت، بے پناہ علمی وسماجی بصیرت اور شعروادب کی بے پناہ صلاحیت کے ساتھ سنبھالا دیتے ہوئے وہ ہندوستانی اُردو ادیبوں اور شاعروں کے سردار بن گئے۔ آزادی کے بعد برصغیر ہندوپاک ہی نہیں دیارِ غیر میں بھی اُردو کی بزم آرئیاں اور پرشکوہ مشاعرے کنور صاحب کی شرکت، قیادت اور نظامت کے بغیر نامکمل سمجھے جانے لگے۔ گزشتہ بیسویں صدی کی آخری پانچ دہائیوں میں وہ اُردو زبان، ادب اور تہذیب کے محافظوں کی اگلی صف میں نمایاں رہے۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ کی غزلیہ شاعری اپنی برجستگی، حسن بیان اور روایتی شائستگی و پاکیزہ خیال آرائی کے لئے مشہور و مقبول ہے۔

کنور صاحب کا نسبی تعلق حضرت بابا گرونانک سے ہے۔ ان کا جنم غیر منقسم پنجاب کے شہر منٹگمری (اب ساہیوال) میں 9 مارچ 1909ء کو ہوا انھوں ۱۹۲۶ء میں گورنمنٹ کالج سے بی اے کی سند حاصل کی۔ ان کا خاندان مذہبی، سماجی، اقتصادی طور پر پورے پنجاب میں مؤقر اور معزز تھا۔ اس زمانہ کے دستور کے مطابق ان کی بنیادی تعلیم اُردو اور فارسی میں ہی ہوئی۔ مطالعہ کا شوق بچپن میں تھا۔ کالج کے زمانے سے ہی شاعری کا شوق ہوگیا ۱۹۲۳ء میں جب وہ فرسٹ ائر میں تھے، پہلی غزل کہی۔ مشاعرہ میں وہ کسی کے شاگرد نہیں بنے البتہ ۱۹۳۴ء میں سرکاری ملازمت میں بطور مجسٹریٹ آنے کے بعد وہ دہلی کے قریب سونی پت میں تعینات ہوئے تو دہلی سے رشتہ استوار ہوا نواب سائل دہلوی، بیخود

دہلوی، امرناتھ ساحر دہلوی، جوش ملیح آبادی، پنڈت ہری چند اختر اور جگر مراد آبادی جیسے عظیم المرتبت شاعروں سے نزدیکیاں بڑھیں تو ان کی شاعری اور فکر کو بھرپور روشنی ملی۔ ان کی غزلیہ شاعری میں جگر مراد آبادی اور حسرت موہانی وغیرہ کا رنگ و آہنگ ہے۔ شخصی طور پر کنور صاحب انتہائی کشادہ دل، بامروّت، خوش مزاج اور اعلیٰ انسانی قدروں میں یقین و ایمان رکھنے والے انسان تھے مذہبی تنگ نظری سے وہ بہت دور تھے۔ انھوں نے ۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ میں جب دہلی اور مشرقی پنجاب میں ان کی ہی قوم نے مسلمانوں پر سب سے زیادہ مظالم ڈھائے تھے، کنور صاحب اپنے اعلیٰ سرکاری عہدے کی مدد سے پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کی حفاظت میں لگے رہے انھوں نے پنجاب اور خاص طور پر دہلی میں ہزاروں مسلمانوں کی جانیں بچائیں۔ کنور صاحب نے زندگی کے ہر موڑ پر عملی طور پر ثابت کیا کہ وہ مشترکہ گنگا جمنی تہذیب اور اُردو زبان و ادب کی شاندار اقدار و روایات کے امین و علمبردار ہیں۔ کنور صاحب نے اسلامی تاریخ اور دینی علوم کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ پیغمبر انسانیت حضور مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ مقدسہ سے بیحد متاثر تھے، اپنے اس احساس کو شعر کے قالب میں ڈھالنے کے لیے انھوں نے حضور اکرم مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عقیدت و محبت سے لبریز متعدد نعتوں کی تخلیق کی۔ انھوں نے سرکارِ دوعالم مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنی بے پناہ عقیدت کے اظہار میں جو مسدس کہی تھی اس کا یہ بند پوری دنیائے اُردو میں پڑھنے اور سننے والوں کے دلوں میں اتر گیا، فرماتے ہیں:

ہم کسی دین کے ہوں ، صاحبِ کردار تو ہیں
ہم ثنا خوانِ شہ حیدرِ کرار تو ہیں
نام لیوا ہیں محمد کے پرستار تو ہیں
لیک مجبور پئے احمدِ مختار تو ہیں
عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

کنور صاحب کی یہ نعت آج بھی ہزاروں گھروں میں عقیدت و محبت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔

تکمیل معرفت ہے محبت رسول کی ::: ہے بندگی خدا کی امانت رسول کی
تسکینِ دل ہے سرورِ کون و مکاں کی یاد ::: سرمایۂ حیات ہے الفت رسول کی

انسانیت محبتِ باہم شعور و فکر
جو چیز بھی ہے سب ہے عنایت رسول کی
ہے مرتبہ حضور کا بالائے فہم و عقل
معلوم ہے خدا کو ہی عزت رسول کی
ترتیب دی گئیں شبِ اسریٰ کی خلوتیں
صلِّ علیٰ یہ شان یہ عظمت رسول کی
فرمانِ ربِ پاک ہے فرمانِ مصطفی
احکامِ ایزدی ہیں ہدایت رسول کی
اتنی سی آرزو ہے بس اے ربِ دو جہاں
دل میں رہے سحرؔ کے محبت رسول کی

وہ جسمانی طور پر مدینہ منورہ کی زیارت نہیں کر سکتے تھے لیکن ان کا دل ہمیشہ اس آرزو میں غلطاں رہا کہ کاش کوئی ایسی سبیل ہو جائے کہ کم سے کم ان کی روح مدینہ طیبہ جا کر دربارِ رسول مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گنبدِ خضریٰ کا دیدار کر سکے۔ یہ نعت شریف پڑھئے اور محسوس کیجیے ایک غیر مسلم عاشق رسول کے دل کی تڑپ:

مقدروں سے جو یہ اہتمام ہو جائے
کہ میری روح کا طیبہ مقام ہو جائے
جو کام عشقِ نبی میں تمام ہو جائے
حصولِ لذتِ کیف دوام ہو جائے
یہی ہے ایک تمنائے زندگیِ عدم
حریم پاک میں عرضِ سلام ہو جائے
وصول ہو جو اجل سے پیام ہو جائے
زباں پہ جاری محبت کا نام ہو جائے
یہ آرزو ہے مدینے پہنچ کے اے مولیٰ
نثار روضہ پہ ادنیٰ غلام ہو جائے

سببِ شفاعتِ مولا کا ہو تو کیا کہنا
گناہ قابلِ صد احترام ہوجائے
وفورِ شوق میں روضے کے سامنے گرنا
مرا رکوع ، سجود و قیام ہو جائے
حبیبِ پاک بلا لیں اگر مجھے تو سحرؔ
مری رسا ، طالع کا نام ہو جائے

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم میں سرشار شاعر کا تصور اس کی روح اور تحت الشعور کو مدینہ کے پاک راستے پر لے چلتا ہے۔ من کی آنکھوں سے دیارِ محبوب دکھائی دینے لگتا ہے تو بے اختیار اس کے دل سے یہ آواز نکلتی ہے :

بلندی پہ اپنا نصیب آگیا ہے
درِ پاک مولیٰ قریب آگیا ہے
مریضانِ غم کا طبیب آگیا ہے
کہ اے دل مدینہ قریب آگیا ہے
اُدھر روضۂ شہر اِدھر بے قراری
یہ موقع بھی کیسا عجیب آگیا ہے
نکلنے کو ہیں دل کے ارماں سحرؔ اب
وہ دیکھو مدینہ قریب آگیا ہے

اُردو کے مقبول و معتبر شاعر سردار کرپال سنگھ بیدارؔ کا شمار بھی بیسویں صدی کے قادر الکلام شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ کا جنم 1916ء میں تحصیل ننکانہ صاحب (اب پاکستان) میں ہوا تھا۔ آپ کی تعلیم بھی اس دور کے معزز ہندو مسلم سکھ گھرانوں کی روایت کے مطابق اُردو اور فارسی میں ہی ہوئی۔ انھوں نے نے اپنی محنت اور لگن سے منشی فاضل کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ انھوں نے فارسی ادبیات میں ایم اے کیا۔ آپ کئی برسوں تک سکھ نیشنل کالج میں اُردو کے استاد رہے، تقسیم کے بعد پنجاب یونیورسٹی میں فارسی کے لکچرر رہوئے۔ شعروادب سے دلچسپی اوائل عمر سے ہی تھی، لاہور کی علمی ادبی اور شعری فضاؤں نے ذہن کو جلا بخشی، انھوں نے بڑی باوقار اور خوبصورت غزلیں اور فکر انگیز نظمیں تخلیق کیں۔ انھوں نے ابتدا میں پنجاب کے استاد شاعر نند کشور اخگر سے اصلاح لی، بعد میں علامہ تاجور نجیب

آبادی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوئے۔حکومت مشرقی پنجاب نے 1967ء میں ان کی غیر معمولی ادبی جذبات کے اعتراف میں خصوصی اعزاز اور ''شاعرِ اعظم'' کے لقب سے سرفراز کیا۔ بیدارؔ صاحب کی شاعری اتنی بلیغ اور ہمہ جہت ہے کہ اس کا تعارف اس جگہ ممکن نہیں، البتہ ایک نعت شریف بطورِ نمونۂ کلام درج ہے۔اس سے یہ اندازہ مشکل نہیں کہ وہ کس اعلیٰ معیار کے سخنور تھے۔ 1967ء میں وہ دُنیا سے رخصت ہوئے لیکن اُردو تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔پیش ہیں سردار کرپال سنگھ بیدار صاحب کی والہانہ نعت شریف کے چند اشعار:

اے کہ تجھ سے صبحِ عالم کو درخشانی ملی
ساغرِ خورشید کو صہبائے نورانی ملی
اے کہ انوارِ حقیقت سے بنا پیکر ترا
حیرتِ آئینۂ تخلیق ہے جوہر ترا
اے کہ تیری ذات سے پیدا نشانِ زندگی
اے کہ تیری زندگی سرِّ نہانِ زندگی
اے کہ تجھ پہ آشکارا رازہائے کائنات
تیری ہستی ابتداء و انتہائے کائنات
اے کہ تیرے رُخ کی تابش سے فضا پر نور ہے
تیری خاکِ پا کا ہرذرّہ حریفِ طور ہے
آسمانی عظمت و تقدیس کا مظہر ہے تو
مختصر یہ ہے خدا کا خاص پیغمبر ہے تو

ڈاکٹر ستنام سنگھ خمارؔ کا نام نامی بیسویں صدی کے اُردو شعرا میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے 1935ء میں ساہیوال میں پیدا ہوئے۔ان کے والد سردار سرجن سنگھ کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب ستنام سنگھ صرف بارہ سال کے تھے۔تقسیم سے قبل ہی وہ فاضلکا آ گئے تھے۔ان کی تعلیم یہیں مکمل ہوئی، انھوں نے خالصہ کالج سے پوسٹ گریجویٹ کی سند حاصل کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے اُردو ادبیات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور این سی ای آر ٹی سے وابستہ ہو گئے۔انھوں نے نثری اور شعری ادبیات کا گہرا مطالعہ کیا تھا، لیکن شاعری اس وقت شروع کی جب وہ اعلیٰ سرکاری ملازمت میں آکر فراغت کی زندگی بسر کرنے کے قابل بن چکے تھے۔کلاسیکی غزل کے میدان میں ان کی تخلیقات نے

عام و خاص ہر طبقے سے داد و تحسین حاصل کی۔ این سی ای آر ٹی کی ملازمت کے بعد وہ ویس کالج میں نفسیات کے استاذ مقرر ہوئے اور وہیں سے ریٹائر ہوئے۔ شاعری شروع کرنے کے بعد سے اکیسویں صدی کے آغاز تک اپنی پر بہار شاعری سے چمنستانِ اُردو کو مہکا کر دُنیا سے رخصت ہوئے۔ غزل اور نظم کے علاوہ دیگر اصنافِ سخن میں انھوں نے خوب خوب طبع آزمائی کی، خاص طور پر نعت رسول اور مراثی، سلام و منقبت میں انھوں نے خوب خوب اپنی وسیع القلبی اور فطری سوز وگداز کے مظاہر پیش کیے ہیں۔ خمارؔ صاحب ایک نعت شریف میں ہادیِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی مدح میں اس طرح رطب اللسان ہیں:

حجاب دل میں نہیں چہرے پر نقاب نہیں
شعورِ عشقِ محمد ترا جواب نہیں

میں پُرخطا ہوں گنہگار ہوں بہت لیکن
مجھے یقین ہے مٹی مری خراب نہیں

سخی تواور بھی ہیں آپ کی حکومت میں
مگر حضور کی بخشش کا بھی جواب نہیں

فضیلتوں کا عمامہ پہن کے تو آیا
کمال و فضل میں تیرا کوئی جواب نہیں

وہ ننگے پاؤں ہے کیوں کر چلے گا کانٹوں پر
نبی کا عشق اگر اس کا ہم رکاب نہیں

خمارؔ دور سے ان کا کروں گا نظارہ
انھیں قریب سے دیکھوں نظر میں تاب نہیں

معروف روحانی، سماجی اور علمی شخصیت صوفی سنت درشن سنگھ دُگل مرحوم کے بارے میں اُردو دنیا کا ہر خاص و عام واقف و آگاہ ہے کہ آپ ساون کرپال روحانی مشن کے سربراہ اور پیشوا کی حیثیت سے مشہور زمانہ ہیں۔ آپ کے لاکھوں مرید پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں آپ نہ صرف ایک صوفی صافی بزرگ تھے بلکہ اُردو کے نہایت مقبول شاعر اور دانشور بھی تھے۔ کئی مجموعوں کے خالق درشن سنگھ دُگل صاحب شاعری میں صوفی غلام مصطفیٰ تبسم اور شیم کرہانی سے مشورۂ سخن فرماتے تھے۔ آپ کی ولادت 1931ء میں ہوئی۔ عربی، فارسی، اُردو، ہندی، پنجابی اور انگریزی زبان کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے مرکزی

حکومت ہند میں ڈپٹی سیکریٹری کے عہدے پر فائز بھی رہے۔ لیکن پھر وہ اپنے والد محترم سنت کرپال سنگھ جی مہاراج کے جانشین اور عالمی روحانی مشن کے سربراہ بن گئے۔ شاعری انھوں نے ۳۸ برس کی عمر میں شروع کی، ان کا کلام روحانی تعلیم، فلسفہ تصوف اور اعلیٰ انسانی قدروں کا آئینہ ہے تین گرانقدر مجموعے 'جادۂ نور'، 'تلاشِ نور'، اور 'منزلِ نور' آپ کی یادگار ہیں۔ احترامِ کل مذاہب سنت صاحب کا نصب العین اور فطری مزاج تھا۔ خوبصورت نعتیں اور منقبتیں کہی ہیں۔ بطور نمونہ سنت درشن سنگھ صاحب کے چند نعتیہ اشعار دیکھئے اور ایک غیر مسلم صوفی سنت کی محاسنِ انسانیتصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عقیدت ومحبت کا اندازہ کیجیے:

روح انساں کو حقیقت سے ملانے والے
مرحبا نغمۂ توحید سنانے والے

دَور پر دَور چلے بادۂ اخلاص کا پھر
منتظر بیٹھے ہیں سب پینے پلانے والے

کردے بیدار ذرا پھر سے ضمیر انساں
خوابِ غفلت سے زمانے کو جگانے والے

خاکِ پا کو تری اے نورِ خدا کے حامل
سرمۂ چشم بناتے ہیں بنانے والے

ہم فقیروں پہ بھی ہوجائے ترا لطف و کرم
بار ہنس ہنس کے غریبوں کا اُٹھانے والے

لو لگائے ہوئے بیٹھے ہیں گزرگاہوں میں
نقشِ پا کو ترے آنکھوں سے لگانے والے

بختِ درشنؔ پہ بھی اِک بار نظر ہوجائے
بگڑی تقدیر زمانے کی بنانے والے

سرادر بلونت سنگھ فیضؔ سرحدی آزادیٔ وطن کے بعد منظر عام پر آنے والے سکھ شعراء میں خصوصی شہرت وقبولیت عام وخاص کے مالک شاعر تھے۔ آپ 1962ء میں ڈیرہ اسماعیل خاں کے قصبہ پہاڑ پور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اردو، فارسی، ہندی، پنجابی، انگریزی اور سنسکرت میں اعلیٰ ترین تعلیمی ڈگریاں حاصل کیں اور حکومت پنجاب کے محکمہ السنہ میں ڈائرکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ آپ کو شعرو شاعری سے ہمیشہ دلچسپی رہی اُردو اور فارس کی نہایت اہم کتابیں جیسے مولانا محمد حسین آزاد کی سخندانِ

فارس، حافظ محمود شیرانی کی مشہور تحقیقی کتاب 'پنجاب میں اُردو' اور گورو گوبند سنگھ صاحب کی گرانقدر فارسی تصنیف 'ظفر نامہ' کو پنجابی زبان میں منتقل کر کے بے نظیر علمی کارنامہ انجام دیا فیض صاحب نے دس برس کی عمر سے شاعری کا آغاز کیا تھا۔ 1947ء سے قبل تلاشِ ملازمت کے دوران لکھنؤ بھی گئے اور وہاں طویل مدت تک قیام رہا۔ لکھنؤ کے استاد شاعر فضل لکھنوی سے تلمذ اختیار کیا جس سے ان کی غزل گوئی بہت نکھر گئی انھوں نے خوبصورت عشقیہ غزلیات کے ساتھ ہی ہر قوم وملت کے مذہبی پیشواؤں کی شان میں نظمیں لکھیں، لیکن حمد و نعت، منقبت اور مراثی میں انھوں نے خاص طور پر بہترین تخلیقی صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ ایک نعت شریف کے چند اشعار سے ان کی شاعرانہ مہارت اور بلند تفکر کا اندازہ ہوتا ہے:

مالکِ جلوۂ حق، حامیِ ایماں احمد
تو ہی اسلام کی کشتی کا نگہباں احمد

تیرے ہی جلوؤں سے توحید کا پرچم چھایا
تیری ہی ذات سے احمد ہے نمایاں احمد

تیرے اخلاق نے قدرت کو سدھایا ایسا
آدمی پہلے تھا اب ہوگیا انساں احمد

آج اسلام ہی اسلام جہاں میں ہوتا
آپ کے حکم پہ چلتا جو مسلماں احمد

آپ کے نام میں اللہ کا آیا ہے لطف
جلوہ وحدت کا نہ کیوں کر ہو نمایاں احمد

ناز کیونکر نہ ہو اخلاق ومحبت سے اسے
فطرت فیضؔ پہ ہے آپ کا احساں احمد

سردار گوربخش سنگھ مخمور جالندھری کا نام نامی اُردو دنیا کے لئے محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ کے والد کا نام سردار سیوا سنگھ تھا جو بارہ مولہ (کشمیر) کے باشندے تھے۔ مخمورؔ جالندھری کی پیدائش 1953ء کو بارہ مولہ میں ہوئی لیکن آپ کی تعلیم وتربیت جالندھر میں ہوئی اس لیے جب کالج کے زمانے میں لکھنا پڑھنا اور شاعری شروع کی تو مخمورؔ جالندھری ہو گئے۔ مخمورؔ جالندھری سوشیالوجی میں ایم اے کرنے کے بعد حکومت پنجاب کے محکمہ صحت میں ملازم ہو گئے، لیکن شعروادب سے بے پناہ دلچسپی آخر تک قائم رہی۔ شاعری میں علامہ سیمابؔ اکبرآبادی اور دل شاہجہاں پوری سے اصلاح لی۔ نظریاتی

طور پر وہ ترقی پسند شاعر تھے سماجی موضوعات پر ان کی نظمیں بیحد معیاری اور اثرانگیز ہیں۔ مخمورؔ جالندھری بہترین نثر نگار بھی تھے، انھوں نے بہت سے طبع زاد ناول لکھے اور لاتعداد' رومانی جاسوسی ناولوں کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا۔ ہندوپاک کے رسائل اوراخبارات میں ان کے مضامین مسلسل شائع ہوتے رہے۔ ایک کہنہ مشق صحافی کے طور پر انھوں نے دہلی کے روزنامہ 'ملاپ' میں کام کر کے اپنی پہچان بنائی۔ زندگی کے آخری برسوں میں انھوں نے ہندی میں کرنل رنجیت کے فرضی نام سے ایک بڑے پبلشنگ ادارے کے لیے دلچسپ جاسوسی ناول بھی لکھے، بحیثیت مجموعی گوربخش سنگھ مخمورؔ جالندھری ایک ہمہ صفت انسان تھے، یکم جنوری 1979ء کو ان کا انتقال دہلی میں ہوا۔ حیرت ہے کہ مخمور جالندھری ایک ترقی پسند اور بے باک حقیقت نگار شاعر کی حیثیت سے اردو دنیا میں جانے جاتے تھے۔ ہمارے اکثر مسلمان ترقی پسند شعراء خود کو مذہب و مسلک سے بالاتر دِکھانے کے لیے حمد ونعت سے گریز کرتے رہے ہیں یا پھر انھیں اس کارِ نیک کی توفیق ہی نہیں ہوئی، لیکن مخمور جالندھری نے مزاجاً اشتراکی اور ترقی پسند ہوتے ہوئے ایسی نورانی نعت شریف تخلیق کی جس کی مثال ہمعصر بڑے مسلمان شعراء کے یہاں بھی مشکل سے ملے گی۔ زبان کا شکوہ، لہجے کا آہنگ اور پیغمبر اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تئیں جذبۂ محبت وعقیدت کا سیلاب سا امنڈ رہا ہے:

پھیلا اُفق پہ نور رسالت مآب کا
ہیبت سے منہ اُترنے لگا آفتاب کا
سیاحِ عرش ، سائرِ کون و مکاں ہے تو
روح الامیں ہے نام ترے ہم رکاب کا
وعدے کا اِک مغنیِ آتش نوا ہے تو
ہر نغمہ کفر سوز ہے تیرے رباب کا
تاروں میں روشنی ہے تو پھولوں میں تازگی
یہ وقت ہے ظہورِ رسالت مآب کا
ظلمت کدوں میں ہیں سحر نو کی تابشیں
یہ فیض ہے ولادتِ ختمی مآب کا
مخمورؔ کیف نوررسالت سے مست ہوں
سب جانتے ہیں میں نہیں خوگر شراب کا

تقسیم وطن کے بعد پاکستان سے نقل مکانی کر کے ہندوستان تشریف لانے والی نامور اُردو شخصیات میں سردار پورن سنگھ ہنرؔ کا نام نامی بھی شامل ہے۔اُردو اخبارات و جرائد کا مطالعہ کرنے والا بیسویں صدی کا سینئر اُردو داں طبقہ ہنرؔ صاحب کے نام اور کام سے اچھی طرح واقف ہے۔آپ کی پیدائش 1904ء میں لاہور میں ہوئی تھی۔آپ نے اُردو اور فارسی میں دسویں جماعت تک ہی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی، اس کے بعد معاشی مشاغل میں مصروف ہوگئے، لیکن مطالعے اور حصولِ علم کا شدید جذبہ ان کے دل میں موجزن تھا۔ چنانچہ ۳۶ برس کی عمر میں ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا اور تقسیم ملک تک لاہور میں ہی رسالہ 'نیرنگِ خیال' اور دوسرے جریدوں میں کام کر کے ادبی صحافت کا شوق پورا کرنے کے ساتھ ساتھ مشقِ سخن بھی کرتے رہے۔ شاعری شروع سے ہی ان کا پہلا پیار رہی۔ لاہور میں اس وقت علامہ تاجور نجیب آبادی نوجوان شعراء کی فنی اور فکری تربیت کے لیے مشہور تھے۔ پورن سنگھ ہنرؔ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا لیکن بہت جلد وہ فارغ اصلاح قرار پائے۔ شاعری میں پورن سنگھ ہنرؔ نے روایتی غزل میں بھی قدماء کی تقلید کے بجائے اپنے لیے بڑی حد تک الگ اسلوب و آہنگ اپنایا، جیسا کہ خود کہتے ہیں:

تقلید کیوں سخن میں کسی کی کریں ہنرؔ
طبعِ رسا کا رنگ جداگانہ چاہیے

ہنرؔ ہلکی پھلکی شاعری کو صرف لفظوں کا کھیل اور ردیف و قافیہ کی بازی گری سمجھتے ہیں۔ ان کی نظر میں ایسی شاعری محض ہرزہ سرائی ہے:

کیا ہے سوائے ہرزہ سرائی وہ اے ہنرؔ
جس شاعری میں روح نہیں زندگی نہیں

ایسے طرحدار شاعر کی ایک روح پرور نعت ملاحظہ ہو:

ہر پھول میں ہے نکہتِ سرشارِ محمد
اللہ رے جاں بخشیِ گلزارِ محمد
اب دولتِ کونین کی پروا نہیں مجھ کو
حاصل ہے مجھے دولتِ دیدارِ محمد
دیکھو تو کہاں میں ہوں کہاں طائرِ سدرہ
مسکن ہے مرا سایۂ دیوارِ محمد

مہر و مہ و انجم ہیں ضیا بار اسی سے
اے صلِ علیٰ تابشِ رخسارِ محمد
مایوس پلٹتا نہیں در سے کوئی سائل
زرپاش ہے زر بار ہے دربارِ محمد
سو عیب سہی مجھ میں مگر یہ تو ہنر ہے
سو جاں سے ہنرؔ میں ہوں خریدارِ محمد

سرادر کرنیل سنگھ پنچھیؔ کا شمار اردو کے صاحبِ طرز شعراء میں ہوتا ہے۔ پنچھیؔ کا جنم غیر منقسم پنجاب کے ضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں میں ہوا تھا۔ آپ نے اُردو، پنجابی، ہندی اور سنسکرت زبانوں میں اپنے ذوقِ مطالعہ سے اچھی دسترس حاصل کی تھی۔ شاعری کا ذوق عنفوانِ شباب سے ہی تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ آپ نے غزل اور نظم کے علاوہ تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ آزادیٔ وطن کے بعد آپ ہندوستان آگئے جہاں آپ نے اخبارات و جرائد میں بھی کام کیا اور بمبئی کی فلمی دُنیا سے بھی وابستہ رہے۔ انھوں نے کئی فلمیں بھتی پروڈیوس اور ڈائریکٹ کیں، اداکاری کیں، گیت اور مکالمے بھی لکھے، آپ کی شاعری خاصی مقبول ہوئی، 'ٹکڑے ٹکڑے آئینہ'، 'قدم قدم تنہائی' اور 'ادھورے بت' وغیرہ آپ کے کئی شعری مجموعے شائع ہوئے۔ پنچھیؔ نے نعت، سلام اور منقبت کہنے میں بھی بہت مقبولیت حاصل کی۔ مسلمانوں کے لیے تو خیر اپنے آقائے نامدار کی مدحت میں نعت وسلام کا نذرانہ پیش کرنا، باعثِ فلاحِ دارین اور وسیلۂ نجات ہے، لیکن فخرِ کائنات رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی میں جو اتھاہ خوبیاں ہیں، ان کا اثر دوسروں کے دلوں پر بھی بیحد گہرا پڑتا ہے، لیکن انہی کو توفیق خداوندی نصیب ہوتی ہے جن تک اسلامی تعلیمات اور علوم کی روشنی پہنچی ہو۔ سردار کرنیل سنگھ پنچھیؔ کے یہ نعتیہ اشعار دیکھیں، حقانیت اور روحانیت کے نور سے جگمگاتے ہوئے ایسے اشعار یقیناً وہی کہہ سکتا ہے جس کی قسمت میں یہ سعادت لکھی ہو:

جسے بھی خوف ہو روزِ جزا کا
وہ دامن تھام لے خیر الوریٰ کا
دل میں بسا لے دوست عقیدت رسول کی
دن رات تجھ پہ برسے گی رحمت رسول کی

روزِ جزا میں حرفِ عقیدت کے عوض میں
تم پاؤ گے اے مومنو جنت رسول کی
پڑھ کر نماز مومنو قسمت سنوار لو
خوش بخت کو ہی ملتی ہے جنت رسول کی
مدینے اور مکّے کا تبھی دیدار ہوتا ہے
تمنّا تیر بن کرجب جگر کے پار ہوجائے
سمٹ آئے گا خود عرشِ بریں پرواز میں اس کی
اگر پنچھیؔ پہ بھی نگہِ کرم سرکار ہوجائے

اگر شروع سے اب تک تمام نامور سکھ شعراء کے نعتیہ کلام کا مختصراً بھی تذکرہ کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔اس لیے جگہ کی تنگی کے سبب کچھ ہی شعرا کا اجمالاً ذکر کیا جاسکا،لیکن یہاں ایک بزرگ سکھ شاعرہ کا تذکرہ کیے بغیر قلم نہیں رُک رہا،جن کا اسم گرامی سردارنی بی ڈی بیگم بوڑھ سنگھ تھا۔یہ اُردو کے نامور شاعر سرادر بوڑھ سنگھ بیرؔ کی اہلیہ تھیں۔بوڑھ سنگھ بیرؔ اردو کے نامور شاعر اور پنجاب کی مشہور سماجی شخصیت تھے۔بوڑھ سنگھ بیرؔ امرتسر میں ۳ مئی ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے تھے۔ان کی شادی ایک ایسے معزز سکھ خاندان میں ہوئی تھی جہاں لڑکیوں کو بھی اُردو، فارسی کی اعلیٰ تعلیم دلانے کا رواج تھا۔خود بوڑھ سنگھ اُردو، فارسی اور پنجابی زبانوں کے ماہر تھے۔انھوں نے دوستی، امن، بھائی چارہ اور نیک کاموں کی تلقین کے لیے اپنی شاعری کو وسیلہ بنایا تھا،لیکن ان کی اہلیہ فارسی زبان کی شاعرہ تھیں۔سردارنی صاحبہ ہندوستانی عورتوں کی بیداری اور تعلیم نسواں کی زبردست مبلغ تھیں۔ان کے فارسی میں کہے گئے چند اشعار دیکھیں۔ہندوستانی عورتوں کی زبوں حالی کا ذکر اور حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلے سے ان کی ترقی اور بیداری کی آرزو کا اظہار بھی کس عالمانہ اور دردمندانہ انداز میں کررہی ہیں:

وقت بیداری است اے دل زود کن بیدار شو:::دور کن انداز غفلت چابک وہشیار شو
خواہرانِ ملک اکنوں حامیانِ عالم اند:::تو ہمیں بہرِ خدا کوشاں و خدمتگار شو
فرقۂ نسواں چرا در ہند خواری و ذلیل:::زود کن یا حکم یزداں حاکم و سردار شو
آرزوئے جلوۂ دلدار گر بی ڈیؔ تُراست:::عرض من دارم نثارِ احمد مختار شو

***

ڈاکٹر تابش مہدی
ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

مظفر وارثی کا نعتیہ کلام : ایک مطالعہ

جناب مظفر وارثی (۱۹۳۳-۲۰۱۱) کا نام ہمارے عہد کے شعری و ادبی منظرنامے کا نہایت اہم و معتبر نام ہے۔ پوری دنیا میں جہاں بھی اُردو لکھی، پڑھی بولی یا سمجھی جاتی ہے، وہاں مظفر وارثی کو جاننے اور ماننے والے موجود ہیں۔ گرچہ اُنھیں شاعری کی متعدد اصناف پر قدرت تھی۔ انھوں نے غزلیں بھی کہی ہیں اور نظمیں بھی، حمد و نعت اور سلام و مناقب بھی، ان کے شعری ذخیرے میں ہیں اور قطعات و رباعیات اور ثلاثیات بھی اور دوہے اور گیت بھی۔ انھوں نے جس صنف میں بھی قدم رکھا ہے، اپنی قدرتِ کلام اور مہارتِ فن کے جوہر دکھائے ہیں اور قاری نے یہی محسوس کیا ہے کہ شاعر نے اپنی پوری عمر اِسی دشت کی سیّاحی میں صرف کی ہے۔ خصوصاً غزل گوئی میں وہ منفرد نظر آتے ہیں۔ جب ہم ان کی غزلیہ شاعری کے مجموعے برف کی ناؤ، لہجہ، کھلے دریچے بند ہوا، راکھ کے ڈھیر میں پھول، تنہا تنہا گزری ہے اور دیکھا جو تیر کھا کے دیکھتے ہیں تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ غزل سے ان کے مزاج و طبیعت کو خصوصی مناسبت ہے۔ لیکن ۱۹۷۲ میں جب اُنھوں نے نعت کی مقدس وادی میں قدم رکھا تو سب کچھ ثانوی درجے میں آ گیا۔ وہ تمام اصناف سے کنارہ کش ہو گئے۔ بس نعت گوئی اور نعت خوانی ان کی شناخت بن گئی۔ پوری دنیا میں وہ نعت ہی کے حوالے سے جانے اور پہچانے جانے لگے اور نعت گوئی ہی ان کا مشغلۂ حیات بن گئی۔ نعت خوانی یا نعت گوئی کی کوئی بھی گفتگو جناب مظفر وارثی کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ ہند و پاک کی متعدد یونی ورسٹیوں میں اُن کی حیات اور شاعری کو موضوع بنا کر تحقیقی مقالے لکھے گئے ہیں، جن میں ان کی نعت گوئی کو خصوصیت کے ساتھ موضوعِ گفتگو بنایا گیا۔

حضرت مظفر وارثی کو شاعری اور تصوف کی روایت ورثے میں ملی تھی۔ ان کے والد حضرت صوفی وارثی میرٹھی ایک پختہ گو سخن ور بھی تھے اور صاحب نسبت بزرگ بھی۔ وہ میرٹھ، سہارن پور اور لاہور جہاں بھی رہے، ان کے دولت خانے پر اربابِ فضل و کمال اور شعرا و ادبا کی آمد و رفت رہتی تھی۔ آئے دن حال و قال کی مجلسوں، نعت و مناقب کی محفلوں اور علمی و ادبی جلسوں کا سلسلہ رہتا تھا۔ اِن

چیزوں نے مظفر وارثی کو بھی متاثر کیا۔ ذہانت وفطانت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حُسنِ صوت اور خوش گلوئی کی بھی دولت سے سرفراز کیا تھا۔ وہ پہلے اپنے خانگی محفلوں میں اپنے والدِ محترم اور دوسرے شعرا کا کلام سناتے رہے اور داد وتحسین حاصل کرتے رہے، اس کے بعد خود بھی شعر موزوں کرنے لگے۔ ایک دو بار تو طبیعت کی موزونی کے زور پر کسی کو دکھائے بغیر ہی اپنا کلام سنایا لیکن جب بزرگوں نے متوجہ کیا تو اپنے والدِ محترم کو دکھانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت جلد ان کے اندر خود اعتمادی پیدا کر دی اور وہ کم عمری ہی سے ایک خود کفیل شاعر کے طور پر جانے اور پہچانے جانے لگے۔ ابتدا میں انھیں مقامی طور پر سیرت کے جلسوں اور نعت ومناقب کے مشاعروں میں مدعو کیا گیا۔ رفتہ رفتہ شہرت ومقبولیت بڑھتی گئی اور انھیں مدعو کرنے کی فرمائشیں کی جانے لگیں تو وہ قومی سطح پر بھی مدعو کیے جانے لگے۔ پھر ایک دن وہ وقت بھی آیا اور ان کی شہرت ومقبولیت اتنی بڑھی کہ انھیں بین الاقوامی جلسوں، مشاعروں اور دینی وروحانی محفلوں میں مدعو کیا جانے لگا۔

میں نے سب سے پہلے اُنھیں ۱۹۸۸ میں احمد آباد کے ایک مشاعرے میں دیکھا اور سنا، اس کے بعد پاکستان کے ایک سے زائد مشاعروں میں ان کے ساتھ پڑھنے اور ان سے تبادلۂ خیالات کا موقع ملا۔ پھر برطانیہ کے پروگراموں میں ان کی معیت حاصل رہی۔ ہر جگہ بے پناہ مقبولیت ومحبوبیت اُنھیں حاصل رہی، لیکن یہ بات خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے کہ وہ کسی مقام پر بھی انسانیت کے مقامِ بلند سے ایک زینہ بھی نیچے نہیں اُترے۔ ہمیشہ ایک مخلص ومشفق بھائی کی طرح ملے اور ایک عام سامع کی طرح ہم جیسے خُردوں کے اشعار سنے اور داد وستایش سے ہم کنار کیا۔ آخر کے کچھ برسوں میں خط وکتابت کا بھی سلسلہ رہا، ہمیشہ اُنھوں نے پہل کی۔ اگر میری طرف سے خط میں تاخیر ہونے پر شکایتی خط بھی لکھے۔ جب بھی زبانی یا کسی خط میں مخاطب کیا ہمیشہ تکریمی وتعظیمی الفاظ استعمال کیے اور حد درجہ محبت وشفقت کا انداز اختیار کیا۔ یہ ان کی زندگی کا ایسا پہلو ہے، جو کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔

مظفرؔ وارثی کی نعت گوئی آج کے عام نعت گویوں سے یکسر مختلف ہے۔ ان کی نعت میں ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اظہارِ محبت وعقیدت بھی ملتا ہے اور آپؐ کے پیمبرانہ مشن کی ترجمانی اور اس سے تعلق ووابستگی کا عہد واعلان بھی۔ ان کی نعت کا ایک ایک لفظ سیرت وکردارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس کے ایک ایک حرف سے ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے الفت ووابستگی، محبت وتعلق اور عقیدت وشیفتگی کی خوش بو پھوٹتی محسوس ہوتی ہے۔

کمالِ خلّاق ذات اس کی
جمالِ ہستی حیات اس کی
بشر نہیں عظمت بشر ہے
مرا پیمبر عظیم تر ہے
وہ شرحِ احکامِ حق تعالیٰ
وہ خود ہی قانون، خود حوالہ
وہ خود ہی قرآن خود ہی قاری
وہ آپ مہتاب، آپ ہالہ
وہ عکس بھی اور آئنہ بھی
وہ نقطہ بھی، خط بھی، دائرہ بھی
وہ خود نظارہ ہے، خود نظر ہے
مرا پیمبر عظیم تر ہے
وہ خلوتوں میں بھی صف بہ صف بھی
وہ اِس طرف بھی ہے وہ اُس طرف بھی
محاذ و منبر ٹھکانے اس کے
وہ سر بہ سجدہ بھی سر بہ کف بھی
کہیں وہ موتی، کہیں ستارہ
وہ جامعیت کا استعارہ
وہ صبحِ تہذیب کا گجر ہے
مرا پیمبر عظیم تر ہے

نظم کا ہر بند اور اس کا ہر مصرع رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، آپؐ کی رفعت و برگزیدگی اور آپؐ کی پیمبرانہ سعی و جہد کا ترجمان ہے۔ ایک دوسری نظم کے بھی دو بند ملاحظہ فرمائیں:

غرق تیری محبت میں جو دل نہیں
اس کا ایمان، ایمانِ کامل نہیں

تیری چاہت کی خیر
تجھ کو چاہے بغیر
مجھ پہ جینا حرام
تجھ پہ لاکھوں سلام

سارے قرآں کو تیری گواہی کہوں
یا تجھے ہی کتابِ الٰہی کہوں

تو نصاب کرم
امن تیرا علَم
عدل تیرا نظام
تجھ پہ لاکھوں سلام

یہاں میں نے وقت کی تنگ دامنی کے پیشِ نظر حضرتِ مظفرؔ وارثی کی صرف دو نظموں کے دو دو بند نقل کیے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ اِن میں رسولِ کائنات کے اعلیٰ وارفع حسن و جمال کا بھی ذکر ہے اور آپ کے مقام و منصب اور پیمبرانہ حیثیت کا بھی اور آپ کی سیرت و کردار کا بھی اور اِس بات کا بھی اعتراف ہے کہ آپ کی ذات ہر مومن کے لیے جزوِ ایمان ہے۔ جس دل میں آپ کی محبت و عظمت نہ ہو اس کا دعوی ایمان درست نہیں۔ اِس لیے کہ توحید و رسالت کے اقرار و ایمان کے بغیر کوئی بھی انسان صاحبِ ایمان نہیں ہوسکتا۔ آپؐ کی محبت اللہ کی محبت ہے۔ جس نے آپؐ کی محبت و عقیدت کو اپنے سینے میں رکھا وہی دراصل اللہ کو ماننے اور اللہ سے محبت کرنے والا ہے۔ حضرت مظفر وارثی کی پوری شاعری توحید و رسالت پر کامل ایمان کی ترجمانی کرتی ہے۔ ان کے نعتیہ شاعری کے پورے ذخیرے کو آپ کہیں سے بھی دیکھیے یہی رنگ و آہنگ ملے گا۔ چند اشعار اور ملاحظہ کریں:

نہ مرے سخن کو سخن کہو، نہ مری نوا کو نوا کہو
مری جاں کو صحنِ حرم کہو، مرے دل کو غارِ حرا کہو
تیری صورت جس نے دیکھی، اس نے دنیا دیکھ لی
اُس پہ سب در کھل گئے، جو تیرے در پر آ گیا

جلائے دھوپ مجھے، جب مرے گناہوں کی
درود ابر کی چادر سی تان دیتا ہے

نشانِ پا بھی ہیں اس کے عروج کا زینہ
زمیں نشین کو وہ آسمان دیتا ہے

کرے شکار جو دل کو بغیر تیروں کے
اسی کے ہاتھ میں اپنی کمان دیتا ہے

حیات اُسوۂ سرکار میں اگر ڈھل جائے
ہر ایک سانس کے اندر چراغ سا جل جائے

طلوعِ صبح کا منظر ہو میرے اندر بھی
صبا جو روح پہ اس کا غبارِ پا مل جائے

یہ چند اشعار میں نے کسی انتخاب کے بغیر نقل کردیے ہیں۔ ان میں جس شعر کو بھی پڑھیے شاعر محبت وعقیدت کے ہفت آسمان پر نظر آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قاری یا سامع کو بھی اپنے ساتھ محبت وعقیدت کے بحر ناپیدا کنار میں غوطہ زن کرتا ہے۔ حضرت مظفر وارثی کے یہ تمام اشعار ان کے حسنِ عقیدت اور وفور محبت کی نشاں دہی کرتے ہیں۔ اِن میں اظہار تعلق ومحبت بھی ہے اور پاس داریِ احکامِ شریعت بھی۔ کہیں ایک لفظ بھی حدود واحتیاط سے ہٹا ہوا نہیں ملے گا۔ اِن سب کے ساتھ ساتھ زبان وبیان، محاورات وروزمرہ اور تشبیہات وتعبیرات کی وہ ندرت بھی ہے، جو ان کی غزلیہ شاعری میں بھی ملتی ہے اور جو ہر اچھی اور بڑی شاعری کے لیے ناگزیر ہے۔ مظفر وارثی کی نعت گوئی کا یہی وہ وصف ہے، جو انھیں اپنے ہم عصروں میں انفرادیت ویکتائی عطا کرتا ہے۔

***

ڈاکٹر تابش مہدی
ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

اعجاز رحمانی کی نعت گوئی

جناب اعجاز رحمانی ہمارے عہد کے اُن نام ور، خوش فکر اور صاحب طرز شعرا میں ہیں، جنھیں اُن کی قدرتِ کلام اور برجستہ گوئی کی وجہ سے شعر و ادب کے ہر حلقے میں درجۂ اعتبار حاصل ہے۔ اُنھیں میں چومکھیا شاعر کہتا ہوں۔ ہمارے دوست مشہور عالم دین مولانا محمد طاہر مدنی تو انھیں شاعری کا کمپیوٹر کہتے ہیں۔

جناب اعجاز رحمانی کو بہ یک وقت غزل، نظم، رباعی، قطعہ مسدّس، مخمس، مثنوی، حمد، نعت اور مناقب غرض کہ ہر صنف پر قدرت حاصل ہے۔ ایسا نہیں کہ محض انھیں قدرت ہے اور ہر صنف میں محض دو چار نمونے موجود ہیں، بل کہ اِن تمام اصناف میں اُنھوں نے وافر ذخیرے سے شعر و ادب کے شائقین کو آسودہ کیا ہے۔ ان کی غزلوں اور نظموں کے کئی کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ قطعات و رباعیات کی صورت میں انھوں نے 'افکار کی خوش بو' کے نام سے کئی سو احادیث کے ترجمے کیے ہیں۔ جسارت اور بعض دوسرے اخبارات کے لیے جو یومیہ موضوعاتی نظمیں اور قطعات ایک مدّت تک لکھتے رہے ہیں وہ مستزاد۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مسدّس کی شکل میں نظم کیا ہے۔ اس کے دو ہزار بند منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ جب کہ نعت گوئی میں ان کی اپنی ایک شناخت ہے۔ اب تک ان کی نعتوں کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں 'اعجاز مصطفی'، 'پہلی کرن آخری روشنی' اور 'آسمانِ رحمت' کو غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کی سیرت بھی نظم کی ہے۔

اعجاز رحمانی نے احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور سیرت نبوی کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ وہ جید علما کی صحبت میں بیٹھے ہیں۔ اپنے عہد کے نام ور ناقد و ماہر زبان و فن علّامہ ماہر القادریؒ جیسے محتاط اور راسخ العقیدہ نعت گو کے وہ ہم نشیں رہے ہیں۔ انھیں اِس بات کا کامل اِدراک ہے کہ نعت گوئی تلوار کی دھار پر قدم رکھنے کا نام ہے۔ اِس راہ میں ذرا سی بھی غفلت و کوتاہی شاعر کی آخرت کو داؤ پر لگا دیتی ہے۔ اس لیے انھوں نے اِس صنف میں جو کچھ بھی کہا یا لکھا ہے، بہت سوچ سمجھ کر اور کامل احتیاط اور شعور کے ساتھ کہا اور لکھا ہے۔ میں نے ان کی نعتیں پڑھی بھی ہیں اور ہندستان، پاکستان، برطانیہ، سعودی عرب اور

امارات کے مختلف پروگراموں میں ان کی زبانی سنی بھی ہیں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ جب بھی وہ نعت کے میدان میں گام زن ہوتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ وہ کسی چکنے فرش پر قدم رکھ رہے ہیں اور اُنھیں اس بات کا شدّت کے ساتھ احساس رہتا ہے کہ ذرا سی غفلت ان کو کسی گہرے کھڈ میں گرا دے گی۔

اعجاز رحمانی کی نعت کا ہر شعر ذاتِ رسالت مآب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بے پناہ عقیدت ومحبت اور آپ ؐ کی عالمی اور لازوال تعلیمات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ لیکن اِس احتیاط کے ساتھ کہ اس میں نہ کہیں غلو ہے اور نہ پند و وعظ کا انداز۔ ان کا ہر شعر بھرپور شعریت اور تاثیر لیے ہوے ہوتا ہے۔

دردِ دل کی دوا کر رہے ہیں
مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ کر رہے ہیں
آج بھی رہ نمائی ہماری
آپ ؐ کے نقشِ پا کر رہے ہیں
چھوڑ کر دامنِ مصطفیٰؐ کو
ہم مسلمان کیا کر رہے ہیں
ربط ہے جس کو کوے نبی سے
ہم وہ روشن دیا کر رہے ہیں
مرے حال کی گزارش، مرے اشک کر رہے ہیں
یہ کہاں مجال میری، میں حرم میں لب کشا ہوں
جنبشِ لب کی مدینے میں کہاں گنجایش
گفتگو صرف یہاں دیدۂ تر کرتے ہیں
کہتے ہیں جسے سب کاہ کشاں، وہ دھول ہے ان کے قدموں کی
جو فہمِ بشر سے بالا ہے، وہ رفعت تو سرکار کی ہے
دولت انساں کو ملی دنیا میں اطمینان کی
آپ ؐ کے آنے سے راحت کے دریچے کھل گئے

ان اشعار میں اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت وعقیدت کا اظہار بھی ہے اور آپ کی بعثت سے دنیا کی خوش گوار تبدیلی کا تذکرہ بھی اور ان سب کے ساتھ ان میں شاعری کے تمام آداب بھی موجود ہیں۔

اعجاز رحمانی کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے نعتیہ اشعار کے ذریعے سے اُمّت تک یہ پیغام

پہنچائیں کہ وہ اپنے ہادی ورہبر کی ہی رہ نمائی میں اپنی چند روزہ زندگی کا سفر طے کرے۔ اُسے دنیا کی تمام کامرانیاں اسی صورت میں حاصل ہوسکیں گی اور اس کا یہی عمل اس کے لیے توشۂ آخرت بھی ثابت ہوگا۔ ان کی یہ فکر ان کی نعتوں میں جگہ جگہ ملتی ہے:

تھام لے دامن نبی کا، توڑ دے ہر دائرہ
دین و دنیا کی نہیں رہتی محبت ساتھ ساتھ

جب سے ہم نے ہاتھ سے چھوڑا ہے دامانِ رسولؐ
چل رہی ہے راہِ ہستی میں قیامت ساتھ ساتھ

مشکلوں کا اگر کوئی حل چاہیے
اسوۂ مصطفیؐ پر عمل چاہیے

اعجاز رحمانی اپنی نعتیہ شاعری سے بے حد خوش اور مطمئن ہیں۔ انھیں اس بات کا احساس ہے کہ میری یہی شاعری میرے لیے سب کچھ ہے اور اسی کی وساطت سے مجھے دونوں جہاں کی کامیابی وسرخ روئی حاصل ہوگی۔ ان کے یہ اشعار ان کی اسی سوچ کی نشان دہی کرتے ہیں:

حمد کیا لکھی کہ قسمت کے دریچے کھل گئے
لب پہ نعت آئی تو رحمت کے دریچے کھل گئے

مدحِ رسول اکرمؐ کے جب ساغر میں چھلکاتا ہوں
اپنے ساتھ مدینے ساری محفل کو لے جاتا ہوں

فصلِ گنہ کی میرے بدن سے گرد اترتی جاتی ہے
ذکر نبیؐ میں کرتے کرتے آئینہ بن جاتا ہوں

لمحہ لمحہ حُبِّ نبی کے پھول دلوں میں کھلتے ہیں
نعتِ نبی کی خوش بو سے میں ذہنوں کو مہکاتا ہوں

نعتِ نبی کے پھول کھلاتا رہتا ہوں
صحرا کو گلزار بناتا رہتا ہوں

کھِل جاتے ہیں بند دریچے ذہنوں کے
اقوال سرکار سناتا رہتا ہوں

اعجاز رحمانی بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ ان کی سوچ اور فکر میں بھی تغزل کی ادا ملتی ہے اور رہن سہن

بھی متغزلانہ ہے۔ لیکن وہ گزشتہ چار دہائیوں سے نعت گوئی کی طرف ایسے متوجہ ہوے کہ اب وہ ایک نعت گو کی حیثیت سے ہی شہرت رکھتے ہیں۔ خود انھوں نے بھی کثرتِ نعت گوئی کے ساتھ ساتھ اس کے آداب کا بھی پاس ولحاظ رکھا اور اپنے علم اور مطالعے میں اتنا اضافہ کیا کہ وہ نعت گوئی کی دنیا میں اپنی شناخت بنا سکیں۔

اعجاز رحمانی کی نعتوں کا پہلا مجموعہ 'اعجاز مصطفیٰؐ' جب ستّر کی دہائی میں شائع ہوا تو اس وقت پاکستان میں نعت گو شعرا بس انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ ان میں بھی حقیقی نعت گو تو بس دو چار ہی تھے۔ لیکن اب پوری اردو دنیا میں نعت کی شاعری ہو رہی ہے۔ ہر شاعر نعت کہہ رہا ہے۔ خصوصاً پاکستان نے اس سلسلے مں ی خصوصی پیش رفت کی ہے۔ ہندستان میں بھی کافی کوشش ہوئی ہے۔ امروہے اور لکھنؤ کے شعرا نے اس میدان میں بہت توانا قدم اٹھائے ہیں۔ نعت گوئی کے سلسلے کی اِس سرگرمی، پیش رفت اور عام دل چسپی کو دیکھتے ہوے بعض ایسے شعرا نے بھی نعت گوئی شروع کر دی اور ان کے مجموعے بھی شائع ہو گئے، جو کسی بھی اعتبار سے نعت گو نہیں ہیں۔ نہ اُنھوں نے قرآنِ مجید کا مطالعہ کیا ہے نہ احادیث کا، نہ سیرت رسولؐ کا اور نہ اچھے اور مستند نعت گویوں کی نعتوں کا اور نہ اپنی عملی زندگی میں ہی وہ کسی بھی اعتبار سے اس پاکیزہ صنف کے لیے موزوں اور مناسب ہیں۔ ہندستان کے رواں صدی کے شعرا میں جن خوش نصیب شعرا نے اس طرف خصوصی توجہ کی اور اِس پاکیزہ صنف میں اپنا مقام بنایا اُن میں ابوالمجاہد زاہدؔ، ہمسر قادری، رباب رشیدی، ساجد صدیقی، والی آسی، افسر امروہوی، ناوک حمزہ پوری، ابرار کرت پوری، تسنیم فاروقی، سیفی امروہوی، ساجد امروہوی، قاسم حبیبی، ناز قادری، بقا امروہوی، احمد نثار جون پوری، سید راشد حامدی، مسرور جوہرؔ، طربؔ ضیائی، سعد امروہوی، زبیر ابن سیفی اور جنید اکرم فاروقی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

اعجاز رحمانی مزاجاً داعی و مبلغ ہیں۔ انھوں نے سیرت رسولؐ اور احادیث نبوی کے مطالعے سے کار نبوت، مزاج رسول اور منصب رسالت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور ایک امّتی خصوصاً محب رسول کا کیا فریضہ ہوتا ہے، اسے بھی جاننے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتوں میں جہاں رسول کائنات حضرت محمد مصطفیٰ سے محبت و عقیدت کا اظہار ملتا ہے، وہیں دعوت و اصلاح اور دینِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و اشاعت کا شعور بھی موج زن ملتا ہے۔ ان کی نعت کا ایک ایک شعر بل کہ ایک ایک لفظ رسول کریمؐ کی سچی اور حقیقی غلامی اور دعوت و اصلاح کے فروغ و اشاعت کی شہادت دیتا ہے۔ لیکن اس مہارت اور چابک دستی کے ساتھ کہ ایک طرف ذاتی احساسات و جذبات کا اظہار ہے اور دوسری طرف عام انسانیت خصوصاً امتِ مسلمہ کے لیے بھی اس میں کوئی پیام ہے۔ وہ پیام جو لوگوں کے دلوں کو روشن و منور کر سکے۔ نمونے

کے طور پر چند اشعار ملاحظہ کریں:

انگاروں کو پھول بنایا، ذرّوں کو خورشید کیا
جن ہونٹوں میں زہر بھرا تھا، ان کو میٹھے بول دیے

آپ کی قربت نے لوگوں کو ایک نیا احساس دیا
جتنے چاہنے والے تھے کردار اُنھیں بے جھول دیے

آپ سے بڑھ کر انسانوں کا اور کوئی ہم درد نہیں
سنگ زنوں کو سنگ کے بدلے پیار کے موتی تول دیے

جب شہر میں رسم شہ ابرار چلے گی
خنجر کوئی نکلے گا نہ تلوار چلے گی

سرکار کی زبان سے پتھر پگھل گئے
کہنے کو تو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

ان کو بھی اماں دی ہے، جو تھے خون کے پیاسے
رحمت ہی برستی رہی رحمت کی گھٹا سے

نگاہِ سرور عالم میں ایک جیسے ہیں
کسی غریب کے گھر ہوں کہ ہوں محل کے چراغ

اِن اشعار میں رسول کائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انگاروں کو پھول بنانے اور ذرّوں کو سورج کی چمک دینے کی بھی بات ہے اور زہر آلود زبانوں یا ہونٹوں کو شہد وشکر کی ادا دینے کی بھی، قرب رسول سے سرفراز ہونے والوں کے منفرد احساس و کردار کی بھی باتیں ہیں اور پتھر برسانے والوں کے ساتھ پیار اور محبت کی بھی اور امیر و غریب یا شاہ و گدا کے ساتھ یکساں سلوک و برتاؤ کی بھی۔ آپ بہ جا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اعجاز رحمانی کی پوری نعتیہ شاعری سیرت رسول کی آئینہ داری کرتی ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ ایسا ہی ہے، جیسے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی کتاب پڑھی جا رہی ہے۔ اس لیے کہ انھیں خود بھی اس کا احساس بل کہ یقین ہے کہ وہ جو کچھ شعر کے ذریعے سے پیش کر رہے ہیں، اس سے انھیں دونوں جہان کی سرخ روئی حاصل ہوگی۔

طیبہ کا مسافر ہوں تو اے خواہش دنیا
اب ساتھ چلے گی بھی تو بے کار چلے گی

حبِّ نبی کو دل میں مہمان کرلیا ہے
بخشش کا ہم نے اپنی سامان کرلیا ہے

اپنا لیا ہے جس نے سیرت کو مصطفی کی
دشوار راستوں کو آسان کرلیا ہے

اعجاز رحمانی نے اپنے قاری اور سامع کو سیرت رسول اور کردار مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اِس طرح بھی آگاہ کیا ہے اور ان کی سماعت و بصارت کو روشن و منور کیا ہے:

ذہن تبدیل ہوئے آپ کی سیرت کے طفیل
آگ نفرت کی بجھی دل میں محبت جاگی
آپ نے زندہ کیا مردہ ضمیروں کو حضورؐ!
آپ کے دور میں انسان کی غیرت جاگی
پیار سے پتھر دل والوں کو آپ نے ہی تسخیر کیا
آپ کے خلق سے وار کسی تلوار کا بھی بھرپور نہ تھا
یہ جو اخلاق کی انساں کے بدن پر ہے قبا
سب سے پہلے مرے سرکار نے پہنائی ہے
اٹھایا آپ نے خنجر نہ نوبت تیغ کی آئی
مرے سرکار نے اخلاق سے دشمن کو مارا ہے
جو دشمنوں کو معاف کردے، جو گرد ذہنوں کے صاف کردے
خدا ہے شاہد کہ اِس جہاں میں حضور سا مہرباں نہیں ہے

اعجاز رحمانی کی نعتیہ شاعری میں ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت و کردار اور اس کی تبلیغ و اشاعت، جذب دروں، پختہ گوئی اور بالغ نظری کے ساتھ تخلیقی ندرت، فن کارانہ روانی و برجستگی اور استاذانہ شائستگی و شگفتگی کا یہ انداز بھی قدم قدم پہ ملتا ہے:

پائی ہے اُجالوں کی سند غارِ حرا سے
ہم دیپ جلاتے ہیں مدینے کی ہوا سے

ان کے لیے ہے مشکل جو دور ہیں عمل سے
ہے پیروی بہت ہی آسان مصطفیؐ کی

قبل حضور بھی دیپ تھے روشن لیکن اتنا نور نہ تھا
خُلق و مروّت کا لوگوں میں عام کہیں دستور نہ تھا

آپ نے محنت کی عظمت کا لوگوں کو احساس دیا
آپ سے پہلے دنیا میں خوش حال کوئی مزدور نہ تھا

مستقل روشنی کا پتا مل گیا
مصطفی مل گئے تو خدا مل گیا

آپ کا ہو کے نہ مانے جو حضور آپ کی بات
ایسے انسان کی تقدیر میں رسوائی ہے

آپ کے دامن میں سب کچھ ہے آپ نہیں تو کچھ بھی نہیں
کل بھی ضرورت آپ کی تھی اور اب بھی ضرورت آپ کی ہے

عمل اس نے کیا ہے حکم سرکار دو عالم پر
خدائے لم یزل کو جس نے مشکل میں پکارا ہے

اعجاز رحمانی کی شاعری خواہ کسی بھی صنف کی ہو، اس کا احاطہ کسی ایک مضمون یا مقالے میں نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی ہر صنف کی شاعری کے لیے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ ان کی شخصیت اور زندگی کو سامنے رکھ کر ان کے فن کارانہ کمالات، استادانہ مہارت اور شعری و تخلیقی کاوشوں کے لیے بھر پور تنقید و تحقیق کا عمل درکار ہے۔ اعجاز رحمانی ملت اسلامیہ کے ان شعرا میں ہیں، جو اپنے شعری مجموعوں کے ذریعے سے بھی تا دیر یاد کیے جائیں گے اور اپنے اس کلام کے ذریعے سے بھی جو انھوں نے مجمع عام میں سنایا ہے۔ میں نے ان کے کلام کی گونج ہند و پاک ہی نہیں یورپ اور ممالک عربیہ و امارات میں بھی سنی ہے۔ ہر جگہ ان کے حقیقی قدرداں ہیں۔ میں نے یہ بات مختلف محفلوں میں ایک سے زائد بار کہی ہے کہ میں کسی ایسے ذہین، حساس اور صالح اسکالر کا منتظر ہوں، جو اعجاز رحمانی کی سخن ورانہ حیثیت کو اجاگر کر کے سندِ اعتبار حاصل کرے۔

***

ڈاکٹر جوہر قدّوسی
مدیر "جہان حمد و نعت"، سرینگر (کشمیر)

نعوت میں سیرتِ طیّبہؐ کی ترجمانی

نعت چاہے عربی میں ہو، فارسی میں ہو یا اُردو میں، سیرتِ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اس کا براہِ راست تعلق ہے۔ عربی اور فارسی نعت گوئی میں واقعاتِ سیرت کا بیان یہاں پر ہمارا موضوع نہیں ہے۔ ہم اُردو نعت گوئی کے حوالے سے بات کریں گے اور یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ نعتیہ منظومات میں سیرت طیبہ کا بیان کس انداز و اسلوب میں ملتا ہے۔

نعت کا مرکزی موضوع اگر چہ مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے لیکن مدح وثنا کے ساتھ ساتھ سیرتِ پاک سے بھی نعت کا گہرا تعلق ہے اور یہ تعلق دو طرح سے ہے۔ اوّلاً یوں کہ قرآن مجید اور احادیث نبوی کے بعد نعت کے مآخذ میں تیسرا نام کتبِ سیرت کا آتا ہے۔ چنانچہ سیرت النبی پر لکھی گئی ہزاروں کتابوں اور بالخصوص سیرت کی امہات الکتب کہلانے والی دس بارہ کتابوں کا نعت کی تدوین وتخلیق میں بڑا اہم اور نمایاں مقام ہے۔ ایک تو ان امہات الکتبِ سیرت میں وہ تمام اشعار محفوظ ہو گئے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غزوات اور دوسری اسلامی جنگوں سے متعلق تھے، دوسرے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح وستائش میں لکھا جانے والا ابتدائی نعتیہ شعری سرمایہ، خصوصاً صحابہ کرامؓ کے اشعار، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے ان کتابوں میں جگہ پا گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں سیرتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح نعتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آغاز وارتقاء کی تلاش و تحقیق میں بھی سیرت پاک کی انہی امہات الکتب سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔

ان کتابوں میں درج روایات کو بعد میں آنے والے شعراء نے اپنی نعتوں کا موضوع بنایا۔ چنانچہ مولود ناموں، جنگ ناموں، معجزات ناموں، معراج ناموں اور منظوم سیرت کی کتابوں میں ان روایات کو کثرت سے قلمبند کیا گیا ہے اور ساتھ ہی نعتیہ غزلوں، رباعیوں، مثنویوں اور نظموں میں بھی ایسی روایات اور واقعات سیرت کے حوالے ملتے ہیں، جن کا مواد کتبِ سیرت ہی سے ماخوذ ہے۔

جہاں تک اُردو نعت گو شعراء کا تعلق ہے، انہوں نے ہر دور میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت طیبہ

سے متعلق کتابوں سے بطورِ خاص استفادہ کیا ہے۔ اُردو کے نعتیہ سرمایہ کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اُردو نعت کے ہر دور میں صحتِ واقعات اور اسنادِ روایات کے لیے اہم اور مستند کتبِ سیرت سے رجوع کیا جاتا رہا ہے، جس کی عموماً تین شکلیں دیکھنے کو ملتی ہیں:

(۱) سیرت پاک کے واقعات پر نعتیہ نظمیں لکھی گئی ہیں۔

(۲) غزوات و معجزات نبویؐ کی تفصیلات میں کتب سیرت سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(۳) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے متعلق کتابوں کی روشنی میں منظوم سیرتیں لکھی گئی ہیں مثلاً مثنویوں میں مولوی محمد باقر آگاہ نے اپنی مشہور مثنوی ''ہشت بہشت'' کے دیباچہ میں اُن کتب سیرت کا حوالہ دیا ہے، جو اُن کے پیش نظر رہیں۔ چند ایک کے نام یوں ہیں: کتاب الشفا، شمائل ترمذی، اصابہ، وفا الوفا، روضۃ الاحباب، معارج النبوۃ، شواہد النبوۃ وغیرہ۔ اسی طرح حفیظ جالندھری نے ''شاہنامہ اسلام'' کے حواشی اور محشر رسول نگری نے ''فخر کونین'' نامی منظوم شاہکار کے اختتامیہ میں اُن کتبِ سیرت کی نشاندہی کی ہے، جو اُن کی طویل منظومات میں ماٰخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حالی، شبلی، طباطبائی، ظفر علی خان، اقبال اور دوسرے بے شمار نعت گو شعراء کے ہاں ہمیں ایسی نظمیں بکثرت ملتی ہیں، جن کے مضامین و موضوعات سیرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں۔

یہ تو ہے ایک نوعیت کا تعلق سیرت النبیؐ اور نعت نبیؐ میں۔ دوسری نوعیت کا تعلق نعت کے ماخذ کے حوالے سے نہیں بلکہ نعت کے مضامین و موضوعات کے حوالے سے ہے۔ یعنی نعت میں سیرتِ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے واقعات کا بیان۔ نعت کے ابتدائی نمونوں میں ہمیں دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وابستہ شعراء کی وہ نعتیہ منظومات ملتی ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کی صفت وثنا، جمال ظاہری، شجاعت و سخاوت، دیانت و امانت، صداقت و عدالت اور باطنی حسن کی تعریف اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خُلق و ہدایت کا بیان وغیرہ جیسے مضامین و موضوعات نظر آتے ہیں۔ بعد کے ادوار میں زمان و مکان کی بدلتی ہوئی صورتحال کے تناظر میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت طیبہ کے نئے نئے پہلو اور امکانات ظاہر ہوئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے تہذیبی، سماجی، تمدنی، معاشرتی، معاشی، اقتصادی، سیاسی اور تاریخی نوعیت کے اَن گنت موضوعات و مضامین نعت آشنا ہو گئے۔

سیرتِ طیبہ کے چھوٹے اور بڑے واقعات کو نعت کے آئینے میں تلاش کرتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ نعت کے موضوعات کا ایک بڑا حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اقدس سے متعلق ہے، جس میں دوسرے انبیائے کرام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فضیلت و برتری، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خاندانی شرف،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا باعثِ تخلیق کائنات ہونا، کتبِ سماوی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پرتوِ جمالِ الٰہی اور مظہرِ ذاتِ خداوندی ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نور من نور اللہ ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا صاحبِ خُلقِ عظیم، خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

نعتیہ موضوعات کا دوسرا حصہ نبیٔ برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے بارے میں ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت، پرورش، بچپن کے واقعات، بعثت، اعلانِ نبوت، کفارِ مکہ کی ایذا رسانی، ہجرت، مدینہ میں آمد، اسلامی سلطنت کا قیام، واقعۂ معراج اور غزوات و معجزات وغیرہ کو نعت کا موضوع بنایا جاتا ہے۔

نعتیہ موضوعات کا تیسرا حصہ اُن منظومات کو قرار دیا جاسکتا ہے، جن میں نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات، صفاتِ عالیہ اور بنی نوع انسان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احسانات کا بیان ملتا ہے۔ نعتوں میں ان موضوعات کا بیان تمام تر جزئیات کے ساتھ نظر آتا ہے، چنانچہ اُردو کے نعتیہ سرمایہ کا جائزہ لینے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نعت گو شعراء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عاداتِ مبارکہ اور معمولاتِ یومیہ کے ذرا ذرا سے پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے اور انہیں نہایت احترام اور شیفتگی سے جزوِ نعت بنایا ہے۔ اس انداز کے مضامینِ نعت میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایفائے عہد، طریقۂ عیادت و تعزیت، انسانی ہمدردی و غمخواری، مہمان نوازی، دشمنوں سے حسنِ سلوک، عفو و درگذر، حسنِ معاملات، وسعتِ قلبی و عالی ظرفی، ایثار و احسان، اندازِ گفتگو اور آدابِ مجلس وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں تک کہ اس انداز کی جزئیات نگاری میں نعت گو شعراء نے اپنی والہانہ شیفتگی اور وارفتگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نعلین، لعاب، پسینہ، نقشِ پا، لباس، خوراک اور حلیہ مبارک کی جزئیات (جن میں قدم، پنجے، ایڑیوں اور ناخنوں تک کا ذکر ملتا ہے) کو بھی نعت کا موضوع بنایا ہے۔ اسی طرح بہت سے نعت نگاروں نے نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس سے نسبت رکھنے والی ہر شئے سے اپنا قلبی تعلق ظاہر کرتے ہوئے مدینہ طیبہ کی گلیوں، سگانِ کوچہ و بازار، خاکِ راہِ یثرب، سنگِ درِ اقدس، روضۂ اقدس کی سنہری جالیوں، گنبدِ خضریٰ اور مسجد نبویؐ وغیرہ سے اپنی والہانہ محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ نعتیہ منظومات کے آئینے میں سیرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی تمام تر تفصیلات و جزئیات کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ جہاں تک عصری نعت کا تعلق ہے، آج کی نعت اپنے مرکزی موضوع یعنی مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پھیل کر کائنات بھر کے مسائل کو محیط نظر آتی ہے۔ نعت کا موضوع بلاشبہ ارتقاء پذیر اور بتدریج بڑھنے والا موضوع ہے۔ اس کے مضامین میں عہد بہ عہد وسعت پیدا ہو رہی

ہے جیسے جیسے زمانہ ترقی کر رہا ہے اور نئے نئے سائنسی انکشافات رونما ہو رہے ہیں، ویسے ویسے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات، انسانی تہذیب ومعاشرت اور تاریخ سیاست پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بڑھتے ہوئے اثرات اور ان اثرات سے پیدا ہونے والے نت نئے محسوسات نعت کا موضوع بن رہے ہیں۔ الغرض آج کے دور کی نعت مدح وثنائے خواجہ دو جہاں کے ساتھ ساتھ سیرتِ سرکار دو جہاں کے متنوع گوشوں اور پہلوؤں کو بھی ہمارے سامنے حسین وجمیل انداز واسلوب اور دلکش پیرایئے میں پیش کرتے ہوئے نظر آتی ہے۔ چند نمائندہ اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

حیران ہے تاریخ، کہ طے کیسے کیا تھا::: اِک رات میں صدیوں کا سفر، رحمتِ عالم!
یہ آپ کا صدقہ ہے جو دنیا میں ہے جاری::: تہذیب و تمدن کا سفر رحمتِ عالم!
یہ علم کی دولت بھی ہمیں آپ نے دی ہے::: بخشا ہمیں جینے کا ہنر رحمتِ عالم!
تخصیص نہیں کوئی جہاں شاہ و گدا کی::: وہ در ہے فقط آپ کا در رحمتِ عالم!
اُن کو بھی اماں دی ہے جو تھے خون کے پیاسے::: رحمت ہی برستی رہی رحمت کی گھٹا سے
آمدِ سرورِ عالم کی بدولت جاگی::: وہ جو صدیوں سے تھی سوئی ہوئی قسمت جاگی
ذہن تبدیل ہوئے آپ کی سیرت کے طفیل::: آگ نفرت کی بجھی، دل میں محبت جاگی
آپ نے زندہ کیا مردہ ضمیروں کو حضور!::: آپ کے دور میں انسان کی غیرت جاگی
آپ نے توڑ دی زنجیرِ غلامی آقا!::: وہ جو آزاد تھی انسان کی فطرت جگی
آپ نے محنت کی عظمت کا لوگوں کو احساس دیا ::: آپ سے پہلے دنیا میں خوش حال کوئی مزدور نہ تھا
پیار سے پتھر دل والوں کو آپ نے ہی تسخیر کیا ::: آپ کے خُلق سے وار کسی تلوار کا بھی بھر پور نہ تھا
یہ جو اخلاق کی انساں کے بدن پر ہے قبا ::: سب سے پہلے مرے سرکار نے پہنائی ہے
آپ کے قدموں سے وابستہ آج بھی منزل عظمت کی ::: آج بھی انسانوں کی رہبر صرف شریعت آپ کی ہے
اب تک تو نازل ہو جاتا اس دنیا پر رب کا عذاب ::: روکے ہوئے اس بربادی کو آقا رحمت آپ کی ہے
جہانِ تیرگی میں روشنی کا انقلاب آیا ::: بشکلِ مصطفیٰ علم و عمل کا آفتاب آیا
قدم جب رحمۃ اللعالمیں کے آئے دنیا میں ::: اُسی دن جبر و استبداد کا یومِ حساب آیا
ستم کی دھوپ میں پھیلا دیے سائے محبت کے ::: یہ کون آیا جو لے کر ساتھ رحمت کا سحاب آیا
آج بھی رہنمائی ہماری ::: آپؐ کے نقشِ پا کر رہے ہیں

***

علیم ناصری

نعتیہ شہر آشوب : ایک تحقیقی مطالعہ

عربی میں شہر آشوب

مولانا فضل حق خیر آبادی (م:۱۸۶۱ء) ہندوستان کی جنگِ آزادی (۱۸۵۷ء) کے معتوب علماء میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ دیگر علماءِ حق کی طرح انگریزی استبداد کے ہاتھوں سزا یاب ہوکر انڈیمان میں اسیر ہوئے اور وہیں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ وہاں کے مصائب و آلام کا تذکرہ انہوں نے عربی نثر میں ''الثورۃ الہندیہ'' کے نام سے لکھا اور اس کے علاوہ دو قصائد عذریہ (قصائد فتنۃ الہند) عربی میں لکھے۔ یہ قصائد جہاں شعر و ادب کا بیش بہا نمونہ ہیں، وہاں اس دور کے حالات کی عمدہ تاریخ بھی ہیں۔

مولانا نے ان قصائد میں اپنے رنج و غم کو بھی بیان کیا ہے اور انگریزوں کی ہجو میں بھی نہایت مؤثر اور شاعرانہ تصویر کشی کی ہے۔ چند اشعار کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

سوزِ دل سے میرے پہلو کی ہڈیوں میں آگ بھڑک رہی ہے۔ آنسو خشک اور اندرونی اعضا پگھل گئے ہیں... مجھ پر نازل شدہ مصیبتوں اور میری اہل وطن سے دوری پر دوست روتے اور دشمن خوش ہوتے ہیں۔ ملکہ وکٹوریہ کے متعلق کہتے ہیں: مجھے ایک عورت کے مکر نے مبتلاءِ مصائب کر دیا۔ عورتوں کا مکر بڑا ہی زبردست مکر ہے۔ جزائر انڈیمان کے متعلق لکھتے ہیں: مجھے وحشیوں میں بسا دیا گیا۔ اس قید خانے میں دو قسم کے وحشیوں: ڈاکوؤں اور اجنبیوں کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ یہاں کی آب و ہوا ناموافق اور وبائی ہے۔ نہ تو اس کے کھانے میں شکم سیری ہے، نہ پانی میں سیرابی۔

مولانا نے وہاں کے انگریز حاکموں کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے ان کی حق گوئی و بیباکی کا اندازہ ہوتا ہے: ''بہت سے سفید، رنگ شراب خور مونچھوں والے دشمن مجھ پر بیداد کرتے ہیں۔ وہ سیاہ جگر، سیاہ رو، نرم جلد اور سخت قلب واقع ہوئے ہیں۔ وہ بد بخت و بے شرم ہیں، انہیں نہ ننگ و عار ہے نہ غیرت و حلم۔ سارے عیوب ان میں موجود ہیں، مردوں میں سرکشی اور عورتوں میں حرام کاری پائی جاتی ہے۔''

اسی طرح وہاں کے دیگر حالات بیان کرتے ہوئے وہ نعت کی طرف گریز کرتے ہیں اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح وتوصیف میں عشق ومحبت، سوز وگداز اور علم ومعرفت کے موتی بکھیرتے چلے جاتے ہیں اور جب وہ نعت کی ارتقائی منازل طے کررہے ہوتے ہیں تو پکار اُٹھتے ہیں:

اے رحمتِ عالم! اس شخص پر رحم کیجئے ☆ جس کے لئے زمانے میں کہیں رحم نہیں۔

میں آپ پر قربان، اس قیدی پر احسان فرمایئے کیونکہ زمین اور اس کے وسیع وعریض اطراف و اکناف اس کے لئے تنگ ہو چکے ہیں۔ اے شاکی اونٹ کے فریاد رَس! مجھ پر بھی ویسی ہی مہربانی فرمایئے، مجھے بھی بیماری اور مہجوری کی شکایت ہے۔ مصائب کی رسی زمانہ دراز سے درازتر ہے، اسے دور فرمایئے تاکہ اس اذیت سے نجات ملے۔ سخاوت وعطا کے سوا، اب رحیم و مصطفٰی کے سامنے مجھے کوئی امید نہیں۔ مجھے نفع پہنچایئے اور خدا کی بارگاہ میں سفارش فرمایئے، میری مصیبتوں پر رحم فرمایئے کیونکہ آپ مستجاب الدعوات ہیں۔

اس کے ساتھ ہی وہ بارگاہِ ربّ العزت میں بھی استغاثہ کرتے ہیں:

خدایا! میری امیدوں کو ثابت کر دکھا اور دشمنوں سے مجھے نجات دلانے میں تاخیر نہ فرما۔

مولانا کا دوسرا قصیدہ بھی اسی نہج پر ہے جس میں اپنے مصائب وآلام اور حکام کے جبر وجور کا تذکرہ ہے۔ جزائر انڈیمان کی ناموافق آب وہوا کی شکایت ہے اور پھر بارگاہِ ربّ العزت کی طرف رجوع کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں نے خدا کے سوا سب سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور اس کے سوا کسی دوسرے سے بخشش وامداد کی امید نہیں ہے۔ اسی بادشاہ عادل کی رحمت کا ہی امیدوار ہوں جس کا ذکر میرا حرزِ جاں اور میرا ورد ہے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا، حیا رکھنے والا، اور پکارنے والوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آنے والا ہے۔ ہلاکت زدہ اور مظلوم ومضطر کی دعا رد نہیں کرتا۔

اور پھر ہادیٔ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت کی طرف قلم کی باگ یوں موڑ دیتے ہیں:

اے پروردگار! اس عاجز وخستہ کو ستودہ صفات احمد وحماد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے طفیل کافر دشمنوں کے چنگل سے نجات دلا۔ تو نے انہیں تمام مخلوق کی طرف رہبری وہدایت اور عطاء واعانت کے لئے رحمت عالم بنا کر بھیجا ہے۔

اس طرح وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک طویل نعت کے بعد وہی گزارش کرتے ہیں جیسے پہلے قصیدے میں کی گئی تھی:

''میں آپ پر قربان! مجھ پر رحم فرمایئے اور مجھے بخشش سے نوازیئے، اپنی عطا سے میری مشقتوں اور غموں کی تلافی کیجئے۔ اے جود وسخا کے مالک! مجھ پر کرم کرتے ہوئے خدا سے میری سفارش کیجئے کہ

مجھے جلاوطنی اور قید تنہائی کی مصیبت اور آزمائش سے نجات دے۔''

اُردو میں شہر آشوب

اُردو شاعری نے فارسی شاعری کی آغوش میں آنکھ کھولی اور شاعری کے اُصول وضوابط کے ساتھ فکر وخیال بھی اسی سے متاثر ہوئے۔ البتہ اس میں مقامی رنگ نے تھوڑی بہت انفرادیت پیدا کی اور ہندوستانی مسلمان یہاں کے ہندو مذہب سے بھی خاصے متاثر ہوئے یہاں تک کہ ان کے عقائد وافکار میں ہندوانہ رنگ وآہنگ نے جگہ پائی۔ دیوی دیوتاؤں کی اس سرزمین پر مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کی دیکھا دیکھی اپنے اکابر اور پیروں کو مافوق الفطرت ہستیاں ثابت کرنے میں بے سروپا حکایات وروایات کا سہارا لیا اور انہی کی طرح اپنے اولیا اور بزرگوں کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا بنا کر پیش کیا۔ اس طرح بزرگوں سے برتر ہستی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی تو اور بھی زیادہ حاجت روائی کا منبع تصور کی گئی۔ لہٰذا نعت گوؤں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت منقبت اسی طرح کہنی شروع کردی جیسے ہندو کرشن جی کے بھجن کہتے تھے۔ البتہ ان کے ہاں نعتیہ شہر آشوب کہیں دکھائی نہیں دیتا محض آشوبِ ذات کی ذیل میں آنے والی نعتیں ملتی ہیں۔

اُردو شاعری ہندوستان میں اسلامی سلطنتوں کے زوال آمادہ دور میں پروان چڑھی ہے۔ جب مغلوں کا آفتاب غروب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ انگریز اور مرہٹے اپنی طالع آزمائی کے لئے ہر طرف فساد برپا کئے ہوئے تھے اور ریاستیں زیروزبر ہو رہی تھیں، اس لئے اردو شاعری میں قنوطیت کا عنصر آغاز ہی سے کارفرما نظر آتا ہے۔ قدما میں میرؔ و دردؔ کی غزلیں اور سوداؔ کے شہر آشوب اس پر دلالت کرتے ہیں۔

1. میرؔ اپنی غزل میں ہی اس آشوب پر نالاں ہے اور اس لوٹ کھسوٹ میں اس کو اپنے افلاس وفقر کے بھی لٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

چور اُچکے سکھ مرہٹے میر و گدا سب خواہاں ہیں
چین میں ہیں جو کچھ نہیں رکھتے، فقر بھی اک دولت ہے یہاں

سودا کے شہر آشوب معاشرتی بدحالی کا نوحہ ہیں، مگر وہ نعتیہ نہیں ہیں۔

2. اسی طرح مرہٹوں اور روہیلوں کی لوٹ کھسوٹ اور قتل وغارت پر شاہ عالم ثانی اپنی بربادی پر یوں نوحہ کناں ہے۔

صرصر حادثہ برخاست پئے خواری ما ::: داد برباد سرو برگ جہانداری ما

آفتاب فلک رفعت شاہی بودیم ::: بردر شام زوال آہ سیہ کاری ما
چشم ما کندہ شد از جورِ فلک بہتر شد ::: تا نہ بینم کہ کند غیر جہانداری ما

3. یہ قصیدہ اس کے ذاتی اور سلطنت کے غم واندوہ کی تصویر ہے مگر اس کو بھی نعتیہ شہر آشوب میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے دہلی اور اس کے گرد ونواح بلکہ ہندوستان کے وسیع علاقے کو متاثر کیا جس پر بہت سے شعرا نے شہر آشوب لکھے مگر ان میں بھی کوئی نعتیہ شہر آشوب نظر نہیں آتا۔ غالباً اس قسم کا انداز پہلی بار حالی کے ہاں نظر آتا ہے جس میں وہ اُمت کی بدحالی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور دست بدعا ہوتے ہیں۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
اُمت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

اس میں وہ مسلمانانِ ہند کی زبوں حالی کا رونا روتے ہیں۔ ایک ایک خرابی کا ذکر کرتے ہیں۔ ملت کی اخلاقی کمزوریوں اور معاشی اور معاشرتی پستی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

چھوٹوں میں اِطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے نہ یاروں میں وفا ہے
دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے
اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے

اور پھر آخر میں یہ گزارش کرتے ہیں۔

فریاد ہے اے کشتی اُمت کے نگہباں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے

حالی یہ جانتے ہیں کہ بگڑی کو سنوارنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، اس لئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے عرض کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا مقبولِ خدا ہے۔

4. اسی طرح آگے چل کر ایک عظیم نعت گو مولانا ظفر علی خان روایتی نعت میں تنوع پیدا

کرتے ہیں اور نہایت بلند پایہ نعت کے نمونے سامنے لاتے ہیں۔ ان کے ہاں بھی مولانا حالی کی طرح نعتیہ شہر آشوب ملتے ہیں مگر ان میں بھی وہی عقیدہ کارفرما ہے یعنی وہ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تخاطب تو کرتے ہیں مگر دعا ہی کے لئے عرض کرتے ہیں۔

اے خاور حجاز کے رخشندہ آفتاب
صبح ازل ہے تیری تجلی سے فیض یاب
خیر البشر ہے تو تو ہے خیر الامم وہ قوم
جن کو ہے تیری ذاتِ گرامی سے انتساب
مغرب کی دستبرد سے مشرق ہوا تباہ
ایماں کا خانہ، کفر کے ہاتھوں ہوا خراب
صدہا ترے غلام نصاریٰ کی قید میں
دن زندگی کے کاٹ رہے ہیں بصد عذاب
اے قبلہ دو عالم والے کعبہ دو کون
تیری دعا ہے حضرت باری میں مستجاب
یثرب کے سبز پردے سے باہر نکال کر
دونوں دعا کے ہاتھ بصد کرب و اضطراب
حق سے یہ عرض کر کہ تیرے ناسزا غلام
عقبیٰ میں سرخرو ہوں تو دنیا میں کامیاب

وہ اپنے اس انداز میں اُمت کے حال تباہ کی داستان آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گوش گزار کرتے ہیں۔

گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجدارِ یثرب و بطحا تمہی تو ہو
بپتا سنائیں جا کے تمہارے سوا کسے
ہم بیکسانِ ہند کا ملجا تمہی تو ہو

مولانا حالی اور مولانا ظفر علی خان آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تخاطب تو کرتے ہیں مگر ان سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنے کی ہی استدعا کرتے ہیں، براہِ راست استمداد نہیں کرتے۔

مولانا ظفر علی خان کی ایک اور نظم ''عرضداشت اُمت بحضورِ سرورِ کون ومکان'' ہے، جس کا آغاز

اس طرح ہوتا ہے۔

اے نشانِ حجت حق مظہر شانِ جلیل
تو نے کی تکمیل آئین مسیحاؑ و خلیلؑ

یہ ایک نعت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے سبب ملتِ اسلامیہ کے عروج کا ذکر ہے اور آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ۔

ہم ترے احکام پر جب تک عمل کرتے رہے
ہم کو ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا کوئی اپنا مثیل
پرچم اسلام اِک عالم پہ لہراتا رہا
مشوروں میں ہم رہے اقوامِ عالم کے دخیل

لیکن جب ہم نے آپ کی تعلیمات سے اغماض برتا تو پستی اور ذلت ہمارا مقدر بن گئی۔ ہم پر دور آسماں یونہی یورش کر رہا ہے جیسے کعبے پر اصحابِ فیل چڑھ آئے تھے لیکن ہم آخر آپ کی امت ہونے کے ناطے سے دوسروں کے دست نگر کیوں ہوں۔

ہم ابابیلوں سے لیکن کس لئے مانگیں مدد
جب کہ تو خود ہے ہماری فتح و نصرت کی دلیل
تکیہ جس طاقت پہ ہم کو ہے وہ ہے تیری دعا
جو کہ ہے مقبول درگاہِ خداوند جلیل
اے شفیع المذنبین! ... اے رحمۃ للعالمینؐ
أنت كهفى أنت هادى أنت لى نعم الدليل

ایک اور نظم کا عنوان ہے ''اسلامیانِ ہند کی فریاد؛ بارگاہِ سرورِ کائنات میں'' جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

اے کہ تری نمود ہے غازہ روئے کائنات
جلوہ فشاں ہیں ہر طرف تیری ہی سب تجلیات

اس میں بھی وہ حسبِ سابق حضور کی عظمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ کے نور نے شبِ حیات کی تیرگی دور کر دی۔ بت گروں نے خدا پرستی سیکھی، مگر اب ہم میں پھر وہی دور جہالت جاری ہو گیا ہے اور ہم شرعِ مبیں سے دور ہو گئے ہیں۔

مرکز ثقل سے ستون شرعِ مبیں کا ہٹ گیا
خطرہ میں آکے پڑ گیا دین قویم کا ثبات
ایک طرف ہیں ذات کی زہر بھری عداوتیں
ایک طرف ہیں نسل کے قہر بھرے تعصّبات
حکمت وعلم کا مطب دینے لگا مریض کو
بے خبری و جہل کے بو قلموں مرکبات
عالم دیں فروش نے صوفی مکر کوش نے
دام ریا بچھا دیا اوڑھ لی دلق سیئات
سب سے زیادہ مستحق تیری توجہات کے
ہم ہیں کہ ہم پر آپڑیں سارے جہاں کی مشکلات
تیری نگاہِ مہرباں ہم کو ذریعہ فلاح
تیری دعاے مستجاب ہم کو وسیلہ نجات
دور فتادہ ہی سہی تیرے مگر غلام ہیں
ہم سے بھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

5. جناب جوش ملیح آبادی کا بھی ایک نعتیہ شہر آشوب ہے، جس کے چند اشعار ہیں۔

تیرے گدائے بے نوا تیرے حضور آئے ہیں
چہروں پہ رنگ خستگی سینوں میں درد بے پری
آج ہوائے دہر سے ان کے سروں پہ خاک ہے
رکھی تھی جن کے فرق پر تو نے کلاہِ سروری
تیرے فقیر اور دیں کوچہ کفر میں صدا
تیرے غلام اور کریں اہل جفا کی چاکری
طرفِ کلہ میں جن کے تھے لعل و گہر ٹکے ہوئے
حیف اب ان سروں میں ہے دردِ شکستہ خاطری
جتنی بلندیاں تھیں سب ہم سے فلک نے چھین لیں
اب نہ وہ تیغ غزنوی، اب نہ وہ تاجِ اکبری

اُٹھ کہ تیرے دیار میں پرچم کفر کھل گیا
دیر نہ کر کہ پڑ گئی صحن حرم میں ابتری
خیز و دل شکستہ را دولت سوز و ساز دہ
مسلم خستہ حال را رخصت ترکتاز دہ

6. ایک شہر آشوب بصورتِ استغاثہ جناب سیماب اکبر آبادی کا ہے۔ یہ ایک مسدس ہے جو اقبالؒ کے ''شکوہ و جوابِ شکوہ'' ہی کی طرح ہے۔ اس میں سلطنتِ ترکی کے زوال پر نوحہ و ماتم کیا گیا ہے اور عالم اسلام کی مجموعی پست حالی پر اشک باری کی گئی ہے۔

آپ کے جاتے ہی دنیا پہ مصیبت آئی
ایک آفت جو گئی دوسری آفت آئی
آہ بربادئ اسلام کی نوبت آئی
جس کی اُمید نہ تھی ہم کو وہ ساعت آئی
قصر ملت کے در و بام پہ بجلی ٹوٹی
چمن تازہ اسلام پہ بجلی ٹوٹی

ہائے رخصت جو ہوا جاہ و جلال اسلام
رہ گیا بے ثمر و برگ نہال اسلام
جو مسلمان ہیں ان کو ہے ملال اسلام
کسے معلوم ہے کیا ہوگا مآل اسلام
کیا ہے منظور تمہیں یا شہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں کیا معلوم
خامشی کی ہے یہ حالت تو نتیجہ معلوم

وہ ہی ٹرکی جو کبھی روم بھی کہلاتا تھا
نام سے جن کے، دل اغیار کا تھراتا تھا
مدتوں سے جسے بیمار کہا جاتا تھا
اشک بھر آتے تھے جب ذکر کبھی آتا تھا
آہ اب ماتم رخصت اسی بیمار کا ہے
حال صدمے سے برا قوم دل افگار کا ہے

میں نے فریاد میں رو رو کے گزارش کی تھی
کہ بری طرح برائی پہ ہے مائل اٹلی
داد فریاد کی لیکن مجھے اب تک نہ ملی
داد تو داد توجہ بھی نہ سرکار نے کی
جاں بلب آمد و امید قرار آخر شد
وقت بگذشت و مریض آخر کار آخر شد

7. دورِ حاضر کے سربرآوردہ ہمہ جہت شاعر عبدالعزیز خالد نے نعت گوئی میں ایک خاص آہنگ پیدا کیا ہے۔ انہوں نے نعت کے کینوس کو اتنی وسعت دی کہ ''فارقلیط''، ''منحمنا'' اور ''عبدہٗ'' جیسی ایک ایک نعت کی مستقل کتابیں لکھی ہیں جو نعتیہ شاعری میں واحد مثال ہے۔ ان کے علاوہ نعتیہ مجموعے 'حمطایا'، 'ماذ ماذ' اور 'طاب طاب' پیش کئے ہیں، جن میں خوبصورت اور خیال انگیز نعتیں ہیں۔ جہاں تک نعتیہ شہر آشوب کا تعلق ہے، خالد کے ہاں بھی اس کی کثیر اور موثر مثالیں پائی جاتی ہیں۔

''منحمنا'' ان کی ایک مسلسل نعت کا مجموعہ ہے جو کم وبیش ساڑھے پانچ سو اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں نعت گوئی کا ایک بحرِ بے کراں موجزن ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انجمن کن فکاں کا صدر نشیں
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افسر آفاق و سرورِ عالم
وہ عبدہ وہ رسولہ وہ اسمہ احمد
کتاب و حکم و نبوت کا خاتم و خاتم

آگے چل کر وہ مدیح سرورِ کون ومکان کے عجیب وغریب نکات بیان کرتے ہوئے فتوحاتِ محمدی کے ذکر کے ساتھ دنیا کی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

فتور و مفسدہ برپا ہے ربع مسکوں میں
مچا ہے کارگہ شیشہ گر میں اک اودھم
شرابِ ناب سے ارزاں ہے خونِ انسانی
لہو ترنگ سے سرخوش ہے مادرِ قشعم
نہ اہل مدرسہ میں استقامت حنبلؒ
نہ اہل میکدہ میں ہمت ابو الہیثم

''حمطایا''، مختلف نعتوں کا مجموعہ ہے اور اس کی بیشتر نعتوں میں شہر آشوب کے مضامین ملتے ہیں۔

عزیز خاطر آشفتہ حالاں کون دنیا میں
ترے دیوانے پکڑیں کس کا داماں یارسول اللہؐ
بھرے گا زخم ذلت کب تری درماندہ اُمت کا
ڈھلے گی کب سحر میں شامِ حرماں یارسول اللہؐ
ہوا ہے تنگ اس پر ہر طرف سے عرصۂ ہستی
سیہ بختی نے پکڑا ہے گریباں یارسول اللہؐ!

ایک اور نعت میں اُمتِ مرحومہ کی زبوں حالی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

یہ اُمت مرحومہ کہ ہے بارِ زمیں ::: کاش اس سے جہنم کہے بدا بدا
کیوں اندلس و ہند ہیں خونبا بہ فشاں ::: ماتم کریں صیون کی راہیں کس کا
لے ڈوبی انہیں ہوس زر و منصب کی ::: ہر شے ہے مسلمانوں میں ایماں کے سوا
ہے مردِ مسلماں کی ہلاکت کا سبب ::: آسائش و زینت حیاتِ دنیا

خالد کی اکثر نعتوں میں ملت کی ابتری، مسلمانوں کی بے عملی بلکہ بد عملی، فکر و کردار کی بے راہ روی اور معاشی اور معاشرتی زبوں حالی پر حزن و ملال کی جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔ حمطایا کی ایک اور نعت میں وہ اس طرح نوحہ گر ہیں۔

اعشیٰ پکارے تجھ کو اے ناموسِ ربّ ::: یا سید الناس و دیان العرب
اے شارعِ منہاج ناموس و شرف ::: اے شارحِ متن مقاماتِ ادب

اس نعت میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت اپنے مخصوص انداز میں کہتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور اُمت کے حالِ زار پر نوحہ گر ہوتے ہیں۔

مفقود ہے آزادیٔ فکر و نظر
اے وائے بہ انجامِ ارث جد و اب
اسلام جو تسلیم جاں کا دین ہے
آلہ ہو استحصال کا یا للعجب
معنی خلافت کے ہوئے ذہنوں سے محو
بھولے مسلمان تیری بعثت کا سبب

وہ ملت بیضا کہ ہے خیر الامم
قاروں بنی یکدم جو بے رنج و تعب
تاریخ کے اوراق خوں آلود ہیں
قیمت کوئی انسان کی جب تھی نہ اب
ہم مہدی موعود کے ہیں منتظر
طالع ہوجانے ساعت دیدار کب
گردوں سے ہوگا کب مسیحا کا نزول
دجال کے غلبے کے ہیں آثار سب
پھر ہو کسی فاروقِ اعظم کا ظہور
دیتا ہے لو پھر سے شرارِ بولہب
میں نوحہ خواں ہوں اُمت مرحومہ کا
میری المنا کی نہیں ہے بے سبب

''ماذ ماذ'' کی ایک طویل نعت کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

باعث بہجت دنیا رخِ زیبا تیرا
کسی ماں نے نہ جنا تجھ سے حسین تر بیٹا
تجھ سا پایا نہ کوئی انجمن آرا ہم نے
تجھ سا دیکھا نہ کوئی چشم فلک نے تنہا

اس نعت میں وہ مقاماتِ محمدیؐ کی پہنائیوں اور رفعتوں کا ذکر کرتے کرتے سوالِ حیرت بن جاتے ہیں اور اُمت کی فکری اُلجھنوں اور عملی بے راہ رویوں پر سراپا استفہام کا پیکر بن کر پکار اُٹھتے ہیں۔

خیر و شر کا وہی عالم وہی بحرانِ یقین
ارتقا ایک فسوں ایک سراب ایک خلا
وہی اوہام پرستی وہی عذر مستی
وہی بیماری شک ہے وہی ہنگامہ لا
بس کہ دشوار ہے پہچان کھرے کھوٹے کی
دم نہ لینے دے اسے کشمکش بیم و رجا

کیسے تعمیر کریں عالم اسلام جدید
نت نیا فتنہ ہے شش طاق کہن میں برپا
کیا یہ ممکن ہے کہ اس گردش ایام کے بعد
زندہ ہو از سر نو عہد قرونِ اولیٰ

ان کے ذہن رسا میں سوالات موج در موج اُبھرتے چلے آتے ہیں۔ کیا قرآن وحدیث عہد و ماحول کے محکوم ہیں کیا قرآن فرد سے مخاطب ہے یا جماعت سے؟ کیا دین و دنیا کے مفادات جدا جدا ہیں؟ کیا سفر شوق میں جبر وتشدد جائز ہے؟ اب افلاک سے نالوں کا جواب کیوں نہیں آتا؟ کیا آسمان کے دروازے بند ہو گئے...؟

ان سوالوں میں گھری رہتی ہے اُمت تیری
کیسے بدلے ہوئے حالات سے ہو عہدہ برآ
متصل بحث و جدل میں اسے رکھیں مصروف
ہوسِ لذت امروز و خیالِ فردا
عہد پارینہ کا سرمایۂ فکر و تاویل
عہد حاضر کی نظر میں ہے خدنگ جستہ
کون تشکیک کی دلدل سے نکالے اس کو
کون جنگل میں دکھائے اسے سیدھا رستہ
مانگے خیراتِ نظر چشم زمانہ تجھ سے
سامنے قعر ہلاکت ہے پکڑ ہاتھ اس کا
کون دارین میں ہے تجھ سے اعز و اقرب
کون کونین میں ہے تجھ سے اَجل و اعلیٰ

''طاب طاب'' میں گو اکثر نعتوں میں شہر آشوب کی ذیل میں آنے والے اشعار ملتے ہیں مگر ایک نظم پر خصوصی طور پر خالد صاحب نے خود یہ نوٹ دیا ہے ''نعت کے پردے میں یہ نظم ایک ''شہر آشوب'' ہے۔''...اس نظم کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

اے امین و ایمن و مامون و ایمان و اماں
اے کہ تواز روئے قولِ فصل: مہر مرسلاں!

امن بھی آمین بھی مؤمن بھی کہتے ہیں تجھے
نو بہ نو تازہ بہ تازہ ہے تو ہر دم ہر زماں

پہلے شعر میں جو "مہر مرسلاں" کہا گیا ہے، وہ ازروئے قولِ فصل ہے۔ اس سے یہ تصور نہیں کیا جانا چاہئے کہ خدانخواستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہر مرسلاں (خاتم النبیین) اس طرح ہیں جیسے گمراہ قادیانی ملت نے عقیدہ بنالیا ہے۔ یہاں انبیاءِ سابق پر آپؐ کی فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس نعتیہ شہر آشوب میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہو کر عرض کرتے ہیں کہ تو صادق و مصدوق ہے اور میری تصدیق کی اس میں کوئی حیثیت نہیں، مگر میں ترا صدیق و صادق ہوں اور تیرے ساتھ میری اس نسبت کو اللہ نے پسند فرما کر مجھے توفیق اظہارِ بیان عنایت کی ہے۔ اس کے بعد شہر آشوب کا اس طرح آغاز ہوتا ہے:

شعر کے قالب میں ڈھلنے کے لئے بیتاب ہے
میرے سینے میں جو مخفی ہے وہ سوزِ بیکراں
کونسی شے دستبردِ وقت سے محفوظ ہے
ہر کہ ومہ ہے الم نشرح، عیاں راچہ بیاں

خالد کے ہاں ملتِ اسلامیہ پر خارجی حملہ و یلغار سے زیادہ ملت کے داخلی انتشار کی اہمیت ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اگر اُمت واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر پوری طرح کاربند رہتی تو اس کی عظمت و شوکت کو کبھی زوال نہ آتا اور کسی بیرونی طاقت کو اس پر غلبہ حاصل نہ ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ خالد کا قلم اُمت کی بے اعتدالیوں اور بے عملیوں پر نوحہ گری کرتا ہے۔

تجھ کو خود معلوم ہے احوال سارا کیا کہوں
تیری اُمت میں امانت کا مٹا نام و نشاں
دور دورہ اس میں ہے حرص و فریب و فند کا
ضعف ایمانی سے ڈھیلی پڑ گئی اس کی کماں
دل کی نامختون تھی اولاد اسرائیل کی
غالباً اب بھی ہے لیکن ملت اسلامیاں
اب نہیں خصلت کوئی اس میں دیانت نام کی
رزقِ طیب کے تصور ہی سے ہو یہ سرگراں
بغض انصاف و دیانت سے ہے اس کو للّٰہی

ان کے ذکرِ خیر میں رہتی ہے گو رطب اللساں

وہ ملت کی ایک ایک خامی پر دل گرفتہ ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اس ملت کو عدل سے رغبت نہیں رہی۔ أوفوا بالعقود (وعدے پورے کرو) کو انہوں نے کالعدم قرار دے دیا۔ ہر طرف فکری انتشار برپا ہے۔ عقل وعلم و دانش سے انہیں نفرت ہے۔ خدا کے بندے زر و مال کے بندے بن گئے ہیں۔ احترامِ آدمیت ان کے ہاں سے اُٹھ گیا ہے۔ یہ امت ملوکیت کی حامی اور وکیل بن کر رہ گئی ہے۔ اہل نظر اور اہل فکر و دانش کو یہ دشمن سمجھتی ہے۔ ایک عرصے سے یہ اہل علم کا کشت وخون روا سمجھتی آرہی ہے۔ واعظ کی خطابت نے اس اُمت کو بے عمل بنا دیا ہے۔ اہل منبر جہالت کے پتلے ہیں اور ابوجہلانِ وقت کتاب وسنت کے شارح بنے بیٹھے ہیں۔ یہ کتابوں کے دشمن ہیں مگر اُمّ الکتاب کے وارث بنے ہوئے ہیں۔

عصر حاضر کے تقاضوں کا کہاں ان کو شعور
کیا خبر ان کو ہے کیا شے حکمت ایمانیاں
کیا کریں گے یہ غلیظ القلب تالیف قلوب
انکے منہ میں جانے رکھ دی کس نے گز بھر کی زباں
ملت بیضا ولایاتِ فقیہاں میں بٹی
اب ہیں سر خلق خدا کے اور تیغ بے اماں
ہے توقع ان سے رحم و عفو و احسان کی عبث
فرقہ زہاد ہے ہم مشرب چنگیزیاں

ان کی بربریت قرونِ مظلمہ کے قصے نہیں عصرِ رواں اس کا چشم دید گواہ ہے۔ تفکر وتدبر ان سے کوسوں دور ہے۔

ہے ترا ارشاد مؤمن کی فراست سے ڈرو
ذکر جس مؤمن کا ہے جانے وہ مؤمن ہے کہاں

اور پھر آخر میں اس طرح استدعا کرتے ہیں۔

اک نگاہِ مجرمانہ ایک حرفِ مہرباں
اے قرارِ جان خالدؔ اے عزیز دو جہاں

خالد صاحب کے بعد جس عظیم نعت گو کا نام آتا ہے، وہ حفیظ تائب ہیں۔ تائب کی نعتیہ شاعری

حرف و بیان کی محتاج نہیں۔ ان کی نعتوں میں شہر آشوب کے اشعار اکثر ملتے ہیں مگر بعض نعتیں انہوں نے خاص طور پر اس نہج پر لکھی ہیں۔

جناب حفیظ تائب ایک نعتیہ شہر آشوب میں مولانا حالی اور ظفر علی خاں کی طرح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا کرنے کی درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے مصائب دور ہوں۔

محفل دہر کا پھر عجب رنگ ہے
زندگی کا چلن سخت بے ڈھنگ ہے
امن کا لفظ پابند معنی نہیں
سارے عالم پہ اُمڈی ہوئی جنگ ہے
سحرِ زر سے ہے پتھر ضمیر جہاں
عرصۂ زیست نادار پر تنگ ہے
اتباعِ شریعت کے دعوے تو ہیں
روح شیدائے تقلید افرنگ ہے

اور پھر عرض کرتے ہیں۔

پھر اُٹھا ہاتھ بہر دعا یا نبیؐ
شاد ہو جائے خلق خدا یا نبیؐ
پھر سرافراز ہو اُمت آخریں
ختم ہو یورش ابتلا یا نبیؐ
یہ وطن جو بنا ہے ترے نام پر
اس کے سر سے ٹلے ہر بلا یا نبیؐ

اسی طرح ایک اور نظم ''شب ِاسریٰ'' میں بھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج کی عظمت کے مقابلے میں اُمت کی پستی پر افسردہ ہوتے ہیں اور پکار اُٹھتے ہیں۔

جس خاک سے آقا مرے پہنچے سر قوسین
طے کرتے ہوئے عرصہ گہ عرش معلیٰ
دل کو مرے تڑپانے لگی پستی اُمت
جوں جوں مجھے یاد آنے لگی رفعت مولیٰ

اس شاہ کی اُمت ہوئی محتاجِ زمانہ
ہر نعمت کونین ہے جس شاہ کا صدقہ

اور پھر اللہ تعالیٰ سے یوں دعا گستر ہوتے ہیں۔

یہ حال زبوں اُمت مرحوم کا یا ربّ
اب شاعر سرکار سے دیکھا نہیں جاتا
پھر ملت بیضا کو سرافرازِ جہاں کر
اب پھیر دے ماضی کی طرف چہرۂ فردا

۱۹۶۵ء کی جنگ میں حفیظ تائب کا قلم یوں دعا گستر ہوا۔

اے حبیبؐ خدا اے شہ انبیاء
اپنے شیداؤں کی لاج رکھ لیجئے!
آج ہے پھر ہمیں سامنا کفر کا
نام لیواؤں کی لاج رکھ لیجئے!

اس نظم میں وہ وطن کی خوبیاں بیان کر کے جنگ کرنے والوں کی ماؤں، بہنوں اور بیویوں کی لاج رکھنے کی دعا کرتے ہیں اور آخر میں یہاں اسلام کا بول بالا ہونے کی دعا کرتے ہیں۔

آرزو ہے کہ سکہ یہاں پر چلے
صرف اور صرف اللہ کے نام کا
بول بالا رہے خطہ پاک میں
تیرے پیغام کا دین اسلام کا
یہ تمنائیں جو قوم کے دل میں ہیں
ان تمناؤں کی لاج رکھ لیجئے

حفیظ تائب کی بیشتر نعتوں میں آشوبِ دہر اور آشوبِ ملت کے نوحے ہیں۔ ان کے دل میں مسلمانوں اور اسلام کا درد ہے۔ ان کی اکثر نعتیں اسی درد کی باز گشت ہیں۔

پُر کرے گا کون روحوں کے خلا یا مصطفیٰؐ
تیری چشم لطف و رحمت کے سوا یا مصطفیٰؐ
کٹ کے ہم رستے سے تیرے جس قدر آگے بڑھے

جسم و جاں کا راستہ بڑھتا گیا یا مصطفیٰ
مال و منصب، مکروفن ٹھہرے ہیں معیارِ شرف
مٹ رہا ہے جذبہ مہر و وفا یا مصطفیٰ
زیر دستوں پر مظالم حق پرستوں کا مذاق
کیا نہیں دیکھا بنامِ ارتقا یا مصطفیٰؐ
میں نے شہر آشوب لکھا ہے بہ اُمید کرم
اب تو شہر افروز دیکھوں مصطفیٰ یا مصطفیٰؐ

یہ ''شہر آشوب'' کے مقابلے میں ''شہرافروز'' دیکھنے کی تمنا حفیظ تائب ہی کے ہاں پہلی بار دیکھنے میں آئی ہے۔غالباً (میرے علم کی حد تک) شہر آشوب میں یہ پہلی مثال ہے اور ہمارے شعروادب میں ایک اضافہ ہے۔ان کے شہر آشوب کے ٹکڑے جابجا نظر آتے ہیں۔

اسیر حادثات نو بہ نو ہے اُمت آخر
کہ اس پر یورشِ اعدا ہے پیہم سیدؐ عالم
مداوا سب دکھوں کا ہے دعا تیری شہ والا
نظر تیری سبھی زخموں کا مرہم سیدؐ عالم
دنیائے دل ہے زیر و زبر سیدؐ البشر
لیجئے گا کب ہماری خبر سیدؐ البشر
کب تک رہے گی ملت بیضا رہین یاس
اے چارہ ساز درد بشر سیدؐ البشر

ایک اور نعتیہ شہر آشوب میں حفیظ تائب قوم کی بدحالیوں کا تذکرہ کرتے ہیں اور آنحضورؐ کے اکرام کے طلب گار ہوتے ہیں۔

اے نوید مسیحا تری قوم کا حال
عیسیٰ کی بھیڑوں سے ابتر ہوا
اس کے کمزور اور بے ہنر ہاتھ سے
چھین لی چرخ نے برتری یا نبیؐ
روح ویران ہے آنکھ حیران ہے

ایک بحران تھا ایک بحران ہے
گمشنوں شہروں قریوں پہ ہے
پر فشاں ایک گھمبیر افسردگی یا نبیؐ
سچ مرے دور میں جرم ہے عیب ہے
جھوٹ فن عظیم آج لاریب ہے
ایک اعزاز ہے جہل و بے رہروی
ایک آزار ہے آگہی یا نبیؐ
زیست کے تپتے صحرا پہ شاہ عربؐ
تیرے اکرام کا ابر برسے گا کب؟
کب ہری ہوگی شاخ تمنا مری
کب مٹے گی مری تشنگی یا نبیؐ

ایسا ہی ایک اور استغاثہ آمیز شہر آشوب ہے جس میں افغانستان پر روسی یلغار اور مسلمانوں پر جبر و جور کا نوحہ ہے۔ نیز فلسطین پر صہیونی تسلط اور فلسطینی مجاہدین پر اسرائیلی ظلم وتشدد پر فریاد کی گئی ہے۔ یہ ایک نالہ غم ہے جس میں حفیظ تائب کی فغاں یوں ابھرتی ہے۔

آمادہ شر پھر ہیں ستمگر مرے آقا
اُمت کی خبر لے مرے سرور مرے آقا
افغانیوں پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا ہے
خوں ریز ہیں کہسار کے منظر مرے آقا
مسموم و شررِ بار ہیں کابل کی فضائیں
مغموم ہیں سب سرو و صنوبر مرے آقا
ہے سطوتِ محمود مسلماں سے گلہ بند
غزنی کا ہر اک ذرّہ ہے مضطر مرے آقا
پھر بھیک ہمیں قوتِ حیدر کی عطا ہو
اک حشر بپا ہے پس خیبر مرے آقا

اس شہر آشوب میں وہ آگے فلسطین کے حال زار پر یوں اشک فشانی کرتے ہیں۔

فریاد کناں ہیں در و دیوار فلسطین
ہیں نوحہ بلب مسجد و منبر مرے آقا
نبیوں کی زمیں منتظر حرفِ اذاں ہے
پہنچے کوئی اسلام کا لشکر مرے آقا
سازش سے یہود اور نصاریٰ کی جہاں میں
توحید کے فرزند ہیں بے گھر مرے آقا

وہ اس کرب کا اظہار کرتے ہیں کہ دنیا میں تمام غیر مسلم اقوام اسلام کی دشمن ہیں اور (مقولہ) الکفر ملۃ واحدۃ کے مصداق وہ سب مسلمانوں کی تخریب وتذلیل کے لئے باہم متحد ہیں۔مگر مسلمانوں کو صرف آپ کا سہارا ہے۔

صیہونیت افرنگ کے بل پر ہے تنو مند
مسلم ترے دم سے ہے تونگر مرے آقا
ہر دور پُر آشوب میں اِک تیری دعا ہے
وہ جس سے بدلتا ہے مقدر مرے آقا
توفیق جہاد اُمت آخر کو بھی مل جائے
طاغوت صف آرا ہے جو کھل کر مرے آقا
پھر غلبہ اسلام ہو آفاق میں ہر سو
تائب کو یہ حسرت ہے برابر مرے آقا

حالی اور ظفر علی خاں کی طرح تائب کا بھی شہرآشوب کا نقطہ ارتقا حضورؐ سے دعا کرنے کی استدعا پر ہی منتج ہوتا ہے۔ یہاں یہ گذارش کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرونِ اولیٰ کی عربی نعتیہ شاعری میں حضورؐ سے دعا کرنے کی استدعا کرنا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ یہ بھی عجمی شعرا کا ہی خاصہ ہے۔اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کا وہ واقعہ یاد آتا ہے جب وہ نمازِ استسقاء کے لئے حضورؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بارش کی دعا کرنے کے لئے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اگر وہ آنحضورؐ سے دعا کرنے کی التجا کرنے کا عقیدہ رکھتے تو ضرور ایسا کرتے مگر وہ حضورؐ کی تعلیم ہی کے باعث جانتے تھے کہ وفات کے بعد انبیا سے بھی کوئی التجا نہیں کی جاسکتی۔آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے استمداد کا نظریہ شرعی لحاظ سے درست نہیں۔

ہمارے ایک اور بزرگ شاعر جناب قمر میرٹھی مرحوم نہایت عمدہ نعت گو تھے۔ وہ بھی ایک مخمس نعتیہ شہر آشوب بعنوان ''بحضورِ رحمتِ تمام علیہ الصلوٰۃ والسلام'' میں اپنا دردِ دل اور امت کی بدحالی کا نوحہ اس طرح کرتے ہیں۔

آپ کے در پہ یہ فقیر لایا ہے شاہِ کائنات
آنکھوں میں اشک غم کی رو دل میں ہجومِ واردات
عرصہ گزر گیا حضور تنگ ہے عرصۂ حیات
آپ کے لطف کے سوا کوئی نہیں رہِ نجات
میرے حضور التفات میرے حضور التفات

سو گئی روح غزنوی جاگ اٹھا ہے سومنات
اہل حرم پہ خندہ زن آج ہیں لات اور منات
آپ ظہور حسن ذات آپ مظاہر صفات
ایک نگاہ التفات ایک نگاہ التفات
میرے حضور التفات میرے حضور التفات

حال بیاں ہو کیا حضور اُمت خستہ حال کا
اب نہ خوشی کی ہے خوشی اب نہ الم ملال کا
دل سے نکل گیا خیال اوج کا اور زوال کا
مسخ توہمات نے کردیے سب تصورات
میرے حضور التفات میرے حضور التفات

نو بندوں کی یہ نظم اُمت مسلمہ کے حال تباہ کا نوحہ ہے جس میں ہر بند کے ٹیپ کے مصرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے التفات کی استدعا کی گئی ہے۔ آخری بند میں اعترافِ گناہ اور امیدِ عفوو رحمت کے ساتھ نگاہِ التفات کی طلب کی گئی ہے۔

قلب صمیم سے ہوں میں معترف گنہ حضورؐ
فردِ عمل میں ہیں مری صرف قصور ہی قصور
اس کے بوصف امید عفو رکھتا ہے بہ قمر ضرور
طالب التفات پر ایک نگاہِ التفات

میرے حضور التفات میرے حضور التفات

اسی طرح ایک اور نظم بعنوان ''صدقہ معراج کا''، مخمس کی صورت میں لکھی گئی ہے جس میں وہ پاکستان کے دو نیم ہونے کے حادثے پر نالہ زن ہیں جو ۱۹۷۱ء میں رونما ہوا۔

دو برس پہلے گزرا تھا جو حادثہ
اک ورق روح فرسا ہے تاریخ کا
بھائی سے بھائی ایسا ہوا ہے جدا
اب خدا ہی ملائے تو ہوں ایک جا
یا حبیبؐ خدا یا حبیبؐ خدا

ہند میں قید ہیں اب تک اپنے جواں
جھیلتے ہیں جو ہر طرح کی سختیاں
آہ سویا ہے کیسا ضمیر جہاں
ہے زباں اور کوئی نہیں بولتا
یا حبیبؐ خدا یا حبیبؐ خدا

آپ کی ملت اے رحمت کل اُمم
ہر طرح ہے خراب ستم صید غم
آپ ہی ہیں مداوائے درد و الم
دہر میں آپ کا در ہے باب الشفا
یا حبیبؐ خدا یا حبیبؐ خدا

قمر بھی آخری بند میں حضورؐ کی بارگاہ میں اُمت کے حق میں دعا کرنے کی ہی درخواست کرتے ہیں اور اسلام کی عظمت رفتہ کے لوٹ آنے کے آرزومند ہیں۔

پھر ہو صبح سکوں کا طلوع آفتاب
عظمت رفتہ پھر لوٹ آئے شتاب
پھر مسلماں ہوں دنیا میں سطوتِ مآب
کیجئے اپنی اُمت کے حق میں دعا
یا حبیبؐ خدا یا حبیبؐ خدا

دورِ حاضر کے بیشتر نعت گو شعرا نعت میں آشوبِ ذات کے ساتھ ساتھ آشوبِ ملت کو بھی اپنا موضوعِ سخن بنا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حالات کی بوقلمونی حساس دل شاعر کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی اور شاعر اپنے جذبات کو شعری جامہ پہنانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ہندو پاک کی گذشتہ دو جنگیں، افغانستان پر روسی تسلط، فلسطین اور عالم اسلام کے دیگر ممالک میں مسلمانوں کی ابتری کسی نہ کسی صورت میں ہمارے شاعر کے نوکِ قلم پر آتی رہتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ نعت میں بھی شہر آشوب کے مضامین اکثر نعت گوؤں کے ہاں پائے جاتے ہیں۔ خواہ وہ باقاعدہ نعتیہ شہر آشوب کی صورت میں ہوں خواہ نعتیہ مضامین کے ساتھ تذکرہ، اس قسم کے کچھ اشعار داخل ہوں۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس سے ایک مسلمان شاعر مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا انداز کیا ہے اور اس کے فکر و تخیل کی رسائی کہاں تک ہے؟

(10) جناب یزدانی جالندھری کا ایک قصیدہ ہے جس میں شہر آشوب کی صورت میں حضورؐ سے دعا کی درخواست بھی کی گئی ہے اور بگڑے ہوئے حالات پر چشم عنایت کی تمنا بھی ہے۔

ہوگئی خوار و زبوں آپ کی اُمت آقا
اس کے حالات ہیں آئینۂ عبرت آقا
جس کے اقبال پہ حیران تھے اہل عالم
اب اک ادبار ہے اس قوم کی قسمت آقا
وہ جو اسلاف کی میراث گراں مایہ تھی
اب نہ باقی وہ حمیت نہ وہ غیرت آقا
تخت ِکی، خسرو و جم جس نے الٹ ڈالے تھے
قابل رحم ہے اس قوم کی حالت آقا

اس قصیدے میں مسلمانوں کی علمی پستی، اخلاقی بے رہروی، باہمی نفاق و انتشار اور اغیار کی دریوزہ گری پر رنج و غم کا اظہار کیا گیا ہے اور پھر یہ استدعا کی گئی ہے۔

اس کے بگڑے ہوئے حالات سنور سکتے ہیں
ہو اگر آپؐ کی اک چشم عنایت آقا
کیجئے عرض بہ درگاہ خداوند جہاں
پھر عطا ملت بیضا کو ہو عظمت آقا

(11) ایسا ہی ایک قصیدہ ریاض حسین چودھری کا ہے جس میں ان کا یہ دعویٰ بھی ہے۔

آبگینوں کی سوغات لایا ہوں میں
طرز میری ہے سب سے جدا یا نبیؐ

حالانکہ یا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تخاطب کا نمونہ سابقہ صفحات میں حفیظ تائب کے ذکر میں دیا جاچکا ہے۔ ریاض صاحب کے اس قصیدے میں وہی نوحہ گری ہے اور فریاد کی وہی لے ہے جو دوسروں کے ہاں پائی جاتی ہے۔ کوئی خاص طور پر ''جدا طرز'' نہیں ہے۔

جبر کی قوتیں دندناتی پھریں
ظلم کی ہوگئی انتہا یا نبیؐ
صحنِ اقصیٰ سے کابل کی دہلیز تک
ایک کہرام سا ہے بپا یا نبیؐ

حالانکہ یہ کہرام کابل کی دہلیز تک ہی نہیں اندر کے در و دیوار تک زلزلہ انگیز ہے۔ آگے پھر وہی اندازِ استمداد ہے جو دوسروں کے ہاں ملتا ہے۔

کس کے در پر کروں میں صدا یا نبیؐ
کون اپنا ہے تیرے سوا یا نبیؐ

اب جب مسلمان کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی ہستی دعا سننے والی یا مصائب و مشکلات دور کرنے والی نظر نہ آئے تو پھر اللہ تعالیٰ کی اہمیت و عظمت اور کس کے ہاں ملے گی؟

اللہ کا ثانی ہے ، نہ کوئی ہمسر ::: پیغام یہ لائے ہیں سب پیغمبر
مت اس کے سوا کسی کو مشکل میں پکار ::: لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَر
(علیم ناصری)

ہمارے اس دور میں تو نعت میں استمداد ایک لازمی عنصر اختیار کر گیا ہے اور نوجوان شعرا تو سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کئے بغیر دھڑا دھڑ انعتیں ہی کیا نعتوں کے مجموعے شائع کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''مختارِ کل'' کا لقب دے رکھا ہے اور کائنات کی ہر چیز آپؐ کے زیر اختیار ٹھہرا دی گئی ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ قرآن اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے بھی سراسر خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سخنورانِ اسلام کو سیدھی راہ دکھائے اور ان پیروانِ حسانؓ بن ثابت کو انہی کے اندازِ فکر و نظر سے بہرہ وری عطا فرمائے...!! اللھم إنی اسئلك علما نافعا و عملا متقبلا

* * *

عبدالمعید قاسمی

خلیل نگر، فتح پور (یو۔پی) 212601

نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حفظِ مراتب

معاصر مجلہ 'دبستان نعت' کی ایک تحریر کے حوالے سے چند معروضات

مجلہ 'دبستان نعت' کے مدیر عالی جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری نے اپنے مؤقر رسالہ کی مجلسِ مشاورت میں جن گیارہ اشخاص کو رکھا ہے، ان میں ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد ایڈوکیٹ فتح پوری چوتھے نمبر پر ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنے رسالے کے شمارہ نمبر ۷ میں محترمی ومکرمی علامہ اقبال اعظمی کا ایک مضمون زیرعنوان ''زاویۂ نگاہ'' شامل کیا ہے، جس کا عنوان ''دبستان نعت نمبر ۶ پر تبصرہ'' ہے۔ اس مضمون کا وہ حصہ جو ڈاکٹر آزاد فتحپوری سے متعلق ہے، وہ مافی البحث رسالہ کے صفحہ ۴۲۸ سے شروع ہوکر اس کے صفحہ ۴۳۶ پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ یہ مضمون جیسا کہ اس کے بین السطور سے واضح ہے، ڈاکٹر سراج احمد قادری کی درخواست پر لکھا گیا ہے، جس کا ترشح محترم شاعر ڈاکٹر شررؔ مصباحی کے اس خط سے ہوتا ہے، جو موصوف نے مدیر رسالہ 'دبستان نعت' کے ایک مراسلہ کے جواب میں ۲۳؍ مارچ ۲۰۲۱ء کو رقم کیا تھا۔ ڈاکٹر شرر مصباحی اپنے محولہ بالا خط میں رقمطراز ہیں: ''والا نامہ موصول ہوا، آپ نے مجھ بے بضاعت سے ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری کے اعتراض دربارۂ ترکیب 'گنبد خضریٰ' پر استفسار کیا ہے''۔

محترمی ومکرمی مولانا اقبال اعظمی گھوسی مئو، یوپی فرماتے ہیں: ''نور نوابی صاحب کے نعتیہ مجموعہ کلام ''قلزمِ نور'' کے بارے میں ڈاکٹر آزاد صاحب فرماتے ہیں: ''حضرت نورؔ کے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکرِ خیر بہت زیادہ ادب واحترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اُن کے کلام میں راقم کو ادب کے منافی کچھ نظر نہیں آیا''۔ (شمارہ: ۳، صفحہ ۳۰۹)۔ اس مضمون کے بارے میں جب راقم نے ڈاکٹر آزاد فتحپوری سے دریافت کیا، تو واضح ہوا کہ ڈاکٹر آزاد فتحپوری نے اپنے دیرینہ دوست ڈاکٹر سراج احمد قادری سے اپنی استوار رفاقت کی بنا پر بھی عرض کیا تھا کہ نوری صاحب نے آپ کے پاس اپنے بارے میں میرا مضمون ارسال کیا ہوگا، اس میں، میں نے جو اغلاط نشاں زد کئے ہیں، ان کو ہٹانے کی درخواست محترمی نور صاحب نے اپنے فرستادہ مرید سے، جو ڈاکٹر آزاد سے محولہ بالا مضمون لکھوالے گئے تھے، بھیجی تھی، جسے ڈاکٹر آزاد فتحپوری نے مسترد کردیا تھا اور نوری صاحب سے بذریعہ ٹیلیفون عرض کردیا تھا کہ میں انہیں

نہیں ہٹاؤں گا۔ کیونکہ نعتیہ کلام میں اسقام کی نشاندہی سنتِ نبی ﷺ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے کعب بن زہیر کے مشہور قصیدۂ نعت کے شعر نمبر ۵۱ میں بے نظیر اصلاح فرمائی تھی۔

ہٹانے کا فعل ڈاکٹر آزاد کا فعل نہیں ہے۔ یہ باتیں ڈاکٹر آزاد نے مدیر رسالہ سے از خود عرض کر دی تھیں، کیونکہ وہ ڈاکٹر آزاد کے ان کے خود کے قول کے مطابق، ان کے درجہ اوّل کے بے تکلف دوست ہیں اور انہوں نے ڈاکٹر آزاد صاحب کو از راہِ الفت اپنے موقر رسالہ کی مجلس مشاورت میں مشمول کا اعزاز دیا ہے۔ اس مشاورت کی مجلس میں مشمول نمبر ۲ اور نمبر ۳ پر مرقوم دو غیر ملکی حضرات کا کوئی باقاعدہ مضمون 'دبستان نعت' کے شماروں میں راقم کے نظر نواز نہیں ہوا۔

اغلباً علامہ اقبال اعظمی صاحب کو ان دونوں کے اندرونِ خانہ باتوں کا علم نہ ہوگا۔ اب چونکہ مدیر رسالہ کی بات نکل آئی ہے، تو عرض ہے کہ موصوف نے 'دبستان نعت' کے شمارہ ۷ کے اداریہ میں صفحہ ۱۳ پر ڈاکٹر آزاد کے بارے میں لکھا ہے کہ: "دوسرا پہلو جو اکتسابات نعت پر مشتمل ہے، وہ 'دبستان نعت' کے دوسرے شمارہ میں ڈاکٹر صاحب کے شائع شدہ مضمون "حمد و نعت پر میرے اور میرے عزیز تلامذہ کے تحقیقی مقالوں کا تعارف" کا چربہ ہے۔ قبل اس کے کہ ان سطور کے بارے میں کچھ رقم کیا جائے، اس حقیقت کی وضاحت ضروری ہے کہ اردو کی مختصر ترلغت 'فرہنگ عامرہ' از محمد عبداللہ خویشگی کے صفحہ ۱۷۰ کے کالم نمبر ۲ پر چربہ کے بارے میں رقم ہے، "نقش کا عکس، ملائی، عکس اتارنے کا کاغذ"۔

مہذب اللغات میں مہذب لکھنوی لفظ چربہ کی لغوی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"چربہ: خاکہ، فارسی مذکر، فصیح رائج، نگینۂ سلیمان چربہ ہے جس کا وہ خاتم ہے مہر نبوت تمہاری (امیر مینائی)

چربہ: دودھ کے اوپر کی بالائی۔ قولِ فیصل: لکھنو میں مستعمل نہیں۔

چربہ اتارنا: کسی نقش یا تصویر پر باریک کاغذ رکھ کر اس کی ہو بہو نقل کرنا۔

اردو صرف، فصیح، رائج۔

اس طرح "چربہ" کا حالیہ ترجمہ فوٹو اسٹیٹ کاپی ہے۔

جب راقم السطور نے 'دبستان نعت' شمارہ نمبر ۲ اور 'دبستان نعت' شمارہ نمبر ۷ میں مندرج ڈاکٹر آزاد فتحپوری کے ہر دو مضامین کا مطالعہ کیا، تو اس پر واضح ہوا کہ 'دبستان نعت' شمارہ نمبر ۲ میں ڈاکٹر صاحب کے اپنی بابت معروضات صرف دو صفحات (ص ۶۴ و ص ۶۵) میں مندرج ہیں، جب کہ 'دبستان نعت' شمارہ نمبر ۷ پر ڈاکٹر صاحب کے معروضات کا وہ حصہ، جو ڈاکٹر آزاد صاحب کے سوانح حیاتی عناصر سے متعلق ہے، سترہ صفحات پر (از صفحہ ۳۴۲ تا صفحہ ۳۵۸) مشتمل ہے۔ یہ دو مضامین

کے عنوانات حسب ذیل ہیں۔ 'دبستان نعت' شمارہ ۲۵ میں مندرج مضمون حمد و نعت پر میرے اور میرے عزیز تلامذہ کے تحقیقی مقالوں کا تعارف،'' دبستان نعت شمارہ ۷ میں مندرج مضمون'' میں اور میرے علمی اکتسابات، نعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ''۔

مندرجہ بالا اقتباسات کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ 'دبستان نعت' شمارہ ۷ میں مشمول خود نوشت سوانح حیات کو (جو سترہ صفحات پر مشتمل ہے) 'دبستان نعت' شمارہ ۲ میں رقم کردہ دو صفحات کا چربہ کہنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ 'دبستان نعت' شمارہ ۲۵ میں حمد و نعت میں ڈاکٹر صاحب اور ان کے عزیز طلبا کے تحقیقی مقالوں کا تعارف ہے، جب کہ 'دبستان نعت' شمارہ ۷ میں صرف ڈاکٹر آزاد صاحب کے علمی اکتسابات نعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ مرقوم ہیں۔

اللہ پاک نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے فتعزروہ و توقروہ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرو۔ جس کی زندہ مثال حضرت عمر فاروقؓ کے مندرجہ ذیل واقعہ میں ملاحظہ ہو:

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سوا سب سے زیادہ چاہتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تم مومن کامل نہیں ہو، چند دنوں کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنا دوبارہ محاسبہ کر کے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو مجھ سے زیادہ محبوب ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''الآن انت مومن یا عمر!'' اے عمرؓ! اب تم مومن کامل ہو۔ اسی سے متعلق بخاری و مسلم میں ایک حدیث مرقوم ہے، جو حسب ذیل ہے:

''لایومن احدکم حتّٰی اکون احب الیه من ولدہ و والدہ والناس اجمعین''۔ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن (مومن کامل) نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کو اپنے بیٹے، اپنے باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

مشکوٰۃ شریف کے متن میں والدہ پہلے ہے، اس کے بعد ولدہ ہے۔ یہ متن بخاری شریف کا ہے اور حدیث کو متفق علیہ تحریر کیا گیا ہے۔ مسلم شریف میں اس حدیث کا متن حسب ذیل ہے:

حدثنا محمد بن مثنےٰ و ابن بشار حدثنا محمد بن جعفر قالنا شعبه قال سمعت قتادہ یحدث عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ لا یومن احدکم حتّٰی اکون احب الیه من ولدہ و والدہ والناس اجمعین (المجلد الاوّل من صحیح مسلم)۔

اللہ پاک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قبیل کی محبت چاہتے ہیں، اس کا اندازہ درجہ ذیل واقعہ

میں ملاحظہ فرمائیں۔ ایک بار نبی اقدس ﷺ کی مجلس میں حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ اس بارے میں گفتگو فرما رہے تھے کہ حضور اقدس ﷺ اقرع بن حابس کو ان کے قوم پر حاکم بنائیں یا قعقاع بن معبد کو۔ اس گفتگو میں ان جانے میں دونوں حضرات کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ پاک نے مندرجہ ذیل آیات قرآنی نازل فرمائیں :

یا ایھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا له بالقول کجھر بعضکم لبعضٍ ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔ ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولٰئك الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ لھم مغفرۃ واجر عظیم۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو، جس طرح تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس دبی آواز سے بولتے ہیں ان ہی لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے ادب کی تخم ریزی کے لیے پرکھ لیا ہے، ان کے لیے معافی ہے اور بڑا ثواب ہے۔

ڈاکٹر آزاد فتحپوری نے ایک مقام پر بالصراحت تحریر فرمایا ہے کہ نبی ﷺ کی شخصیت کو واضح کرنے کے لیے کائنات میں کوئی مشبہ یا مستعار منہ نہیں ہے، کیونکہ رسول پاک ﷺ کی ذات اقدس دنیا و مافیہا میں اللہ پاک کے بعد سب سے افضل ہے۔ اسی سلسلے میں آپ (آزاد فتحپوری) نے عرض کیا ہے کہ حضور ﷺ کی بابت اوصاف وضمائر حتی الامکان والمقدور رفیع سے رفیع تر استعمال کی جائیں۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ عامۃ الناس بھی رسول اللہ ﷺ کی بابت اوصاف وضمائر کے استعمال میں بہت محتاط رہتے ہیں اور وہ حتی الامکان رفیع سے رفیع تر صفتیں وضمیریں استعمال کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمارے قدماء نے تاکیداً فرمایا ہے : ع

باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

اللہ پاک نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے: انا ارسلناك شاھداً و مبشراً وّ نذیراً لتومنوا باللہ و رسوله و تعزروه و توقروه و تسبحوه بکرۃً واصیلاً۔ (پارہ ۲۶، سورۃ الفتح آیت:۹) ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو شاہد اور خوشی دینے والا اور ڈرانے والا بن کر بھیجا ہے تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔

اللہ پاک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا ہے:

والذین یبایعونك انما یبایعون الله. ید الله فوق ایدیهم (پارہ ۲۶، سورۃ الفتح: ۱۰)
بے شک وہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔

اللہ پاک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھینکنے کو اپنی جانب منسوب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''وما رمیت اذ رمیت ولکن الله رمٰی'' (پارہ ۹، سورہ الانفال: ۱۷)

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وما کان الله لیعذبهم وانت فیهم۔ اور اللہ تعالیٰ کا کام نہیں ہے کہ انہیں عذاب دے، جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بیچ ہیں (پارہ ۹، سورہ الانفال: ۳۳)

اللہ پاک نے سورہ رحمٰن کی مندرجہ ذیل آیات کریمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن نیز بیان کی تعلیم دی۔ ملاحظہ ہو:

الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان (پارہ ۲۷، سورہ رحمٰن، آیات: ۱-۴)۔ اللہ پاک نے پارہ ۲۷، سورہ النجم کی آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت فرمایا ہے کہ ''وما ینطق عن الهوٰی''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے اور اسی کے آگے آیت نمبر ۵ میں بتلایا گیا ہے کہ علمه شدید القوٰی۔ آپ کو سخت قوت والے یعنی اللہ پاک نے تعلیم دی ہے، جب کہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ شدید القوٰی سے اللہ پاک مراد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود شدید القوٰی کی تفسیر میں اللہ پاک کی ذات بتلائی ہے۔

بعض حضرات نے شدید القوٰی کی تفسیر میں حضرت جبرئیلؑ کا نام لیا ہے لیکن وہ بادی النظر میں غلط ہے کیونکہ علم العقائد کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ رسل الناس رسول الملائکه سے بہتر ہیں اور اللہ کے بعد کائنات میں افضل ترین ہیں۔ علاوہ بریں جب رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود شدید القوٰی اللہ پاک کو بتلایا ہے تو آپ کے قول کے آگے سارے اقوال باطل ہیں۔

یہیں پر اس کی بھی وضاحت کر دی جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امی بایں معنی ہیں کہ آپ صلعم کا معلم ذات اللہ کی علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہے، قرآنی آیت لا تقولوا راعنا سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے کیونکہ ہیبرو زبان میں راعنا کے معنی سفیهنا و احمقنا ہیں۔ اللہ پاک نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایسے الفاظ کے استعمال سے منع کر دیا ہے، جس کے معنیٰ میں کسی دوسری زبان میں بھی ذم کے پہلو ہوں۔ اسی باعث راعنا کے بجائے انظرنا بولنے کا حکم دیا گیا اور اسی وجہ سے ہر اس لفظ کا استعمال جس میں

ذم کا پہلو ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ممنوع و حرام ہے۔ جو لوگ اس کے معنی جاہل سمجھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہل اور ان پڑھ کہتے ہیں، وہ فعل حرام کا ارتکاب کرتے ہیں، جس کا معلم اللہ پاک ہو، وہ کائنات میں اعلم ہے۔ واضح ہو کہ وہ قرآن پاک، جس میں کائنات کی ہر رطب و یابس شئے ہو، اس کا عالم جاہل یا ان پڑھ کیوں کر ہوسکتا ہے؟ اب پارہ ۷، سورہ الانعام کی آیت نمبر ۵۹ ملاحظہ ہو۔ عندہ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الا ھوط و یعلم ما فی البر و البحر و ما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا ولا حبۃ فی ظلمت الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (ترجمہ: اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ انہیں وہی جانتا ہے اور وہ جانتا ہے، جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور جو پتا گرتا ہے وہ اسے جانتا ہے اور کوئی دانہ نہیں ہے زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک۔ سب کچھ روشن کتاب میں مرقوم ہے اور یہ کتاب جس ذات پر نازل ہوئی وہ ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

اللہ پاک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پکارنے سے منع فرمادیا ہے، جس طرح اور لوگوں کو پکارا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو آیت قرآنی: لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً (پارہ: ۱۸، سورہ الفرقان: ۶۳)۔ ترجمہ: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نہ پکارو، جس طرح بعض، بعض کو پکارتے ہیں۔

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے ہیں، ان پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے دنیا میں، اور آخرت میں ان کو عذاب مبین ہے۔ اب قرآن پاک کے عربی الفاظ ملاحظہ ہوں:

ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ واعد لھم عذاباً مھینا

واضح ہو کہ ڈاکٹر آزاد فتحپوری نے اپنی مصنفہ کتابوں میں بالتصریح رقم کیا ہے کہ کسی کے قول و عمل میں تضاد کی صورت میں، اس کے قول کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ عمل اس کا فعل ہے، جو سہو و نسیان و غفلت سے مبرا نہیں ہے جب کہ قول سوچ سمجھ کر ذہنی پہنچ اور ذہنی فیصلہ کا ثمرہ ہے۔

جب رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام فرض ہے، تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کے تعارف میں جو صفات استعمال کی جائیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے بدل میں جو ضمائر استعمال کی جائیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان ہوں۔ اسی باعث ڈاکٹر آزاد صاحب نے عوامی اوصاف اور عوامی ضمائر کے استعمال کو اپنے لیے سوہانِ روح بتلایا ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی اپنی دلی کیفیات کا اظہار ہے، جس میں کسی کو مداخلت کا حق نہیں ہے۔

محترم المقام معترض صاحب کا یہ قول کہ ''اُن'' اور ''اُن کا'' ضمائر کا استعمال، تو بڑے لوگوں ہی کے لیے ہوتا ہے۔ ضمیر ''وہ'' کا استعمال چھوٹے بڑے سب کے لیے ہوتا ہے، یہاں یہ باتیں محل نظر ہیں، کیونکہ ''وہ'' اور ''اُن'' سے بہتر ضمیر ''آپ'' ہے۔ جو اساتذہ علماء اور اکابر ملت والدین کے لیے استعمال ہے۔ ہمارے یہاں متوفین و متوفیات کے لیے بھی ''آپ'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے مثلاً امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ کرام کے لیے کہا جاتا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قول مبارک ''اُذکرو محاسن موتاکم'' کے مطابق ہمارے یہاں لکھنو و دہلی اور ان کے اطراف و نواح میں ان بڑے لوگوں کے لیے ''آپ'' لفظ ہی مستعمل ہے۔

واضح ہو کہ ڈاکٹر آزاد صاحب کے کلام میں اگر اکابر کے لیے ''وہ'' اور ''اُن'' کا استعمال ہوا ہو، تو وہ خطا و سہو اور ذہن کے عدم حضور کے باعث ہوا ہوگا۔ موصوف کا راسخ عقیدہ ہے کہ رسول آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ''آپ'' ہی کا استعمال ہونا چاہیے۔ تنقید کی زد میں وہ حضرات ہیں، جو رسول خاتم النبوت و رسالت کے لیے ان الفاظ کے استعمال کو روا سمجھتے ہیں، نہ کہ وہ، جن کا عقیدہ اس کے برعکس ہے۔ عقیدہ کسی بھی شخص کا اپنا ہوتا ہے، اس میں کسی کو اعتراض کا حق قطعاً نہیں ہے۔

معترض صاحب کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ضمائر ''تو، تم، تیرا اور تجھ'' کا استعمال تمام نعت گو شعراء نے کیا ہے، جن میں علماء بھی شامل ہیں۔ بہرحال جن لوگوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ان ضمائر کا استعمال کیا ہے، انہوں نے نازیبا اور غلط فعل کیا ہے۔ اللہ پاک کے فرمان و تعزروہ و توقروہ کے بعد کسی کا بھی قول نہ قابل حجت ہے اور نہ قابلِ قبول!

واضح ہو کہ قول الٰہی کے بعد قول رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرتبہ ہے۔ اگر قول اللہ اور قول رسولؐ میں تضاد ہے، تو قول الٰہی حجت ہوگا، کیونکہ اللہ پاک نے اپنے کلام کی بعینہ حفاظت کی ذمہ داری اپنے قول مبارک ''انا نحن نزلنا الذکر و انا لہٗ لحٰفظون'' کے ذریعہ خود لی ہے۔ اقوال رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے پاس بذریعہ رواۃ آئے ہیں، جو غیر معصوم ہیں اور ان کے قوت حفظ اور مدارجِ فہم و ادراک نیز استعداد اخاذیت میں زبردست فروق ہیں، اس لیے ان پر وہ اعتماد نہیں جو کلام الٰہی پر ہے۔ ویسے کلام الٰہی اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں تصادم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اللہ پاک نے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بابت واضح طور پر فرمایا ہے ''علمہ شدید القویٰ''، ''فاوحی الی عبدہ ما اوحیٰ''، اور ''وما ینطق عن الھویٰ''، وغیرہ۔ اگر قول الٰہی و قولِ رسول میں تصادم ہے تو قولِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فہم و ادراک میں ناقلِ حدیث کا قصور ہوگا، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے ایسی حدیثوں کو پتھر پر مار دو۔

مفسرین کا مبارک قول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اگر ندا کی جائے (روضۂ انور پر) تو ادب و تکریم اور توقیر و تعظیم کے ساتھ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معظم القاب، نرم آواز، متواضعانہ لب ولہجہ میں یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہہ کر خطاب کریں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے حجرہ مبارک میں لوگوں کے عرض و معروضات بذات خود سنتے ہیں اور اگر روضۂ انور کے علاوہ کسی دور دراز علاقہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا جائے تو اللہ پاک کے ملائکہ سیّاحین اسی معروضہ کو بعینہٖ اس کی اصلی حالت و ہیئت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار میں پیش کرتے ہیں۔ یہاں پر اس حقیقت کا اظہار کر دیا جائے کہ کائنات ارضی میں ہر میت کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بذاتِ خود ہوتے ہیں، اسی لیے منکر نکیر سوال میں ما تقول فی ھٰذا الرجل کہتے ہیں۔ اس جملہ میں ہٰذا اشارہ قریب ہے اور رجل اس جسد کے لیے بولا جاتا ہے، جو روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔

خطیبِ رسول حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے بارے میں ثقلِ سماعت کی بات روایۃً و درایۃً نادرست اور ناقابلِ قبول ہے، کیونکہ وہ متفقہ طور پر خطیبِ رسول ہیں۔

واضح ہو کہ بنو تمیم کی جانب سے جب عطارد بن حاجب بن زرارہ کا ایک وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ وہ اپنے شعراء اور خطباء کا مقابلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خطباء و شعراء سے کرنا چاہتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وفد کی اس مبارزت طلبی کو قبول فرمالیا۔ خطابت میں وفد کی جانب سے خود صدر وفد نے خطبہ دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اشارہ پر اس کا جواب خطیبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ نے دیا۔ جب تقاریر کے بعد شعری مقابلہ کی نوبت آئی تو بنو تمیم کے وفد کی جانب سے زبرقان بن بدر التمیمی نے آٹھ اشعار کا ایک قصیدہ سنایا، جس کا پہلا شعر تھا:

نحن الکرام فلاحی یعادلنا
لنا الملوك و فینا یقسم الربع

ہم معزز لوگ ہیں کوئی قبیلہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہم میں بادشاہ ہوتے ہیں اور مال غنیمت کا چوتھائی حصہ ہمارے مابین تقسیم ہوتا ہے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس وقت مجلس میں حاضر نہ تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو طلب فرمایا تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے حاضری کا شرف حاصل کر کے دریافت کیا کہ زبرقان کی فکری کاوشات کیا ہیں اور جوں ہی زبرقان نے اپنی کاوشات سنائیں، حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فی البدیہہ بائیس اشعار کا ایک قصیدہ زبرقان کے قصیدہ کی زمین میں کہہ دیا، جس کا پہلا شعر درج ذیل ہے:

ان الذوائب من فسرٍ و اخوتھم
قد بیّنوا سنۃ للناس تتبع

قبیلۂ فہراوران کے بھائیوں نے ایک طریقہ بتلایا، جس میں لوگ ان کی اتباع کرتے ہیں۔

جب حضرت حسان اپنا قصیدہ سنا چکے تو وفد کے اہم رکن اقرع بن حابس نے، جن کے ذمہ منصف کے فرائض کی انجام دہی تھی، صاف صاف اعلان کیا کہ باپ کی قسم یہ شخص ترقی یافتہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خطیب ہمارے خطیب سے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے۔ (تاریخ الاداب العربی الاسلامی صفحات ۹۷۹، ۸۱۰ والاستیعاب لابن عبدالبرص ۴۹۷)۔

جہاں تک حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ کی بابت ثقل سماعت کی بابت کہی گئی ہے، وہ روایۃً ودرایۃً اصول تحقیق وتنقید کے پیمانہ پر پوری نہیں اترتی۔

۱۔ کوئی بھی خطیب، جو عالمی مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے پیش کیا جاتا رہا ہو، اس کے بارے میں ثقل سماعت کی بات سمجھ میں نہیں آتی، جو شخص بہرا ہوگا، وہ جب دوسرے (مقابل) خطیب کی بات ٹھیک سے سنے گا ہی نہیں، تو اس کا جواب کیسے دے گا۔ واضح ہو کہ جس طرح حضرت حسانؓ شاعرِ رسول تھے، اسی طرح حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس خطیب رسول تھے۔ موصوف کی شہادت یوم یمامہ میں مسیلمہ بن کذاب کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے ہوئی تھی۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت ثابت بن قیس شہید ہوئے، تو ان کا کرتا ایک مسلمان نے اتار لیا تھا۔ آپؓ نے ایک شخص کو خواب میں دکھایا کہ جب میں شہید ہوا تھا، تو فلاں شخص نے میرا کرتا اتار لیا تھا اور اس کا مکان فلان جگہ پر ہے اور فلاں شخص کے پاس میرا گھوڑا ہے اور آپ نے جس شخص کو یہ خواب دکھلایا تھا، وہ حضرت خالدؓ بن ولید کے پاس آیا اور موصوف کو اپنے خواب کی اطلاع دیدی۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے کرتا منگوالیا۔ خواب دیکھنے والے نے یہ بھی بتلایا کہ فلاں شخص کے پاس میرا گھوڑا ہے۔ آپؓ نے خواب میں یہ بھی بتلایا کہ میرا فلاں غلام ہے، میں نے اسے آزاد کردیا ہے اور میرے اوپر فلاں کا اتنا قرض ہے، حضرت ابوبکرؓ سے کہہ دو کہ وہ قرض کی رقم ادا کردیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب ان کے خواب کی اطلاع ملی تو آپؓ نے حضرت ثابتؓ بن قیس کی ساری وصیتیں نافذ کردیں۔

علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خواب کی کوئی وصیت سوائے حضرت ثابتؓ قیس بن شماس کی وصیت کے نافذ نہ ہوگی۔ (مزیلۃ الدرویہ لعلامہ عبدالحی)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ولادت ہجرت سے تین سال قبل ہوئی تھی۔ اسی طرح وصال النبیؐ

کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی۔ ان کی عمر حضرت ثابت کی شہادت کے وقت کم تھی۔ آپؓ کا شمار اصاغر صحابہ میں ہوتا ہے، جب کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے، جن کی شہادت سے وصال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اوائل خلافت میں ہوئی تھی اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس کا شمار اصاغر میں تھا۔

واضح ہو کہ کسی کی ثقل سماعت کی شہادت اُسی کے گھرانہ کے لوگوں کی معتبر ہوتی ہے، جو اس کے روز و شب کے نگران اور اس کے لیل و نہار کے شاہد ہوتے ہیں۔ یہ خصوصیات حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حاصل نہ تھیں۔ ان کے ثقل سماعت کا گواہ نہ کوئی ان کا ہم عصر رشتہ دار ہے اور نہ ان کا کوئی دوست!

یہاں پر اس بات کی اہمیت ہے کہ خاتم النبیین والمرسلین نے اپنے خطیب اور اپنے شاعر کا انتخاب ان کی خلقی و اکتسابی صلاحیتوں کی بنا پر کیا تھا۔ حضرت حسانؓ کے انتخاب سے پیشتر ان کا انٹرویو لیتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سوال کیا تھا کہ آپؓ قریش کی ہجو کیسے کریں گے۔ جب کہ میں بھی قریشی ہوں تو آپؓ نے جواباً عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو آٹا گوندھتے ہوئے دیکھا ہوگا کہ وہ کسی طرح آٹا گوندھتے وقت آٹے سے بال نکال لیتی ہیں۔ آپؓ نے اپنی زبان دکھلاتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ وہ زبان ہے کہ اگر پتھر پر پڑھا جائے، تو اس کو پاش پاش کردے اور اگر کسی کے سر پر پڑ جائے، تو اسے مونڈ کر رکھ دے۔ یہاں پر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ آپؓ کے ثقل سماعت کی بات آپ کے خانوادہ کے کسی فرد یا اکابر صحابہ میں سے کسی نے کیوں نہیں کی؟

مؤطا امام محمد میں باب فضائل اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری حدیث میں بروایت اسماعیل بن محمد بن ثابت مروی ہے کہ ثابتؓ بن قیس بن شماس الانصاری نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں ہلاک نہ ہو جاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیوں؟ تو حضرت ثابتؓ بن قیس نے عرض کیا کہ اللہ پاک نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم اپنے اس عمل پر، جو ہم نے نہیں کیا، دوسروں کی مدح پسند نہ کریں، اور مجھے اپنی تعریف پسند ہے۔ اللہ پاک کا قول ہے: ولا تحسبن الذین یفرحون بما اٰتوا و یحبوا ان یحمدوا بما لم یفعلوا الایۃ اور اللہ پاک نے کبر سے منع فرمایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے: لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر اور میں جمال کو پسند کرتا ہوں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان اللہ لا یحب کل مختال فخور اور اللہ پاک نے ہم کو اس سے منع کیا ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کریں۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھر والہ

بالقول کجھر بعضکم لبعضٍ ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔

اور میں بلند آواز ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ثابت کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم دنیا میں اچھی طرح جیو اور شہید ہو کر مرو اور جنت میں داخل ہو۔

مؤطا امام محمد کے محشی نے ''جھیر الصوت'' کا ترجمہ بلند آواز کیا ہے، جو درست ہے۔ لیکن بعدہ بغیر کسی شہادت و دلیل کے لکھ دیا کہ آپؓ بہرے تھے اور یہ بھی لکھ دیا کہ جو بہرا ہوتا ہے وہ بلند آواز ہوتا ہے۔ یہ کلیہ عامۃ الناس کے نزدیک بھی نادرست ہے۔ یہ بات جگ ظاہر ہے کہ یہ بات غلط ہے کہ ہر بلند آواز والا بہرہ ہوتا ہے یا یہ کہ ہر بہرہ بلند آواز والا ہوتا ہے۔ یہ بات مشاہدات میں سے ہے کہ بہت سے بلند آواز بہرے نہیں ہوتے اور بہت سے بہرے بلند آواز نہیں ہوتے۔ بہر حال حضرت ثابت بن قیسؓ پر بہرہ ہونے کا الزام استوار اور مضبوط شہادات کے بغیر بلکہ بغیر کسی شہادت کے ہے۔

بادی النظر میں بھی ہے کہ کسی بہرہ کو خطابت کا عہدہ نہیں دیا جاتا کیونکہ جب وہ اپنے مقابل کی آواز بخوبی سنے گا نہیں، تو اس کا جواب کیا دے گا، جب کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس نے بنوتمیم کی مبارزت طلبی میں اپنے مخالف خطیب صدر وفد کو شکست دی تھی۔

واضح ہو کہ حضرت ثابت بن قیسؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ساری جبلتیں بتلادی تھیں کہ میں اپنی ستائش پسند کرتا ہوں، میں ''احب الجمال'' (خوبصورتی کو پسند کرتا ہوں) میں ''جھیر الصوت'' (بلند آواز) ہوں، ظاہر ہے کہ اگر آپؓ بہرے ہوتے، تو اس کا اعتراف بھی کرتے؟ یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ متنِ حدیث میں آپؓ کے بہرے ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ علامہ عبدالحی نے ثابت بن قیس کے بہرے ہونے کی کوئی گواہی نہیں دی۔ اگر ان کے پاس کوئی گواہی بھی ہوتی تو ضرور پیش کرتے، کیونکہ وہ عام طور پر بغیر دلیل کے لقمہ نہیں توڑتے۔

شانِ نزول کی بابت ڈاکٹر اسماعیل آزاد آیڈوکیٹ نے بالکل درست لکھا ہے کہ پہلے کوئی واقعہ ہوتا ہے، تب اللہ پاک کی جانب سے کوئی قرآنی آیت نازل ہوتی ہے اور اس طرح وہ واقعہ اس آیت کا شان نزول ہوتا ہے۔ شانِ نزول کے تحت جو بھی علامہ مولانا مولوی نعیم الدینؒ نے رقم کیا ہے، وہ روایت و درایت کے برخلاف ہے۔ موصوف نے جو کچھ شان نزول کے تحت درج کیا ہے کہ آیت ثابت بن قیس بن شماس کے بارے میں نازل ہوئی ہے یا یہ کہ ان کو ثقل سماعت تھا وہ بغیر کسی دلیل کے کہا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ میں اہلِ نار سے ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ سے ان کا حال دریافت فرمایا تو

انہوں نے عرض کیا کہ وہ میرے پڑوسی ہیں اور میرے علم میں وہ بیمار نہیں ہیں۔ بعدہ گھر آ کر حضرت ثابتؓ بن قیس سے اس کا تذکرہ کیا تو حضرت ثابت بن قیس الانصاری نے فرمایا کہ میں اہل نار سے ہوں جس کی خبر پا کر آپ ﷺ نے فرمایا نہیں وہ اہل جنت میں سے ہیں۔

علامہ اقبال اعظمی کا ڈاکٹر آزاد فتح پوری کی گرفت کرتے ہوئے یہ قول ہے کہ ڈاکٹر آزاد فتحپوری کا حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی پر اعتراض کرنا، حضرت ابن عباسؓ پر اعتراض کرنا ہے اور ابن عباسؓ پر اعتراض کرنا، حضور ﷺ پر اعتراض کرنا ہے، غیر منطقانہ گفتگو ہے۔ ہر شخص اپنے قول کا خود ذمہ دار ہے۔ اسلامیات کے ماہرین کا بھی یہی قول ہے کہ انبیائے کرام کے علاوہ ہر شخص غیر معصوم ہے اور اس پر اعتراض ہوسکتا ہے اور احادیث رسول کی بابت بھی تحقیق ہوگی کہ راویانِ حدیث کا اعتبار کی دنیا میں کیا مقام ہے؟ اصولِ حدیث پر مہارت رکھنے والوں نے احادیث کی صحت پر بحث کی ہے اور ہزاروں احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ قرآن پاک میں بھی اللہ پاک نے اَن گنت بار ''افلا تعقلون'' اور ''افلا تتفکرون'' فرمایا ہے۔ واضح ہے کہ امام مالکؒ نے اپنے دادا کی حدیث، جو کہ صحابئ رسول تھے، نہیں لی، کیونکہ کبرسنی کی وجہ سے ان کا حافظہ اس پیمانہ کا نہ تھا کہ اس پر اعتماد کیا جائے، تو اقوال علماء یا اقوال صحابہ کو بلا تحقیق و تفحص کیوں کر قبول کیا جائے گا۔

واضح ہو کہ کسی کا قول اس کا ہوتا ہے، دوسرے کا نہیں ہوتا۔ مولانا اقبال اعظمی دام اقبالہ کا یہ قول بھی کہ مختلف مفسرین نے مختلف روایتیں بیان کی ہیں اور کسی بھی مفسر کا قول جس کی تفسیر صحیح روایات پر مبنی ہو، شان نزول کے تحت لکھنا درست ہو، اصول تحقیق کے منافی ہے۔ شان نزول ایک ہوتا ہے اور اس کا راوی اوّل کوئی نہ کوئی صحابی ہوتا ہے۔ ایک محقق کا فریضہ ہے کہ وہ راویان اولیٰ اور اس کی امتیازی خصوصیت کو مدِ نظر رکھ کر اصل تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ واضح ہو کہ مولانا و محقق نعیم الدین رحمۃ اللہ علیہ کی بابت یہ سمجھنا کہ ان سے غلطی یا چوک نہیں ہوسکتی، غلط نظریہ ہے کیونکہ انبیائے کرام کے علاوہ وہ بھی غیر معصوم نہیں۔ افضل الخلائق ﷺ نے فرمایا ہے ''کلکم خطاؤن و خیر الخطائین التوابون''، تم سبھی خطا کار ہو اور بہترین خطا کار وہ ہے جو اپنی غلطی پر نادم ہو اور توبہ و استغفار کرلے۔

ڈاکٹر آزاد فتح پوری نے ''گنبد خضریٰ'' کی ترکیب ناروا بتلائی ہے کیونکہ اس میں ایک لفظ عربی اور دوسرا فارسی کا ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اس کی فصاحت پر بحث نہیں کی۔ اگر وہ اس ترکیب کی فصاحت پر بحث کرتے تو وہ بھی یہی کہتے کہ یہ ترکیب فصیح ہے، کیونکہ غلط العوام فصیح کا مطلب یہی ہے کہ اگر کسی غلط لفظ کو عام و خاص یعنی عام آدمی اور علماء و فضلاء دونوں استعمال کریں تو

وہاں لفظ فصیح یعنی اس کا استعمال فصیح ہے۔ اگر کسی غلط لفظ کو صرف عام آدمی ہی استعمال کریں، تو اس کے لیے یہ محاورہ یعنی غلط العوام فصیح نہیں ہے کیونکہ عام آدمیوں کے لیے دوسرا فیصلہ ہے اور وہ ''العوام کالانعام'' ہے یعنی عام لوگ جانوروں کی طرح ہیں۔

کوئی بھی محقق، جب کسی کا نظریہ نقل کرتا ہے، تو وہ اس کو درست سمجھ کر نقل کرتا ہے اور وہ اس کے لیے اسی طرح ذمہ دار ہوتا ہے جب کہ کسی قول کا قائل اور اگر کوئی کسی کے قول کو نادرست سمجھتا ہے، تو اس کو نقل کر کے اس کی تغلیط کرتا ہے اور اس کے خلاف دلائل دیتا ہے۔ اس لیے علامہ مولانا نعیم الدین صاحب کا قول حضرت ابن عباسؓ نقل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تحقیق کے بعد اس قول کو حضرت عباسؓ کے صاحبزادہ کا قول سمجھتے ہیں۔ اس لیے علامہ اقبال اعظمی کا یہ قول کہ حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادیؒ نے صرف اس کو خزائن العرفان میں نقل فرمایا ہے، نادرست ہے اور نامناسب بھی۔ کیونکہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کے قول کو درست متصور کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔

عالی جناب علامہ اقبال اعظمی کا اپنے تبصرہ میں ڈاکٹر آزاد فتحپوری کی بابت یہ قول کہ ڈاکٹر آزاد کو نزول آیت کے بعد کا واقعہ ''جب یہ آیت نازل ہوئی، تو حضرت ثابت اپنے گھر میں بیٹھ رہے'' یاد رہا اور آیت کے نزول کے قبل کا واقعہ کہ انہیں (ثابتؓ بن قیس کو) ثقل سماع تھا اور آواز ان کی اونچی تھی'' ڈاکٹر صاحب بھول گئے۔ اس لیے ڈاکٹر آزاد صاحب نے مولانا نعیم الدین مرادآبادیؒ پر یہ الزام لگا دیا کہ ''لیکن انہیں اس روایت کو شان نزول کے تحت لکھنا نادرست ہے۔ (صفحہ ۶۳۰) (علامہ اقبال اعظمی کے مضمون کے صفحات ۴۳۱، ۴۳۲)۔ اس میں مولانا اعظمی کا ڈاکٹر آزاد فتحپوری کی بابت یہ قول کہ آیت کے نزول کے قبل کا واقعہ کہ انہیں (ثابت بن قیس) ثقلِ سماع تھا اور ان کی آواز اونچی تھی، ڈاکٹر صاحب بھول گئے نادرست ہے، کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کئی تحریروں میں اس واقعہ کو یعنی حضرت ثابتؓ بن قیس کی بابت ثقل سماع کو روایۃً و درایۃً غلط اور بے بنیاد بتلایا ہے، جس پر راقم السطور نے اس مضمون میں دلائل کے ساتھ بحث کی ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں)۔ مولانا نعیم الدینؒ نے اپنے ثقل سماعت کے دعویٰ کو ثابت نہیں کیا، جو اس لیے لازمی تھا کہ وہی اس واقعہ کی جان ہے اور اسی پر اس دعویٰ کا انحصار ہے کہ موصوف اہم صحابیٔ رسول خطیب پیغمبر ﷺ حضرت ثابتؓ کو ثقل سماعت تھا۔ اور آواز اونچی تھی، بات کرنے میں بلند ہو جایا کرتی تھی، جو قطعاً درست نہیں ہے نہ روایۃً اور نہ درایۃً۔

راقم کے نزدیک حضرت ثابت کے بارے میں ثقل سماعت کی بات قطعی طور پر ناروا اور غلط ہے جس کے ثبوت میں ماقبل میں کئی معتبر حتمی اور مسکت دلائل پیش کئے جا چکے ہیں۔ فافھم! ***

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی
مدیر ماہنامہ ''پیش رفت''، نئی دہلی

علیم صبا نویدیؔ کی نعتیہ نثری نظمیں

نعت کا فن عظیم بھی ہے اور قدیم بھی، یہ نہایت وسیع بھی ہے اور وقیع بھی۔ نعت کا موضع ایک ایسی ذات گرامی سے وابستہ ہے جس کی عظمت لامحدود اور جس کی وسعت بے پایاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت کا سمندر شعر و سخن کی کسی ایک صنف یا کسی مخصوص ہیئت میں کبھی قید نہ رہ سکا اور جدید وقدیم تمام شعری اصناف اور ہیئتوں میں اس کا اظہار ہوتا رہا ہے۔

جناب علیمؔ صبا نویدی عصرِ حاضر کے ایک ایسے ہی ممتاز و منفرد نعت گو شاعر ہیں، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے والہانہ عشق و عقیدت اور محبت و وارفتگی کے ساتھ سرزمین حجاز سے گہری وابستگی و دبستگی رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کے عشق و محبت کا جوار بھاٹا بھی شاعری کی کسی ایک ہیئت میں قید نہ رہ سکا ہے اور انہوں نے قدیم شعری اصناف وغزل اور رباعیات و قطعات کے ساتھ ساتھ جدید شعری ہیئتوں نثری نظم، تین سطری نثری نظم، ثلاثی، آزاد غزل، سانیٹ، ترائیلے، ہائیکو، واکا، ماہیا پھر اسی کے ساتھ گیت، دوہا اور لوری وغیرہ میں بھی نعتیہ شاعری کے کامیاب نمونے اور تجربے پیش کئے ہیں۔

جناب علیمؔ صبا نویدی کی نعتیہ نثری نظموں کا ایک مختصر قلمی مجموعہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، جو عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہونے جا رہا ہے۔ لیکن سب سے پہلے نثری نظم اردو شاعری میں آزاد غزل کی طرح ایک ایسا تجربہ ہے جو ابھی تک اردو شاعری کی روایت کا مضبوط حصہ نہ بن سکا ہے۔ بہر حال اردو شاعری میں قافیہ، ردیف کی بندش اور وزن و بحر کی قید و بند کا احساس تو معریٰ نظم کی ابتدا سے پہلے ہی ہو چکا تھا لیکن نظم معریٰ میں صرف قافیہ و ردیف ہی سے چھٹکارا

حاصل کیا گیا تھا۔ آزاد نظم ایک قدم آگے بڑھ کر بحر سے چھٹکارا حاصل کر لیتی ہے جب کہ نثری نظم وزن کی غلامی کو بھی ختم کر ڈالتی ہے۔ جہاں شاعری میں صرف جذبہ کے بہاؤ اور دباؤ کے تحت، بول چال کی زبان کے آہنگ اور جملے کی نثری ترتیب کو اپنا لیا جاتا ہے۔ اب چونکہ نعت گو شعراء نے ہر دور میں نعت کے مضامین کو کم و بیش تمام اصناف سخن میں قلم بند کیا ہے اور جو صنفِ شعر جس عہد میں زیادہ مقبول و مروّج رہی، اس صنف کو نعت کے لیے بھی اسی اعتبار سے استعمال کیا گیا۔ لہٰذا آج نثری نظم کے فارم میں بھی نعتیں خوب خوب کہی جا رہی ہیں۔

جناب علیمؔ صبا نویدی اس لحاظ سے یقیناً لائق تحسین ہیں کہ انھوں نے جدید شعری ہیئتوں میں نعتوں کے حوالہ سے بعض بڑے کامیاب تجربے کیے ہیں۔ نویدیؔ کی ان نورانی نثری نعتوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عقیدت و محبت کے اظہار، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کو نئے زاویوں سے دیکھنے دکھانے اور نعت کے باب میں فکر و فن کی نئی راہیں کھولنے کی ایک کامیاب کوشش نظر آتی ہے۔ یقیناً فکر و نظر کے لحاظ سے ان کی نوعیت اور ہیئت پرانی اور روایتی نعتوں سے بہت مختلف ہیں۔ ان کی جدت پسند طبیعت نے نئے نئے اسلوب و انداز میں نعتیہ جذبات کی ایسی خوبصورت ترسیل کی ہے کہ مشام جاں معطر اور قلب و نظر منور ہو جاتے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ اب نویدی کی چند نثری نعتوں کی بنت میں اترا جائے اور ان کی چند سطریں پیش خدمت کر دی جائیں۔

(۱) پرانے آسماں سے/ طلوع ہونے والا نیا سورج/ سب نے دیکھا/ لیکن چند ذہین آنکھوں نے/ اس کو چھوا ہے/ اس کی خوشبو کا ذائقہ چکھا ہے/ کہیں وہ خاموش اتھاہ سمندر ہے/ کہیں ان دیکھی دھڑکنوں کا نورانی اجالا/ کہیں وہ تجلی کا ظہور/ وہ سفر جس کا کوئی انت نہیں (سفر)

(۲) کالی کملی/ میرے سر پر سایہ فگن کیا ہوئی/ رحمتیں میرے حق میں آ گئیں/ میں سراپا منور ہو گیا/ میرے ظاہر و باطن کی کائنات ذات اقدس کے جلوؤں سے/ نورانی ہو گئی (معجزہ)

(۳) یہ دف بجاتی دوشیزائیں/ رس بھرے راگوں کے دلکش باغ/ مسرت میں جھومتی مسکراتی شامیں/ ٹہنیوں پہ چہچہاتے پرندے/ شاخوں پہ ڈولتی تتلیاں/ نور کے رتھ پر آنے والی/ سواری کے منتظر ہیں (سواری)

(۴) میرا رشتہ/ مسکراتے پھولوں سے/ ہنستی کلیوں سے/ خوشبودار گاؤں سے/ بہتی ندیوں سے/ کہسار کے آبشاروں سے/ جاگتے تالابوں سے/ لہراتی جھومتی صبحوں سے/ سرمست مہکتی شاموں سے/ میرا رشتہ ہے مضبوط بہت/ میں، سب سے ہوں مربوط بہت/ میری ذات میں نور نبیؐ ہے/ میرا مقدر جوہری ہے

(جوہری مقدر)

نویدی نے ان نظموں میں نئی شاعری کے اس آبدار عنصر کا بالخصوص لحاظ رکھا ہے جو ایمائیت سے عبارت ہے۔ بلاشبہ اس علامتی طرز ابلاغ نے اُن کی نعتوں کو ایک ایسی تہہ دار سے ہمکنار کیا ہے، جس میں عمق اہم بات یہ ہے کہ نویدی کی ان نعتوں کے تناظر میں اگر انہیں نور اور نکہت کا نعت گو شاعر کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا، اُن کے پورے نعتیہ کلام میں بار بار روشنی اور خوشبو کا ذکر آتا ہے، ان دونوں باتوں کے بغیر وہ اظہار خیال ہی نہیں کرتے۔ مذکورہ بالا نعتوں کے چند مصرعوں کو ہی دیکھئے

طلوع ہونے والا نیا سورج، ان دیکھی دھڑکنوں کا نورانی اجالا، کہیں وہ تجلی کا ظہور، میں سراپا منور ہو گیا، نور کے رتھ پہ آنے والی سواری، میری ذات میں نور نبی ہے، نورانی جلوؤں میں بھیگی رُتیں، جب محمدی کی روشنی میں، جس کے راہبر کی روشنی، ہماری آنکھوں میں جلوہ فگن ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اب ان مصرعوں کو چھوڑئے، اس مجموعہ میں شامل چند نعتیہ نظموں کے عناوین پر ایک نظر ڈالئے، جو نورانیت سے معمور ہیں۔ مثلاً اوّل ما خلق اللہ نوری، نورانی تبسم، نورانی پتلیاں، نورانی لمحات، روشن جھولی، نور الٰہی، نور اول وغیرہ وغیرہ۔ آپ کی نعتیہ شاعری کے پانچ مجموعے (۱)

مراۃ النور (مطبوعہ ۱۹۸۸ء) (۲) نورالسمٰوات (مطبوعہ ۱۹۸۸ء) (۳) ن (مطبوعہ ۱۹۹۰ء) (۴) نوراعظم (مطبوعہ ۲۰۰۰ء) (۵) اسم محمدؐ (مطبوعہ ۲۰۱۳ء) شائع ہو چکے ہیں۔ جن کے نام ہی سے انوار رحمت کی بارش ہو رہی ہے۔

جناب علیم صبا نویدی نے نور اول کے مظاہر کو بڑی محنت اور احتیاط سے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنویر سے اپنے فکر وفن کی دنیا کو روشن کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا روشنی ان کی نعتیہ شاعری کا بنیادی استعارہ ہے اور وہ اپنی شاعری میں روشنی کے سفیر بن کر نمودار ہوئے ہیں، جس سے خود اُن کی پوری شخصیت اور شاعری منور رہے۔

میرے نزدیک اس مجموعہ میں شامل نویدیؔ کی وہ نعتیں زیادہ موثر اور روح پرور ہیں، جس میں انہوں نے ملت اسلامیہ کی بے چارگی و بے کسی اور حالت زار کا ذکر کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا مداوا طلب کیا ہے، کہیں کہیں تو وہ سراپا دعا اور مجسم سوال بن جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں ان کی صرف ایک نعت بہ عنوان ''محتاج سہارا'' پیش خدمت ہے:

''آسماں/ سہارا دینے سے مجبور/ زمین/ سنبھالا دینے سے معذور/ سمندر/ پی جانے پر آمادہ/ ہمالہ/ ٹوٹ کر گرنے کے لیے تیار/ دور دور تک/ بہی خواہی/ خیر خواہی ناپید/ گویا/ ہر شئے کے چہرے پر/ نفرت کے شعلے/ آگ کے گولے/ ایسے میں/ ستم رسیدہ/ گناہگار/ مجروح احساس لیے/ کدھر جائے گا؟/ آپؐ کا سہارا/ نہ ملے گا تو مر جائے گا''۔

واقعہ یہ ہے کہ جدید اردو نعت عصری آگہی اور ملی شعور کا مرقع ہے، اور یہ تاریخی و ملی شعور عصری حسیّت، غم امروز اور اندیشۂ فردا کے عناصر علیمؔ صبا نویدی کی نعتیہ شاعری میں بھی پوری طرح جلوہ گر ہیں۔

***

ڈاکٹر نسرین کوثر
پرنسپل، گورنمنٹ ڈگری کالج اجس (شمالی کشمیر)

میر غلام رسول نازکی کا نعتیہ کلام

(چراغِ راہ کی روشنی میں)

تلخیص

وادیٔ کشمیر کی زمینِ گلپوش کی زرخیزی کی تاثیر جہاں کوہساروں اور میدانوں کو سرسبز و شاداب کیے ہوئے ہے، وہیں اس نے فکروفن وفہم کے گلستان بھی کھلائے ہیں جن کی خوشبو نہ صرف ریاستِ جموں و کشمیر بلکہ برصغیر کے ساتھ ساتھ دنیا کے کئی ممالک میں بھی دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اسی گلشنِ معطر میں ایک معتبر نام مرحوم ومغفور میر غلام رسول نازکی صاحب کا ہے۔ خاندانی نجابت اور شرافت کے ساتھ ساتھ نازکی صاحب کو شعری فہم وادراک کا شغف بھی ورثے میں ملا ہے۔ ہمہ جہت شخصیت کے مالک اپنے آپ میں ایک انجمن ہیں۔ عربی، فارسی، اردو، کشمیری اور انگریزی زبانوں پر یکساں عبور حاصل ہے۔ فارسی، اردو اور کشمیری تینوں زبانوں کو اپنی خلاقانہ محبت وشفقت سے مالا مال کیا ہے۔ جہاں تک اصنافِ شعر کا تعلق ہے تقریباً ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ غزل، نظم، مرثیہ، رباعی اور قطعہ کی ہیت میں ان کا کلام موجود ہے۔ اس کے علاوہ نثری ادب میں بھی انہوں نے کئی مفصل اور بصیرت افروز مضامین تحریر کئے ہیں۔ کشمیری زبان میں نازکی صاحب کے دو مجموعۂ کلام بعنوانِ ''نمرود نامہ'' اور ''آوازِ دوست'' منظر عام پر آچکے ہیں۔ ''آوازِ دوست'' کو ساہتیہ اکادمی نے انعام سے بھی نوازا ہے۔ اردو زبان میں کلامِ شعر کے چار مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ''نزاکت''، ''دیدۂ تر''، ''چراغِ راہ'' اور ''متاعِ فقیر''۔ زیر نظر مقالے میں نازکی کی نعتیہ شاعری کا جائزہ ان کے مجموعے ''چراغ راہ'' کی روشنی میں لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

مقالہ

نازکی صاحب کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے اصنافِ شعر کی ہیت کا جہاں تک تعلق ہے انہوں نے کوئی نیا تجربہ نہیں کیا ہے بلکہ روایتی ہیتوں سے ہی فیض حاصل کیا ہے۔ جہاں انہوں نے عروسِ غزل کی زیبائش کر کے اس کے جلوؤں کو اور تابنا کی بخشی ہے وہیں گلدستۂ نظم کو بھی رنگ برنگے خوشنما پھولوں سے آراستہ کر کے مزید معطر ومعتبر کیا ہے۔ اس بات سے انکار کی گنجائش نہیں کہ

وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں لیکن امر واقعہ ہے طبیعت کا نظم وضبط ان اصناف کی طرف زیادہ راغب اور موزوں دکھائی دیتا ہے جہاں موضوعاتی تسلسل پایا جاتا ہے۔ اور شاید اسی بناء پر عبدالقادر سروری کا کہنا ہے کہ ''ان کی غزل کی سرحدیں نظم سے مل جاتی ہیں''۔ اور جب ان کی رباعیات اور قطعات پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے نازکی صاحب ہر صنفِ شعر پر خلاقانہ اور استادانہ مہارت رکھتے ہیں۔ ان دونوں اصنافِ شعر سے ان کی ازلی مناسبت دکھائی دیتی ہے۔ جس کی بناء پر غزل ونظم کے ساتھ ساتھ رباعیات اور قطعات میں بھی ان کا فن کمال پر نظر آتا ہے۔ ان کی اس خصوصیت پر حکیم منظورؔ مرحوم اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

''جہاں تک رباعیات اور قطعات کا تعلق ہے ان کو پڑھ کر فوری طور پر جو باتیں ذہن میں آتی ہیں وہ یہ ہیں کہ شاعر کو رباعی اور قطعہ کے فن پر بے پناہ گرفت ہے۔ شاعر زندگی اور ماورئی زندگی کے حسین گوشوں کو کھنگالنے کے علاوہ مسلمہ اقدار کے پُراثر بیاں پر قادر ہے''۔

نازکی صاحب کی قطعہ نگاری کے فنی محاسن کے بارے میں استاد محترم پروفیسر حامدی کشمیری اس طرح رقمطراز ہیں:

''قطعہ نگاری میں ان کو یدِ طولیٰ حاصل ہے.......... وہ قطعات میں خیالات وتجربات کی ایک فکر انگیز دنیا آباد کرتے ہیں۔ یہ قطعے انکے شورِ عصر کے غمّاز بھی ہیں۔ ان میں جذبات کا ارتعاش بھی ہے۔ مشاہدے کی رنگینی بھی ہے اور فکر کی گہرائی بھی ہے''۔

موضوعاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو نازکی صاحب نے حسن وعشق، ہجر ووصال، غم وملال، مناظر قدرت، نفسیاتِ انسانی، جذبہ واحساس جیسے موضوعات کو انتہائی فنی چابک دستی سے برتا ہے۔ مناجات ونعت گوئی پر بھی ان کو اچھی خاصی دسترس حاصل ہے۔ نعت گوئی میں تو ان کا فن اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ ''دیدہ تر'' اور ''متاعِ فقیر'' میں موجود نعتیہ کلام کے علاوہ خالص مناجات ونعت گوئی پر مشتمل ان کا شعری مجموعہ ''چراغ راہ'' کے عنوان سے ۱۹۸۹ء میں شالیمار آرٹ پریس نے شائع کیا ہے۔ اس مجموعے میں جو نعتیہ کلام درج ہے وہ تقریباً تمام صنف قطعہ نگاری کی ہیئت میں قلم بند کی گئی ہیں اور جن کی تعداد ایک سو تیرہ ہیں۔ صرف آخر میں چند نعتیہ غزلیں ہیں جن میں سے تین فارسی زبان میں ہیں۔ اس مجموعے کے قطعات کے وجود میں آنے کی وجہ نازکی صاحب خود اس طرح بیان کرتے ہیں:

''دیدہ تر'' کے نام سے میرا اردو مجموعہ کلام آج سے چالیس سال پہلے چھپ چکا تھا۔ یہ نسخہ اب نایاب ہے۔ میں نے ارادہ کیا کہ 'دیدہ تر' کا اکثر حصہ اور اس کے بعد کا کلام مرتب

کرلوں اور اس کا آغاز بھی کیا، اچانک ایک واقعہ رونما ہوا جس سے میرا ارادہ بدل گیا۔ ہوا یوں کہ ۹ جون ۱۹۸۹ء کو جب میں نیند سے جاگا تو میری زبان پر بلا ارادہ چار مصرعے آگئے۔

پھول کھلتے ہیں خارزاروں میں
جب میں ذکرِ رسولؐ کرتا ہوں
دین و دنیا کی نعمتیں پاکر
نقد قیمت وصول کرتا ہوں

اس قطعہ کا ذہن پر زبردست اثر رہا اور پھر اسی بحر میں قطعات بنتے گئے جو سب کے سب نعت رسول پر متضمن تھے۔ ۲۶ جون تک ان کی تعداد سو سے متجاوز ہوگئی۔ میں نے چاہا کہ یہ سلسلہ جاری رہے مگر اچانک بند ہوا۔ اس کے بعد میں نے بہت کوشش کی لیکن ایک قطعہ بھی نہ بن سکا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ سارے اردو کلام کو چھاپنے سے پہلے اپنا نعتیہ کلام شائع کروں جس میں قطعاتِ شامل ہوں گے"۔

اور اس طرح نعتیہ کلام پر مشتمل مجموعہ "چراغِ راہ" وجود میں آیا۔ "چراغِ راہ" کی ابتداء میں "نغمۂ توحید" کے عنوان سے فارسی میں چند اشعار قلمبند کئے گئے ہیں۔ اس کو دیکھ کر اس بات کی توضیح ہوجاتی ہے کہ نازکی صاحب کو واقعی کتنی دسترس اس زبان پر حاصل ہے۔

جستجو لا الٰہ الاّ اللہ گفتگو لا الٰہ الا اللہ
چشم دل وا کن تماشا کن سو بسو لا الٰہ الا اللہ
یم بہ یم قطرہ قطرہ بحریہ بحر جو بجو لا الٰہ الا اللہ
بے حقیقت زن و زر و فرزند من و تو لا الٰہ الا اللہ
اعتبار تو لا شریک لہٗ آبرو لا الٰہ الا اللہ
مو بمو نقش کن بلوحِ دلم ہو بہو لا الٰہ الا اللہ[۵]

اس مجموعے کے آخر میں جو تین نعتیہ غزلیں فارسی زبان میں ہیں وہ بھی نازکی صاحب کی فارسی زبان دانی کی منہ بولتی دلیل پیش کرتی ہیں۔ یہ نعتیہ غزلیں اگرچہ سادہ اور عام فہم زبان میں تحریر کی گئی ہیں لیکن انتہائی پُرتاثیر ہیں۔ ان کا آہنگ وصوت دل کو چھو لیتا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے چند اشعار کو نقل کیا جاتا ہے۔

نازھا دارم کہ دلدارم توئی یا رسولؐ اللہ مددگارم توئی

از غمِ دنیا و از فکرِ معاد غافلم، دانم کہ غم خوارم توئی
خفتہ ام در سایۂ دیوارِ تو یا محمدؐ بخت بیدارم توئی

☆☆☆

رونق بازارِ امکانم تُوئی کعبۂ شوقِ فروانم توئی
جلوۂ پیدا و پنہانم توئی شعلہ شمع شبستانم توئی
تو مرا آموختی رمزِ حیات جسم و جانم دین و ایمانم توئی

☆☆☆

سر نہادم زیرِ پایت یا رسولِ ہاشمی
اللہ اللہ ایں عنایت یا رسول ہاشمی

خاست از بانگِ درایت یا رسول ہاشمی
کاروانِ نسلِ آدم خفتہ و آشفتہ بُود

نسخۂ رشد و ہدایت یا رسولِ ہاشمی
از ارمغاں آوردۂ از حق کہ ماند تا ابد

میر غلام رسول نازکی کے ہاں رفعتِ فکر، بلندیٔ خیال اور جوش جذبہ نے جہاں ان کے کلام کو حد درجہ پُراثر بنایا ہے وہیں ایک مومنانہ شان بھی پیدا کی ہے۔ زبان و بیان کی یہی روانی اور جذبہ و کیف کا یہی سرور نازکی کے تمام نعتیہ کلام میں جاری و ساری ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ فخر موجوداتؐ، خلاصۂ کائنات، صاحب لولاک ولماک، حضور پرنور، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جملۂ انسانیت کے لیے باعث رحمت و برکت و مغفرت ہیں اور اسوۂ حسنہ کے اس نورانی پیکر کی جملہ صفات کا بیان جب کیا جاتا ہے تو قلم کی سیاہی آبِ رواں بن جاتی ہے جو کہیں بھی رُکنے اور تھکنے کا نام نہیں لیتی ہے اور پھر نازکی صاحب جیسے قادر الکلام شاعر کا قلم ان صفات کو بیان کردے تو الفاظ دُرِ بے بہا بن جاتے ہیں۔

آپؐ کا نام جامع الخیرات
آپؐ کی ذات فخر موجودات

آپؐ کا ذکر رنج و غم سے نجات
آپؐ کی یاد رافع الدرجات

''چراغِ راہ'' میں جتنے بھی قطعات تحریر کئے گئے ہیں قاری کو اس طرح اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں کہ وہ پورا مجموعہ ایک ہی نشست میں پڑھ لیتا ہے۔ ایسا پاکیزہ موضوع اور پھر فنکار کا بیان ایک سکون حاصل ہوتا ہے۔ بے چین دل قرار پاتا ہے۔ دراصل عشق الٰہی اور عشقِ محبوب الٰہی ہی ایک ایسا وسیلہ ہے جو ضامنِ معراج حیات ہے اور نازکی صاحب اس عشق میں سرتاپا ڈوبے ہوئے ہیں ان کی رگ رگ اور پوُر پوُر میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کا دریا موجزن ہے اور اسی دریا کی روانی ان کے کلام میں پوری آب و تاب کے ساتھ رواں دواں ہے۔ کوئی بھی قطعہ پڑھیے پاکیزگی اور روانی کا احساس ہر جگہ پایا جاتا ہے۔

صبح کا وقت ہے دل میں کیف و سرور
غم و اندوہ دور دل مسرور
روح مخمور وجد میں ہیں طیور
وردِ جن و بشر، درودِ حضور

☆☆☆

آپؐ کے در کی خاک کا ذرہ
سرمۂ دیدۂ اُولو الابصار
آپؐ کا نام روح کا آرام
آپؐ کی ذات مرکزِ انوار

☆☆☆

آج وقتِ سحر سے رہ رہ کر
یاد آتی ہے بارگاہِ رسولؐ
جیسے میرے نصیب جاگے ہوں
جیسے میری دعا ہوئی ہو قبول

☆☆☆

آپؐ کو حق نے علم بخشا ہے
جو کسی اور کو نہیں بخشا
آپؐ کے دور کو جو فیض ملا
وہ کسی دور کو نہیں بخشا

نازکی صاحب بھی ہر باایمان مسلمان کی طرح محمدؐ کی غلامی میں ہی حیاتِ انسانی کے اسرار و رموز کو منکشف پاتے ہیں۔ اسی غلامی کو زندگی کی معراج مانتے ہیں۔ زندگی کی کامیابیوں، کامرانیوں اور شادمانیوں کو پانا ہے تو لازم ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہو جائیں اور اس حقیقت کا اظہار انہوں نے جا بجا کیا ہے۔ ان کا کوئی بھی مجموعۂ کلام پڑھیے، اس غلامی کی خوشبو سے معطّر و مالا مال ہے۔ متاعِ فقیر میں یہ خوشبو اس طرح مہک اٹھتی ہے: ؎

تجھے خبر نہیں عالی مقام ہوں میں بھی
مثلِ خضر علیہ السلام ہوں

جہانِ لوح و قلم میرے زیرِ فرماں ہے
محمد عربیؐ کا غلام ہوں میں بھی

اسی مضمون کو چراغِ راہ میں اس طرح باندھتے ہیں:۔

اِک زمانے سے میرا دعویٰ ہے
ہوں غلامِ محمد عربیؐ
آپؐ تصدیق اس کی فرمالیں
اللہ میری خوش لقبی

دنیائے ناپائیدار کی صعوبتوں اور تکلیفوں سے نجات پانے کی ایک ہی راہ ہے جس پر چلنے کی ہدایت دی گئی ہے اور یہ راستہ محمدؐ کی غلامی میں ہی پوشیدہ ہے۔ اور اسی راستے کو پانے کا عشق نازکی صاحب کے یہاں کبھی دعا اور کبھی مناجاتی لب ولہجہ اختیار کرلیتا ہے۔ جس میں تاثیر کی ایک پُرکیف وجدانی کیفیت پائی جاتی ہے۔ جہاں عشق کی خلش وتڑپ کو احترام واہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ وہیں کائنات کے مصائب ومشکلات، حیات کے رنج والم اور فرق کے کرب وبلا کا اظہار بھی نہایت سادگی وبے ساختگی کے ساتھ پایا جاتا ہے ۔

مجھ کو مایوسیوں نے گھیرا ہے سلسلہ غم کا ہوگیا تھا دراز
تیرے آتے ہی دل ہوا روشن اے تمنائے خاکِ پاک مجاز

☆☆

میں خیالوں میں دور ہی سے سہی آپ کے آس پاس رہتا ہوں
پھر یہ کیا بات ہے میرے آقا کیوں میں اکثر اداس رہتا ہوں

☆☆

بس رہا ہے بدن میں درد و فراق میری رگ رگ میں میری نس نس میں
درِ دولت پہ رات دن رہتا کاش یہ بات ہو میرے بس میں

لیکن اس غم و یاس میں امید بھی ہے اور آس بھی ہے کہ غم کا مداوا تو کبھی نہ کبھی ہوگا۔ درِ محبوب کی خاک کو آنکھیں ضرور چومیں گی۔ اور تمام دکھ درد اور غم والم سے نجات پا جائیں گے۔ اور جب تمنائے دل بارآور ہو جاتی ہے درِ معشوق کی زیارت ہوجاتی ہے دل وروح کو قرار ملتا ہے:

سامنے تھا مزارِ پُر انوار :::: پہرہ دیتی تھی فوجِ آلِ سعود

میرا دل اُن کی زد سے تھا محفوظ ::: وہ تمہاری طرف تھا سربسجود
کچھ نمازیں ریاضِ جنت میں ::: اور کچھ رو بقبلۂ حاجات
پڑھ چکا اور پھر یہ راز کھلا ::: پڑھ رہا تھا میں یا نبی صلوات

لیکن زیارت کر کے شوقِ دیدار اور بڑھ جاتا ہے تو بے ساختہ یہ دعا لبوں پہ آتی ہے:

غالباً مرے دل سے نکلی تھی ::: ملتزم میں دُعا ہوئی تھی قبول
میں نے دو بار حاضری دی ہے ::: کاش ہر سال کا ہے معمول

ہر ذی حس اور ذی شعور مسلمان کی ازلی دلی خواہش ہوتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشنودی اور رضامندی حاصل ہو جائے۔ درِ محبوبِ الٰہی کے دیدار کی تمنا کو عاشق قرارِ جسم و جان بنا لیتا ہے۔ نازکی بھی اسی کو زندگی کا ماحصل مانتے ہیں۔ دنیاوی آسائشوں اور آرائشوں کو خاکِ کوچہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محبوبِ سبحانی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اسی کوچہ کو اپنی جنت مانتے ہیں اور اس کو دیکھنے کی تمنا و تڑپ کس طرح اُن کو بے چین و بے قرار کرتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: ؎

وقفے وقفے سے آج ساری رات ::: مجھ کو باب السلام یاد آیا
چار جانب سے تھا غموں کا ہجوم ::: دفعتاً تیرا نام یاد آیا
جب میں جینے کی بات کرتا ہوں ::: میں قرینے کی بات کرتا ہوں
بات جینے کی اور قرینے کی ::: میں مدینے کی بات کرتا ہوں
لوگ کہتے ہیں جنتِ کشمیر ::: حسن کے تاج کا نگینہ ہے
یہ میرے جسم کا وطن ہے مگر ::: میرے دل کا وطن مدینہ ہے

نازکی صاحب کا ماننا ہے کہ تمام عنایات و اکرامات کا دم خم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وجودِ پاک سے قائم و دائم ہے۔ اُمید بھی ہے یقین بھی ہے کہ انسان وردِ درود کرتا رہے تو نوازشات کا در مغموم و مظلوم اور عاصی و نادم انسان کے لیے ہمیشہ وا رہتا ہے۔ اور یہ یقینِ مستحکم "چراغِ راہ" میں زیریں لہر کی طرح موجزن ہے۔ ؎

کرم وجود، مصطفیٰؐ کا وجود ::: لافنا، لازوال، لا محدود
اس کو پابندِ صبح و شام نہ کر ::: فرض دائم ہے مصطفیٰؐ پر درود
رحمتِ حق مدام آئے گی ::: صبح آئے گی شام آئے گی
جوڑ کر رکھ دُرود کی دولت ::: آخری وقت کام آئے گی

خدا کا محبوب، سب کا محبوب اور بندے کی محبوب سے محبت میں احساس و جذبہ صادق کی تپش مملول

ہوتی ہے تو دعا مانگتے ہوئے لبوں میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ قلب و جگر سیّال بن جاتے ہیں۔ چشم پُر آب ہو جاتی ہے اور مٹھی بھر مٹی سے بنے اس پیکرِ انسانی کا تمام دبدبہ، طنطنہ سب کچھ غبار بن کے بکھر کر ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ خود بخود خود سپردگی کا جذبہ قوی ہو جاتا ہے اور عاجزی اور انکساری بول پڑتی ہے:۔

خالقِ کائنات کے محبوبؐ ::: آپؐ کے خاکِ در سے ہوں منسوب
آپؐ ڈالیں نظر، ہٹالیں نظر ::: ہے مرے بخت کا طلوع و غروب
دلِ صد چاک، آپؐ کی خیرات ::: چشمِ نم ناک، آپ کی خیرات
دوست دشمنی کی زد سے ہوں محفوظ ::: شاہِ لالوکؐ آپ کی خیرات

آرزو کرنا فطرت انسانی ہے۔ کیونکہ انسان کا دل خواہشات کا مسکن ہے۔ اور پھر اس شخصیت کی آرزو دل میں بسانا جو انتہائی قابل احترام ہے۔ یہ تمنا ایسی ایک تمنا ہے جو ہر دھڑکتے دل کی دھڑکن ہے جس کی لے کو تھام کر زندگی گذاری جاسکتی ہے۔ نازکی ایسی آرزو تو کرتے ہیں لیکن سوچ کپکپا اٹھتی ہے ۔

بار بار سوچتا ہوں خلوت میں
میں جو کرتا ہوں آرزوئے رسول
کیا مناسب ہے زیب دیتا ہے
یہ تمنا اور مردِ جہول

نعت گوئی پر نازکی صاحب کی اچھی خاصی گرفت ہے اور اس حقیقت سے بھی واقف ہیں کہ یہ صنف شعر انتہائی احترام و ادب کی متقاضی ہے۔ جس کا خیال ہر حال میں رکھنا لازم ہے کیونکہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پہلی نعت تو خود اللہ جل شانہ، نے لکھی ہے۔ اور یہ احساس خود نازکی صاحب کو بھی بے انتہا ہے اس لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف میں مدح میں حد درجہ انکساری اور عاجزی قابل دید ہے اور اس کا اعتراف اس طرح عاجزانہ انداز میں کرتے ہیں ۔

ہم بھلا کیا لکھیں گے نعتِ رسولؐ
نعت ہی نعت ہے خدا کی کتاب
آپؐ کی مدح سورۃ حجرات
نونؔ، یاسینؔ، انبیا، احزاب
سیرت و نعمت ہے قرآنِ شریف
خالقِ کائنات کی تصنیف

اک جذبِ دروں کا ہے اظہار
کیا لکھے نعت ایک عبدِ ضعیف

لیکن پھر اس بات سے دل کو تسلی اور تشفی ہو جاتی ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرنور کی نظرِ عنایت و کرم کی نوازش ہے کہ اس بندۂ خاکسار کو اس اعلیٰ ترین منصب پر فائز کیا۔ جو کسی بھی بیش بہا دولت سے بڑا اور اعلیٰ ترین انعام و اکرام ہے۔ پھر ممنون و مشکور ہو کر بول اٹھتے ہیں ؎

ایک ناچیز کو شرف بخشا
ایک ذرّے کو آفتاب کیا
اس زمانے میں نعت لکھنے پر
آپؐ نے میرا انتخاب کیا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف کرنے کے لیے کتنی بھی تشبیہات دی جائیں کتنے ہی استعارات تراشے جائیں لیکن تمام کلماتِ فصاحت و بلاغت سرنگوں محسوس ہوتے ہیں۔ انسان کو اپنی کم مائیگی کا احساس بری طرح ہوتا ہے۔ صلاحیت، قابلیت اور ذہانت کے ساتھ ساتھ تراکیب و الفاظ کی تمام لغات کم پڑتی ہے۔ اپنی تہی دامانی کا احساس جب بری طرح سے کھٹکنے لگتا ہے اپنی کم مائیگی کو اس طرح سمیٹنے کی کوشش کی جاسکتی ہے: ؎

تزئینِ کائنات رسولِ خدا کی ذات
تنویدِ شش جہات، رسولِ خدا کی ذات
مجموعۂ صفات رسول خدا کی ذات
عرفانِ عین ذات، رسول خدا کی ذات

''چراغ راہ'' کے شعری منظرنامے کے تناظر میں کہا جاسکتا ہے نازکی صاحب کے دل میں جو محبت و الفت حضورِ پُرنور کے تئیں ہے وہ ایک ایسی لازوال دولت ہے۔ جس کو کبھی بھی زوال نہیں ہوسکتا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ نازکی صاحب کے ہاں جذبہ صادق کی روانی بھی ہے اور ذہن و فکر کی فراوانی بھی۔ جذبہ و فکر کی استدلالی آمیزش کر کے وہ ایسی فنی تابانی پیدا کرتے ہیں کہ حس کی پرنور کرنیں روحانی مسرت و بصیرت میں اور زیادہ اضافہ کرتی ہیں یا ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ایک چشمہ پُرنور بہہ رہا ہے جس میں شاعر کے ساتھ ساتھ قاری بھی غوطہ زن ہو کر ٹھنڈک اور فرحت کا احساس پاتا ہے۔

مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ نازکی صاحب کو بات کہنے کا ہنر بخوبی آتا ہے۔ فارسی و عربی زبان و شعری

اساس کے رمز شناس ہیں ان دونوں زبانوں کے الفاظ اور تراکیب کا ایک حسین امتزاج ان کے یہاں پایا جاتا ہے جس سے کلام میں روانی کے ساتھ ساتھ چاشنی بھی بڑھ گئی ہے۔ دراصل ان کا اپنا ایک اسلوب ہے جو ان کی تخلیقی قوتوں اور صلاحیتوں کی دلیل ہے۔ یہ اسلوب ان کا انفراد بھی ہے اور فنی بصیرت کا نشانِ راہ بھی۔ زبان و بیان کی لطافتوں اور نزاکتوں کے ساتھ ساتھ الفاظ کی نشست و برخاست پر ان کی نظر گہری ہے۔ وہ زبان کے لحاظ سے کسی بھی قسم کے بوجھل پن کا شکار نہیں ہوتے ہیں۔ انہوں نے آسان اور عام فہم زبان استعمال کی ہے لیکن لب و لہجے کی شائستگی اور ادب کی پاسداری کہیں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دی ہے۔

نازکی صاحب کے فکر و فن پر اور بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر طوالت کے پیشِ نظر اس مقالے کو نازکی صاحب کے ان الفاظ پر ختم کرنا چاہوں گی:

''میں عمر کی جس سرحد پر ہوں وہاں سے وہ اندھیری سرنگ صاف نظر آرہی ہے جس میں ہر انسان کو گذرنا پڑتا ہے۔ اپنے اعمال کی طرف دیکھتا ہوں تو نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، صرف اللہ کے عفوِ عام کی اُمید ہے اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا آسرا جسے میں بڑا سرمایہ سمجھتا ہوں۔ اس نعتیہ کلام کا نام بھی ''چراغ راہ'' رکھ رہا ہوں، اللہ کرے اس کے طفیل میری برباد زندگی میں کچھ معنیٰ پیدا ہوں اور مواخذۂ حشر سے نجات حاصل ہو۔ عمل قسم کی کوئی چیز میرے پاس نہیں، خدا گواہ ہے کہ تہی دست اور نادار ہوں''۔

اللہ کرے تمام عالم انسانیت امن و سلامتی میں رہے اور ہم سب کے گناہوں کی مغفرت ہو۔ آخر پر نازکی صاحب کے کشمیری زبان میں یہ نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

محمدؐ کَس ہُند کسن بے محمدؐ
محمدؐ رس روحک ، آرام دِلُک
وتھ یہے رٹھ وتھ گُنی چھے نجاتچ
محمدؐ بس محمدؐ بس محمدؐ

(ترجمہ: محمدؐ بے کسوں کا سہارا، دِلوں کی سکینت، روحوں کی طراوت، نجات کی ایک ہی اور واحد راہ ہے، اسی راہ کو تھام لے: محمدؐ بس محمدؐ بس محمدؐ.....مدیر)

***

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی

مدیر: ماہنامہ 'پیش رفت' دہلی

جدید اُردو نعت کا پھیلتا کینوس

روایتی موضوعات کے مقابلے عصری حسیت کا پہلو غالب

جدید اردو ادب کا آغاز سرسید اور ان کے رفقا حالی و شبلی سے ہوتا ہے، جب انہوں نے شعر و ادب کو نئے اسالیب، نئی ہیئتوں اور نئے موضوعات سے ہمکنار کیا۔ شعر کا رشتہ فردیت کے بجائے اجتماعیت اور داخلیت کے بجائے خارجیت سے جوڑا تو تمام اصناف سخن کے ساتھ نعت کے موضوع کو بھی وسیع کینوس ملا۔ اب حالی اور ان کے رفقا کی نعت حضور اکرم سے صرف عقیدت و محبت کے اظہار تک محدود نہیں رہی بلکہ اسے وسیلہ اصلاحِ سیرت و کردار بھی بنایا گیا۔ سیرت کے پیغام کو عام کرنے اور مقاصد نبوت کو فروغ دینے کی تحریکی ضرورت کا احساس بعد میں شدت اختیار کرتا گیا۔ گزشتہ نصف صدی میں ایسے ہم فکر شعرا کا ایک کارواں اردو ادب میں جادہ پیما ہوا، جن کا مقصد اسلامی ادب کا فروغ اور نعت میں عشق رسول کو اتباع رسول سے مشروط کرنے کا جذبہ ان کا رہنما رہا ہے۔

الطاف حسین حالی کی نعت، جس میں انہوں نے بارگاہ رسالت مآب میں ملت اسلامیہ کا حال زار بیان کیا ہے۔ اس کی ابتدا نہایت پر درد اور رقت انگیز ہے اور جس کے بعد تو اردو نعت گویا عصری مسائل اور ملی شعور کا مرقع بن گئی۔ ملت کے معاملات دربار رسالت میں استمداد و استغاثہ اور فریادوں کا نہایت پر درد بیان شروع ہو گیا۔

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے * *امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے * *پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

فریاد ہے اے کشتی امت کے نگہباں * *بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

دور جدید نے جو روحانی اور تہذیبی کرب جنم دیے ہیں، ان کی گونج بھی آج کی نعت میں سنائی دے رہی ہے۔ گویا جدید اردو نعت فرد سے لے کر ملت کے اجتماعی مسائل سے پیدا ہونے والے گہرے کرب سے مرتب ہوئی ہے۔ نعت کا یہ رنگ و آہنگ اردو کی نعتیہ شاعری کا امتیاز خاص ہے۔

عصری آگہی، اجتماعی مسائل، سیاسی و تاریخی اور ملی شعور کی جھلکیاں جتنی کثرت اور جذبہ کی شدت کے ساتھ اردو زبان کی نعتیہ شاعری میں ملتی ہیں، وہ شاید دوسری زبانوں میں نہیں ملتی۔ اس وقت میرے سامنے دور حاضر کے درجنوں شعرا کے نعتیہ کلام ہیں، جس میں نبی کریم کے ساتھ اپنے عشق و شیفتگی کے ذکر کے ساتھ ملت کے اجتماعی احوال بھی بیان کیے گئے ہیں۔ یہ نعت گو شعرا غم جاناں کے ساتھ غم دوراں کی روداد بھی سناتے رہے ہیں۔

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ حالی نے 'مدو جزر اسلام' کے نام سے ایک طویل نظم لکھی جو مسدس حالی کے نام سے مشہور ہے۔ اس نظم میں انہوں نے مسلمانوں کے دور عروج کی تاریخ بیان کی ہے اور اس کے بعد زوال کے دور کی تصویر بھی کھینچی ہے، جس کا مقصد مسلمانوں کو بیدار کرنا اور انہیں انقلاب کے لیے تیار کرنا ہے۔ حالی کی شاعری گہرے ملی شعور کی آئینہ دار ہے۔ جب مغربی تہذیب کا ستارہ اقبال مسلمانوں پر چمکا اور ان کے ملک درملک اس تہذیب کی یلغار سے متاثر ہونے لگے تو حالی کے ساتھ اکبرالہ آبادی بھی طنز کے تیرونشتر لے کر مغربیت کے خلاف میدان میں آ گئے۔ پھر اقبال نے بھی مغربی تہذیب کو تنقید کا نشانہ بنایا، مگر اکبر کے مقابلہ میں اقبال کے یہاں گہرائی زیادہ ہے۔ اس مغربی تہذیب کا خمیر لادینیت، عیش کوشی اور لذت و منفعت سے بنا ہے۔ اقبال نے مغرب کے نظام فکر و تعلیم کو اپنی فلسفیانہ تنقید کا نشانہ بنایا۔ اقبال نے اپنے نعتیہ اشعار میں خصوصاً ارمغان حجاز میں عصر حاضر کے افکار کا گہرا تجزیہ کیا اور اس کے نقصانات بتائے۔ ملت کی بے بسی کا ذکر اقبال نے یوں کیا ہے

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر * اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کرائے روح محمدؐ * آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

یہاں پر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا نعتوں میں ملی مسائل، اجتماعی درد اور استغاثہ و فریاد کی پیش کش درست ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ اردو کے مقابلہ میں عربی و فارسی کی نعتیں زیادہ موحدانہ شان رکھتی ہیں۔ عربی و فارسی شعرا کے نزدیک قومی و ملی مصائب کا بیان نعت کے دائرہ کے باہر کی چیز ہے اور آلام روزگار کی فریاد پیش کرنے کی جگہ رب ذوالجلال کی بارگاہ ہے۔

یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ نعت گوئی کا فن گویا پل صراط کا سفر ہے۔ جس میں قدم قدم پر لغزش پا کا خطرہ ہے۔ خدا اور رسول کے درمیان فرق و امتیاز کی جو باریک لکیر ہے وہ عام طور پر اردو کی قدیم نعتیہ روایات میں ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے۔ عام طور سے نعت کا موضوع شمائل و سراپا نگاری، یاد مدینہ میں بے قراری، اذن حضور کا انتظار، دوری و مہجوری میں سرشاری، ساتھ ہی ساتھ اخلاق نبوی، شفاعت

طلبی، اشک ندامت، حضور کے احسانات کا تذکرہ اور دوردوسلام کے موضوعات ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ ان موضوعات میں اردو کی جدید نعتیہ شاعری نے عصری آگہی، ملی شعور، سوز و گداز کے ساتھ آزمائش کے بیان کا اضافہ کر دیا ہے۔ غم دوراں اور احوال زمانہ کے بیان کی ایک بڑی وجہ برصغیر ہند میں مسلمانوں کو تاریخ کے بدترین دور کا سامنا کرنا پڑا وہ نہایت دلدوز اور جاں گداز ہے۔ اس تاریخ میں ۱۸۵۷، ۱۹۴۷ اور ۱۹۹۲ خاصی اہمیت کے حامل ہیں، جب کہ یہاں کی ملت کو آزمائش کے عظیم سمندر اور آگ و خون کے دریا سے گزرنا پڑا تھا، ان دلخراش واقعات کا بیان باعث تکلیف بھی ہے اور حیرانی و پریشانی کا سبب بھی۔ اگر اس طویل تاریخی پس منظر کو سامنے رکھا جائے گا اور کوئی حیرت کی بات نہیں رہ جائے گی کہ ہندوستانی شعرا نے زیادہ نعتیں کیوں کہی ہیں؟ ان نعتوں میں قومی حالات کی عکاسی کیوں کی گئی ہے اور ان میں زیادہ سوز و گداز کیوں ہے؟ دراصل یہ کارساز ازل کی حکمت کی کارفرمائی ہے۔ جب سیاسی و سماجی انحطاط عام ہو جاتا ہے تو سرچشمہ اسلام سے دلوں میں زبردست عشق و شیفتگی پیدا ہو جاتی ہے جو ایک حصار کا کام کرتی ہے۔ اردو کی نعتیہ شاعری اس کی بہترین مثال ہے۔

اب ایک نعتیہ نظم کے چند اشعار دیکھیے جن میں شاعر نے دور جدید کے فتنہ کے مقابلہ کے لیے ایک نئے مجدد اسلام کے ظہور کی تمنا کی ہے۔ نظم میں جوش عقیدت اور سوز و ساز موجود ہے طویل نعتیہ شاعری کا انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔

حضور ! دشت بلا میں ہے شام غم کا ظہور == حضور! آپ کی چشم کرم ہے آیہ نور
حضور! کوئی مجدد عطا ہو ملت کو ==ہو جس کے فیض سے احیائے دین حق کا ظہور
بہت طویل ہیں آلام دہر کے سائے== بہت دراز ہے اب دامن شب دیجور

(عبداللہ خاور)

ایک دوسری نعتیہ نظم میں شاعر مدینہ جانے والے کو حسرت سے دیکھتا ہے اور ان کے خاک قدم کو اپنا سرمہ بنانا چاہتا ہے اور ان سے یہ گزارش کرتا ہے کہ اس دربار میں پہنچ کرامت کا حال زار ضرور سنانا۔

اے خوش نصیب لوگو! یثرب کے جانے والو
عیش ابد کما لو رنج سفر اٹھا لو
آؤ ذرا کہ دے لوں تسکیں اپنے دل کو
خاک قدم تمہاری آنکھوں سے میں لگا کر

(تمنا عمادی پھلواری)

اب جوش ملیح آبادی کی ایک نعت دیکھیے جس میں الفاظ کی شوکت اور آہنگ کا جوش وخروش بہت نمایاں ہے۔ آخر میں شاعری کی نظر امت مسلمہ کی حالت زار کی طرف مڑ جاتی ہے۔

تجھ پر نثار جان ودل مڑ کر ذرا تو دیکھ لے
دیکھ رہی ہے کس طرح ہم کو نگاہ کافری
آج ہوائے دہر سے ان کے سروں پر خاک ہے
رکھی تھی جن کے فرق پر تو نے کلاہ سروری
تیرے فقیر اور دیں کوچہ کفر میں صدا
تیرے غلام اور کریں اہل جفا کی چاکری
جتنی بلندیاں تھیں سب ہم سے فلک نے چھین لیں
اب نہ وہ تیغ غزنوی اب نہ وہ تاج اکبری

(جوش ملیح آبادی)

اب دیکھیے ایک شاعر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نعت ومنقبت لکھنا چاہتا ہے اسی اثنا میں جبل پور میں فساد کا آتش فشاں بھڑک اٹھتا ہے جو اس کے خیال کو آتش بداماں کر دیتا ہے۔

اے عازم دربار شہنشاہ مدینہ * * یاد آئیں اگر تجھ کو شہیدان جبل پور
تھرا اٹھے عبرت سے بیابان وجبل بھی * * اغیار کے دل جس کے تصور سے ہوئے چور
یہ خون وطن کی تری امت نے دیا ہے * * حاضر ہیں ترے در پہ شہیدان جبل پور

(حفیظ الرحمن واصفؔ)

اب اس طرح کی ایک دوسری نعت کے چند اشعار دیکھیے۔ مرادآباد میں جب عین عیدالفطر کے دن عیدگاہ میں قتل کا بازار گرم ہوا تو کلیم عاجزؔ نے بادصبا کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا۔

مدینہ پہنچ کر سرعام کہیو == صبا کملی والے سے پیغام کہیو
یہاں میکدہ کہتے ہیں قتل گہہ کو == لہو سے بھرے جاتے ہیں جام کہیو
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے == محرم کا اب عید ہے نام کہیو

میرٹھ میں مسلمانوں کا خون بہا۔ جب کلیم عاجز بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے تو اپنی فریاد پیش کی۔ مسلمانوں کی خانماں بربادی اور حرماں نصیبی کا کچھ نہ کچھ ذکر ان کی ہر نعت میں ضرور ملتا ہے ایک نعت کے چند اشعار دیکھیے۔

یہ بات صبا کہیو ان سے وہ جن کی کملی کالی ہے
اب ان کے غلاموں کے گھر کی دیوار الٹنے والی ہے
کہیو کہ انہوں نے اپنی نظر کیوں ہم سے الگ فرمالی ہے
ہم نے تو انہیں کے زلفوں کی زنجیر گلے میں ڈالی ہے
کہیو کہ دلوں پر چھائی ہوئی ہر سمت شکستہ حالی ہے
دن بھی یہاں سونا سونا اور رات بھی کالی کالی ہے
کہیو کہ یہ صورتحال ہے اب ہم منہ کو چھپائے پھرتے ہیں
گردن پہ تو چہرے ہیں لیکن چہروں پر کہاں اب لالی ہے
کہیو کہ وہی تو ساقی ہیں کہیو کہ وہ یہ بھی جانے ہیں
رندوں کو لگی ہے پیاس بہت اور سب کا پیالہ خالی ہے

اس دور کے دوسرے شعرا میں ماہر القادری، نعیم صدیقی، حفیظ میرٹھی وغیرہ کے یہاں بھی نعتوں میں عصری حسیت کی مثالیں بڑی تعداد میں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن میں آخر میں صرف سرزمین دکن کے ایک نمائندہ شاعر شاذ تمکنت کی ایک نعتیہ نظم کے چند بند پیش کرنا چاہتا ہوں جس میں غم جاناں کے ساتھ غم دوراں بھی پوری طرح موجود ہے۔

آپ اکیلے مل جائیں تو دامن تھام کے رولو ں گا
جی غم سے ہے بوجھل بوجھل رات اندھیری گھرے بادل
اپنے گناہوں کی ہے کہانی بہتے ہوئے اشکوں کی زبانی
سب کے آگے کیسے بولوں تنہائی میں بولوں گا
آپ اکیلے مل جائیں تو دامن تھام کے رو لوں گا

دور حاضر کے بیشتر شعرا نے اپنی نعتیہ شاعری میں ملت کے غم اور اس کے مستقبل کی فکر کے جذبہ کو پوری شدت سے پیش کیا ہے۔ بطور نمونہ چند شعرا کے اشعار بغیر کسی تلاش کے جو میرے سامنے آگئے انہیں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

حفیظ تائب:

آمادہ شر پھر ہیں ستم گر میرے آقا == امت کی خبر لے مرے سرور مرے آقا

افغانیوں پر کوہ الم ٹوٹ پڑا ہے == خونریز ہیں کہسار کے منظر مرے آقا
فریاد کناں ہیں در و دیوار فلسطیں == ہیں نوحہ طلب مسجد و منبر مرے آقا

مختصر یہ کہ ملت کی زبوں حالی کا دلدوز تذکرہ جدید اردو نعت کا ایک ایسا امتیاز خاص ہے، جس کا مقابلہ شاید دنیا کی دوسری زبانیں نہیں کر سکتی ہیں۔ ملت اسلامیہ جب بھی اور جہاں جہاں بھی جبر، ظلم و بربریت اور استحصال کا شکار ہوئی ہے، اس کے حساس شعرا نے رسول کریم کی رحمت کے تصور کو فکری و عملی سطح پر عام کرنے کی بھر پور کدو کاوش کی ہے اور یوں اس کے صلے میں وہ سکون قلب کی دولت سے مالا مال ہوئے ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب جب غلامان رسول عاجزی کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے اپنے آقا کے حضور امت کی بے چارگی اور بے کسی کا تذکرہ کرتے ہیں تو نعت روح عصر کی نمائندہ بھی ہو جاتی ہے۔ ساتھ کہیں استغاثہ و فریاد، دعا، التجا اور عرض داشت بھی قرار پائی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب ذات رسولؐ سے عشق عصر حاضر کی تمام بیماریوں سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے اور جدید نعتیہ شاعری کا یہ نیا رخ تابناک مستقبل کا پیش خیمہ ہے۔

(مضمون نگار بھٹکل انجمن ڈگری کالج کے سابق صدر شعبہ اردو اور ماہنامہ پیش رفت دہلی کے مدیر ہیں)

***

جسٹس رانا بھگوان داس کی ایک نعت

السّلام اے شاہ خوباں السّلام ::: نازش و رشک حسیناں السّلام
شہر یار عالم حسن و جمال ::: تاجدار دین و ایماں السّلام
روئے تو آئینہ اسرار حق ::: راز دار سر یزداں السّلام
مظہر انوار خالق روئے تو ::: جلوہ گاہ نور رحماں السّلام
محرم اسرار تخلیق جہاں ::: اے بنائے بزم امکاں السّلام
ذات تو سرمایۂ قلب و جگر ::: جان شوق و روح ارماں السّلام
عظمت اولاد عالم ذات تو ::: السّلام اے فخر انساں السّلام

***

باب

تفہیمات

جہانِ حمد و نعت

اِنتقادِ سخن، احتساب اسلوب
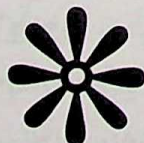
[حمدیہ و نعتیہ فن پاروں پر تبصرے اور تاثرات]

شوکت محمد شوکت کا حمدیہ شعری مجموعہ ُاللہ اکبرُ

اظہر محمود تنہا263

شفیق رائے پوری کے ''قصیدہ نور'' کا تجزیاتی مطالعہ

عبدالرزاق پیکر رضوی269

مطالعات حمد ونعت (تنقیدی مضامین)

اختر سعیدی276

''جہانِ حمد'' (کتابی سلسلے کا خصوصی نمبر)

اختر سعیدی277

حیرت الہ آبادی کا مجموعہ ''منارۂ نور''

علیم صبا نویدی278

صبیح رحمانی کا مجموعہ ''جادۂ رحمت''

علیم صبا نویدی 281

تنویر پھول کا شعری مجموعہ ''انوارِ حرا''

ڈاکٹر نجم الہدیٰ284

''مجلہ نقوش'' (لاہور) کا رسولؐ نمبر: ایک جائزہ

عبداللہ خاور288

''مداح رسول سیدنا حسان بن ثابتؓ کے نعتیہ اشعار میں موجود نقوشِ سیرت''

محمد احسان292

پروفیسر محمد رفیق چودھری کی ''شفاف نعتیں''

محمد احسان293

''تنقیدِ نعت، تناظرات وامکانات''

سید خورشید نواز لائق بخاری294

ڈاکٹر شاہدہ پروین کا منفرد تحقیقی وتنقیدی کارنامہ

مدیرِ جہانِ حمد و نعت296

❋

❋

❋

اظہر محمود تنہا
اٹک

شوکت محمود شوکت کا حمد یہ شعری مجموعہ ''اللہ اکبر''

ہر خوبی اور کمال جس کا اظہار کوئی اختیار اور ارادہ سے کرے۔ اس تعریف اور ستائش وثنا کو ''حمد'' کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں ''حمد'' کا لفظ ایسے کلام پر صادق آتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ، خالق کون ومکاں کی ذات وصفات اور قدرتوں کا اظہار واقرار اور تحسین وتوصیف کی گئی ہو۔

کہا جاتا ہے کہ ادب کا کوئی مذہب نہیں ہوتا مگر اس سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ادب کہیں خلا میں تخلیق نہیں ہوتا۔ اسی طرح ادب، دینی یا لادینی اور اسلامی وغیر اسلامی کی تفریق سے بھی بالاتر ہوتا ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ شاعر یا ادیب کا کوئی نہ کوئی مذہب اور مشرب ضرور ہوتا ہے۔ بہ حیثیتِ مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ دینِ اسلام انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ یہ مکمل ضابطہ حیات ہے، اس لیے زندگی کی مثبت اور دائمی اقدار کے فروغ کا متمنی ہے۔ تخلیق کار کوئی بھی ہو، ہمیشہ سچائی اور مثبت سوچ کا علم بردار ہی ہوتا ہے، اور اگر لکھنے والا مسلمان ہو تو وہ کیوں کر اپنے دین کی دائمی تعلیمات سے صرفِ نظر کر سکتا ہے۔ سچا اور کھرا ادب جمالیاتی پہلوؤں، فنی تقاضوں اور معیاری اسلوب ہی سے اپنی قدر و قیمت منواتا ہے۔ قرآنِ مجید کے مندرجات میں زبان بیان کی فصاحت، بلندی خیالی اور دیگر صوتی ومعنوی خصائص نے اس کی شعریت اس درجہ بڑھا دی ہے کہ پڑھنے اور سننے والے دونوں اس کی تاثیر میں کھو سے جاتے ہیں۔

ادب وشعر کی تاریخ پر بہ غور نگاہ دوڑائی جائے تو ایسا شاذ ہی نظر آتا ہے کہ ''حمد'' کو باقاعدہ ایک صنف کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ دکنی عہدِ ادب کی شعری تخلیقات، بالخصوص صنفِ مثنوی کی ترتیب وتقسیم میں باقاعدہ آغاز حمد یہ اشعار ہی میں ملتا ہے اور یہی سلیقہ کم وبیش شمالی ہند کے شعرا کے دواوین کے اندر بھی نظر آتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد سیاسی، سماجی اور اقتصادی صورتِ حال میں نمایاں تبدیلی وقوع پذیر ہوئی۔ ادبی سطح پر جدت اور بدلاؤ آیا اور چند اصنافِ ادب بے رواج ہو گئیں، مگر بیسویں صدی تک کم بیش اُردو کے ہر شاعر نے اپنی توفیق اور خوش بختی کے مطابق حمدِ باری

تعالیٰ میں گل افشانی کی ہے اور آج تک کے شائع ہونے والے شعرا کے مجموعوں میں ایک دو حمود ضرور شامل نظر آتی ہیں جب کہ بیسویں صدی میں بھی چند گنتی کے شعرا ہی ایسے نظر آتے ہیں جنھوں نے باقاعدہ ایک صنف کے طور پر حمدیہ شاعری کو اختیار کیا اور ''حمد'' کے مجموعہ ہائے کلام قارئینِ ادب کو پیش کیے۔ اکیسویں صدی کے ادبی منظر نامے پر ابھرنے والا غالباً واحد شاعر شوکت محمود شوکتؔ ہے، جس کا حمدیہ شعری مجموعہ ''اللہ اکبر'' دیوناگری رسم الخط میں پٹنہ (انڈیا) اور اُردو رسم الخط میں اسلام آباد، پاکستان سے منصۂ شہود پر آیا ہے اور قارئینِ ادب سے برابر دادو تحسین سمیٹ رہا ہے۔

شوکتؔ کا تعلق ایک نہایت پس ماندہ قصبے سے ہے جہاں کی بیشتر آبادی پشتو زبان بولنے والی پٹھان قوم سے تعلق رکھتی ہے۔ لوگ زیادہ شوق سے افواج پاکستان میں شامل ہوتے ہیں۔ دیگر مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد میں ادبی افق پر دمکتا ستارا، واحد شاعر شوکت محمود شوکتؔ ہے جو ادیب، محقق و مدوّن، ماہر تعلیم اور انٹر کالج چھچھ میں بہ طور پرنسپل مامور ہے۔ شوکتؔ، علّامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کا طالب علم بھی ہے۔ اس سے قبل شوکتؔ دو شعری مجموعوں، ایک نعتیہ مجموعے، ''نگارشاتِ ساغری (تحقیق و تدوین) اور اٹک کے نمائندہ شاعر مشتاق عاجز کی شخصیت و فن کی تنقید و تحقیق پر مبنی مضامین پر مشتمل کتاب ''خراج'' کا مرتب بھی ہے۔

''اللہ اکبر'' شوکتؔ کا حمدیہ شعری مجموعہ ہے جسے بزمِ تخلیق و تحقیق، اسلام آباد نے ۲۰۲۰ء میں شائع کرنے کی سعادت پائی ہے۔ مجموعہ دیدہ زیب، رنگین، پھول دار اوراق میں طباعت آشنا ہوا ہے۔ سبز رنگ کا سرورق کعبۃ اللہ کی دل کش تصویر اور ''اللہ اکبر'' کے سرنامہ سے منور ہے اور فلیپ فریدہ انجم (پٹنا سٹی، انڈیا)، پروفیسر محمد ثقلین ضیغم (اسلام آباد) اور ڈاکٹر محمد ساجد نظامی (مکھڈ شریف) کی توصیفی و تنقیدی آرا سے مزین ہے۔ جب کہ انتساب ''مخلوقِ خدا کے نام'' کے عنوان سے ایک قطعہ کی صورت میں تحریر ہے۔ نیز تنویر پھول (امریکا) نے شوکتؔ کی اس حمدیہ شاعری کی توصیف شاعرانہ پیرائے میں کرتے ہوئے علم الاعداد کے مطابق تاریخ سنِ عیسوی بھی نکالی ہے۔ یہ حمدیہ مجموعہ کلام دوبیتیوں کی ہیئت میں مرقوم ہے جن کی تعداد ننانوے ہے۔ چار حمود، غزل کی ہیئت میں شامل ہیں جب کہ تہلیل، فاتحہ، حدیثِ قدسی اور جرمن شاعر گوئٹے کی نعتیہ نظم، آزاد نظم کی ہیئت میں لکھی گئی ہیں۔

شوکت محمود شوکتؔ نے ''حمد'' کے روایتی انداز اور سادگی و سلاست سے الگ ایک نیا رنگ اور منفرد لہجہ اپنایا ہے۔ اسلوبی اعتبار سے بھی شاعری کے فن، اس کی باریکیوں اور نزاکتوں کا خیال رکھا ہے۔ امید واثق ہے کہ متذکرہ حمدیہ شعری مجموعہ کے تخلیقی ادب پر نہایت مثبت اور دور رس مرتب ہوں

گیا اور نئے لکھنے والے شعرا میں ایک با قاعدہ صنف کی پذیرائی کے ساتھ ایک تحریک بھی پیدا ہوگی۔

''اللہ اکبر'' کے مطالعے سے جو جمیل وصف قاری کو سب سے پہلے متوجہ اور مستنیر کرتا ہے۔ وہ شوکتؔ کی محبت ہے جس کا مرکز و محور صرف اور صرف محبوبِ حقیقی، خالقِ کائنات کی پاک ذات ہے جو سارے کمالات کی مالک اور جملہ حسن و جمال کی خالق ہے۔ درحقیقت محبت کی بنیاد ہی کمالات اور حسن و جمال ہوتے ہیں۔ شاعر بار بار اس بات کا اقرار اور اظہار کرتا نظر آتا ہے کہ انسان کو سچی ہدایت دینے والا، حقیقی ہمدرد، اس کے کام بنانے والا، روزی رساں، عیب پوشی کرنے والا، حقیقی شافع، نافع، حافظ، علیم و خبیر، بصیر و سمیع، غائب، موجود، شاہد، مشہود، معبود و مسجود جب سب کچھ وہی واحد، وحید، وحدہ لاشریک ہے تو انسان اور بندے کو بھی چاہیے کہ بس اُسی سے لو لگائے اور صرف اسے ہی اپنا مشکل کُشا، حاجت روا، مالک الملک مان لے اور سرِ تسلیم خم کرلے۔ شوکت محمود شوکتؔ نے اپنی دو بیتی حمدیہ شاعری میں یہی سب بتانے سمجھانے اور اپنانے کی نہ صرف سعی کی ہے بل کہ قارئین کے لیے بھی ایک دعوتِ فکر چھوڑی ہے۔ شوکتؔ کے یہ اشعار اُسی ذاتِ باری تعالیٰ کا مراقبہ ہیں جو اپنے بندوں کی گستاخیوں پر بے حد تحمل سے کام لیتا ہے اور جس کے احسانات اور نوازشوں کی کوئی حد نہیں ہے۔

خدائے رحمان، اس قدر تُو شفیق ٹھہرا
کہ ذکر تیرا دلِ حزیں کا رفیق ٹھہرا
رحیم اتنا کہ عاصیوں کے لیے بھی، مولا
کریم ٹھہرا، غفور ٹھہرا، خلیق ٹھہرا

ڈاکٹر محمد ساجد نظامی نے اپنے مضمون میں بالکل بجا لکھا ہے:

''''اللہ اکبر'' میں شامل حمدیہ کلام عشق الٰہی کے بے انت جذبات سے لبریز، اخلاص و وفا کی اچھوتی نکہت سے مملو اور حرزِ جاں بنتے ہوئے روحانی تخیلات اور وارداتِ قلبی پر مشتمل ہے ...... کلام کی ندرت اور نغمگی نے ماحول کو بقعۂ نور بنا رکھا ہے جس میں اس کی روح وجد کناں ہے''۔ (مشمولہ مجموعہ، ص ۳۳)

شاعر کے اقرار باللسان و تصدیق بالقلب کی سچی، سُچی اور عملی تصویر درج ذیل دو بیتی میں نظر آتی ہے۔ جہاں وہ پورے تیقن اور رضا سے اپنے مقصدِ حیات کا اظہار کرتا نظر آتا ہے۔

رہے پیشِ نظر شوکتؔ، سدا حکمِ خداوندی
اطاعت ہو محمدؐ کی، شریعت کی ہو پابندی

منم آں شوکتِؔ مفتوں کہ عشقِ تُو دوانہ کرد
بریں نازم ! کہ می دارم رہِ عثمانؔ مروندی

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی اتباع اور غلامی اور خالقِ کون ومکاں رب تعالیٰ کی خالص عبادت اور فرماں برداری کی وہی صورت شاعر کے لیے قابلِ قبول ہے جو عثمان مروندی کی تھی۔ صِراطَ الَّذِینَ اَنْعَمتَ علیھم کے مصداق شوکت بھی ایسی ہی انعام یافتہ اور مثالی ہستیوں کے نقوشِ قدم کو اپنے لیے مشعلِ راہ خیال کرتا ہے۔ اس حمدیہ مجموعہ میں چھ دوبیتیاں فارسی زبان میں ملتی ہیں جن میں شاعر نے احکامات الٰہی جو قرآن اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود ہیں، کو منظوم کیا ہے۔

خدائے پاک کافی است ، شوکتؔ پاسبانی را
زِغم ہائے زمانہ می کشیدم شادمانی را

میں سورۃ الزمر کی اس آیت کی طرف اشارہ ملتا ہے:

اَلَیسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبدَہٗ وَیُخَوِّفُونَکَ بِالَّذِینَ مِن دُونِہٖ O

ترجمہ: ''کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔ یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں۔''

اسی طرح ایک نمازی جو کچھ تشہد میں پڑھتا اور اقرار کرتا ہے کہ ''اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبٰتُ''، یعنی میری تمام قولی، فعلی اور مالی عبادات صرف اللہ کے لیے ہیں، کے مفہوم کو خوب صورتی سے منظوم کیا گیا ہے۔ نیز نماز، روزہ اور تہجد کے متعلق ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی منظوم کیا ہے۔

اسی پر ناز کرتی ہے بجا، میری مسلمانی ::: سزا وارِ عبادت تُو ، وہ مالی ہو کہ جسمانی
دعائے سحر گاہی کھولے یہ راز ::: کرم کے ترے سلسلے ہیں دراز
جہنم سے روزہ اگر ڈھال ہے ::: تو کارِ نجس سے بچائے نماز

درحقیقت یہ اللہ کی محبت اور اس سے ملاقات کی سچی طلب ہی ہے جو ایک بندے کو ایسی سرمستی اور سرشاری عطا کرتی ہے کہ اس کے دل و دماغ سے ہر قسم کا خوف، ڈر اور اندیشہ ہائے دور دراز تک کافور ہو جاتے ہیں۔ شوکتؔ کی یہ فارسی دوبیتیاں زبان کی ادبیت کے ساتھ ساتھ فکری جمالیات سے بھی مملو ہیں۔ ایک سچے مواحد کا طرزِ زندگی اور ہمہ وقت فکر و خیال کا محور، اللہ وحدہ لاشریک کی خوشنودی اور احکامات ہی رہتے ہیں۔ توحید الٰہی ہمیشہ توحید انسانی میں پرتو فگن ہوتی ہے۔ جس پر مکمل ایمان عملی طور پر انسان کو ہر قسم کے خوف اور مایوسی سے آزاد کر دیتا ہے۔ حُبِ الٰہی کا کچھ ایسا ہی اظہار شوکتؔ نے ایک فارسی دوبیتی کے پہلے شعر میں کیا ہے۔

بجز عشقِ خدا در سینہ و دل نیست می دارم
بجز ایں مشکل خوش رنگ ، مشکل نیست می دارم

ایک سچے عاشقِ الٰہی کی نمایاں پہچان اُس کا فقر اور رجائی نقطہ نظر ہے۔ وہ اللہ کی رحمت سے قطعی مایوس نہیں ہوتا۔ شوکت محمود شوکتؔ چوں کہ درویش صفت اور فقیر منش انسان ہے اس لیے بالکل ایک معصوم چھوٹے بچے کی طرح نہایت عاجزانہ انداز میں رب ذوالجلال کے حضور اپنا مافی الضمیر بیان کر رہا ہے۔

طلب گارِ کرم ہوں بس، خدا سے
کہ میں واقف نہیں حرفِ دعا سے

حمدیہ مجموعہ ''اللہ اکبر'' میں دوبیتیوں کی تعداد ننانوے ہے۔ اگر ان کا گہرائی اور توجہ سے فکری مطالعہ کیا جائے تو اس امر کا انکشاف بھی ہوتا ہے کہ بہ حیثیت مسلمان شوکتؔ، قرآنی علوم اور رشد و ہدایت کے جملہ منابع سے واقف اور تعلیمات سے باخبر ہے اور یہ بات اُس کی علمیت اور فہم پر دال ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے صفاتی ناموں کو ان اشعار میں پورے سیاق و سباق کے ساتھ واضح کرنے کی کوشش و کاوش کی ہے۔

شوکتؔ نے حمد لکھتے ہوئے شعوری طور پر اپنی عاجزی و انکسار اور عبدیت کا اظہار کیا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مالکِ حقیقی رب تعالیٰ کو اپنے بندے کی یہ ادا بہت بھاتی ہے۔ عام طور پر شعرا اسی انداز میں ذاتی حالات اور کم مائیگی کا مقدمہ پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ شوکتؔ نے ذاتی بے کسی کے ساتھ ملتِ اسلامیہ کی طرف سے اللہ کے حضور استغاثہ پیش کیا ہے۔

بشر آزاد بھی ، محصور بھی ہے ::: بشر مختار بھی ، مجبور بھی ہے
جہاں سارا مرا زیر و زبر ہے ::: جسے دیکھو وہی اب نوحہ گر ہے
مدد تجھ سے طلب کرتے ہیں سارے ::: فقط تو ہی خدائے بحر و بر ہے

شوکتؔ نے اللہ تعالیٰ کے دیگر بے شمار احسانات کے اذکار و اقرار کے ساتھ ساتھ اس خاص احسانِ عظیم کا کئی بار ذکر کیا ہے کہ اس اللہ نے اپنے خاکی بندے کو کس قدر عز و شرف اور رفعت سے نوازا کہ اسے اشرف المخلوقات کے جلیل مرتبے پر سرفراز کر دیا۔

بشر کو تُو نے بخشی ہے وہ رفعت ::: کہ خاکی ہو کے رشکِ نور بھی ہے
تیری صناعی سے انساں ، احسنِ تقویم ہے ::: ذات تیری ہی خدایا واجب التعظیم ہے

شوکت نے ان دوبیتیوں میں کہیں کہیں داخلی قوافی اور کہیں لفظی تکرار سے شعوری طور پر آہنگ اور

روانی پیدا کرنے کی سعی ہے۔ اس التزام سے اشعار کے بہاؤ اور لَے میں دل کشی پیدا ہوگئی ہے۔

تُو کہ ہے بے نیازِ حروف و عدد ::: تُو صمدٌ ، تُو صمدٌ ، تُو صمدٌ ، تُو صمدٌ

وحدہ ، وحدہ ، وحدہ ، وحدہ ::: تُو احد ، تُو احد ، تُو احد ، تُو احد

اسی طرح قرآنی آیات کو بھی بڑی مہارت سے اشعار میں بہ طور قوافی استعمال کیا گیا ہے کہ قاری کے منہ سے بے اختیار واہ اور سبحان اللہ کے الفاظ ادا ہوجاتے ہیں ؎

خرچ ہو راہِ خدا میں ہر متاعِ خوب رُو
حکم ہے جب ''لَن تَنالُوالبِرَّحتّٰی تُنفِقُوا''

ہو گیا مایوس تو ''ابلیس'' کہلایا رجیم
ہے سکونِ قلب شوکتؔ ، کلمۂ ''لَاتَقنَطُوا''

فریدہ انجم، ''اللہ اکبر'' کے تناظر میں شوکت کی شاعری کے متعلق لکھتی ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ شوکت صاحب کا کلام بہت زوردار ہوتا ہے۔ آپ کے لکھنے کا اپنا ایک خاص اور اچھوتا انداز ہے...... ''اللہ اکبر'' ایک ایسے تخلیق کار کے قلم سے وجود میں آنے والی کتاب ہے جو دنیائے اُردو ادب کا گہرا علم، ادراک، فہم اور شعور رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام ہذا سے بیشتر رموزِ شعری مترشح ہوتے ہیں''۔ (مشمولہ مجموعہ، ص ۲۳)

بہ حیثیت مجموعی ''اللہ اکبر'' کی منظوم شاعری کا انداز، بیانیہ اور براہ راست خطابیہ ہے۔ پورے کلام میں محب اور محبوب اور حامد ومحمود کا ذکر، سننے اور پڑھنے والوں کے کانوں میں رس گھول رہا ہے۔ دعائیہ رنگ کے سبب کلام کی تاثیر میں اضافہ ہوا ہے اور مدعا کا ابلاغ بھی سہل ہوگیا ہے۔ بحریں کہیں چھوٹی اور کہیں متوسط ہیں۔ شوکت محمود شوکتؔ کا یہ حمدیہ مجموعہ اپنی منفرد منظومات کے باعث اُردو کے ادبی ذخیرے میں ایک وقیع اور متبرک اضافہ ہے جس کی چمک دمک ان شااللہ تادیر قائم رہے گی۔

عبدالرزاق پیکرؔ رضوی
امام جامع مسجد، گلزار باغ، پٹنہ سٹی

شفیق رائے پوری کے ''قصیدہ نور'' کا تجزیاتی مطالعہ

''قصیدہ نور کا'' جناب شفیق رائے پوری کا نعتیہ دیوان ہے، جس کو انہوں نے ردیفوں کی معروف الفبائی ترتیب سے آراستہ کیا ہے۔ چوں کہ یہ ایک نعتیہ دیوان ہے اس لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بطور تمہید یہاں صنف نعت کے چند اہم بنیادی مسائل کا کچھ تذکرہ ہوجائے تاکہ اس مقدس فن کے حدود کی شناسائی کا مرحلہ مزید سہل ہو۔

نعت کا لفظ ہمارے یہاں بہت معروف ہے، اس سے مراد وہ کلمات ہیں جو حبیب کبریا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور تعریف وتوصیف میں کہے جاتے ہیں۔ نعت نثر میں بھی کہی جاتی ہے اور نظم میں بھی، تاہم اس اصطلاح کا عام استعمال شاعری کی زبان میں ہی مدحت رسول کے لئے ہے۔ نعتیہ شاعری کا فن کار گویا دربار رسالت میں دست بستہ کھڑا رہتا ہے۔

دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں نعتیہ اشعار ملتے ہیں خصوصاً عربی، فارسی اور اردو زبان وادب کا دامن گلہائے نعت کے ذخیروں سے معمور ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے شعرا اپنے کلام کے مجموعوں میں حمد کے بعد نعتیہ اشعار شامل کرتے تھے۔ اس سے ان کا مقصد صرف حصول خیر وبرکت ہوتا تھا، پھر یہ روایت یوں پروان چڑھنے لگی کہ بعض شعرا نے نعت گوئی کو ہی اپنا مستقل شعار بنالیا اور اس طرح اس صنف سخن کی ترقی کی راہ ہموار ہوئی۔ پہلے ادبی رسائل اپنے صفحات میں نعتیہ کلام کی اشاعت کو ملائیت اور رجعت پسندی قرار دیتے تھے، لیکن شکر خدا کہ ذہن بدلا، توفیق الٰہی ملی، یہاں تک کہ اب تمام عالم گیر ادبی مجلّات حمد ونعت پر مشتمل کلام کو بطور خاص شائع کرنا اپنا اہم فریضہ سمجھتے ہیں۔ الحمد اللہ، آج دنیا کا کوئی ادبی یا غیر ادبی رسالہ ایسا نہیں ہے جو نعتیہ کلام کے لئے اپنے صفحات مخصوص نہ کرتا ہو بلکہ بعض رسائل نے تو عظیم الشان نعت نمبرات نکالنے کی سعادت بھی حاصل کی اور کئی نامور نعت گو شعرا کے شخصی کارناموں پر مشتمل گوشے بھی شائع کئے ہیں۔

بلاشبہ عصر حاضر اس اعتبار سے اپنی خوش بختی پر ناز کرسکتا ہے کہ اس میں نعت گوئی کا خاص طور سے

رجحان پروان چڑھ رہا ہے۔ متعدد شعرا نے نعت کو دیگر اصناف سخن پر ترجیح دیتے ہوئے دل و دماغ کی صلاحیتوں کو اس کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اسی کے ساتھ اس فن کے تحقیقی وتنقیدی جائزے کی کوششیں بھی ہو رہی ہیں اور جامعاتی سطح پر نعتیہ تجزیاتی ادب کا وقیع تر ذخیرہ جمع ہو رہا ہے۔ اس کا فائدہ یوں سامنے آیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ تر شعرا اس صنف کی طرف توجہ دے رہے ہیں اور اس کی تمام تر ترقیوں کے امکانات ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ بلاشبہ ان شعرا کے سرخیل و امام سیدنا امام رضا بریلوی قدس سرہٗ ہیں جن کے مجموعہ نعت ''حدائق بخشش'' نے ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ رضوی خانوادے کے دیگر شعرا کے نعتیہ کلام نے بھی جہاں زبان و ادب میں صالح اعتقادی اور روحانی انقلاب پیدا کر دیا اور فکر ونظر کے زاویئے بدل ڈالے۔ یہ محض میرا ذاتی خیال نہیں ہے بلکہ تمام انصاف پسند ناقدین نے نعت گوئی کے تعلق سے دبستان رضا کے اثرات کا اعتراف کیا ہے اور اس کے شرعی وشعری محاسن کے سامنے سر تسلیم خم کر دیے ہیں۔

جناب شفیق رائے پوری کے نعتیہ دیوان ''قصیدہ نور کا'' پر گفتگو سے پہلے یہاں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ صنف نعت کے باب میں اس اہم نکتے کی طرف بھی اشارے کر دیے جائیں کہ اس کے لئے صرف اچھا شاعر ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ نعت گوئی کے لئے صحیح العقیدہ مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔ توحید ربانی کے عرفان، مقام رسالت کی شناخت اور قرآن وسنت کے اصول وفروع پر تبحر کوئی آسان کام نہیں۔ ان چیزوں کے بغیر کوئی شخص نعت گوئی تو کجا، اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

نعت ایک بیحد مشکل اور کٹھن منزل ہے اور اس کٹھن منزل کو صحت فکر وخیال اور سلامتی طبع کے بغیر طے کرنا ممکن ہی نہیں۔ اس کے لئے توفیق الٰہی اور عرفان رسالت کا فیضان درکار ہے۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جن کو توحید ورسالت کی معرفت حاصل نہیں ہوتی وہ اس کوچے میں ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور انہیں احساس تک نہیں ہوتا۔ ایک بات اور بھی ہے کہ نعت گوئی داخل عبادت ہے، اس لئے شیطان لعین ہمیشہ ہی اس موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ کسی بھی عنوان سے نعت گو شاعر کو اصل ڈگر سے ہٹا دے اور اس کے حملہ سے صیانت کی بس ایک ہی راہ ہے کہ نبی رحمت کا واسطہ دے کر شاعر سدا اللہ سے دعا گو رہے کہ وہ اُس سنت پر چلنا آسان کر دے جو خود اس کی سنت بھی ہے اور ایمان والوں کے لئے اس کا حکم بھی، ورنہ اگر کسی شخص کو زبان وبیان پر کامل عبور حاصل ہو اور وہ الفاظ وتراکیب پر حاکمانہ قدرت بھی رکھتا ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ بہت اچھا نعت گو شاعر بھی ہو جائے، کیوں کہ اس کے لئے تو عشق رسول کی سرمدی لذتوں سے دل شاعر کا آشنا ہونا لازمی ہے۔ نعت گوئی لفظوں کی شاعری نہیں بلکہ یہ سراسر روحانی جذبوں کی

شاعری ہے۔ یہاں عشق رسول کی حرارت، محبت کی چاشنی، جذبوں کی وارفتگی، فکر ونظر کی شگفتگی، احساسات کی گرمی، دردِ ہجر ووصال کی لطافت اور دل ونظر کی طہارت و پاکیزگی لازم ہے۔

زیر نظر نعتیہ دیوان ''قصیدہ نور کا'' مجھے بذریعہ ڈاک موصول ہوا ہے۔ شاعر محترم کا حکم ہے کہ میں اس پر اپنی رائے کا اظہار کروں، جب کہ ان سے ذاتی طور پر میری نہ کچھ جان پہچان ہے، نہ رسمی تعارف و ملاقات، میں ان کے علم وفضل سے بھی ناواقف ہوں۔ محض واٹس ایپ کے بعض ادبی گروپس کے وسائل سے ان کے کلام سے مجھے معمولی شناسائی حاصل ہے، لیکن زیر نظر نعتیہ تصنیف کا مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا اندازہ لگانا کوئی مشکل امر نہیں کہ موصوف ایک باشعور نعت گو شاعر ہیں اور مذہبی علوم کے حدود ومقادیر کا عمدہ وقوف رکھتے ہیں۔ انہیں اردو وفارسی پر بہت اچھی دسترس بھی ہے اور عروضی نکات بھی ان کی گرفت میں ہیں۔ جناب شفیقؔ کی اس کتاب کا آغاز روایتی انداز میں حمدیہ کلام سے ہوتا ہے۔ بعد ازیں اس میں ایک سو سات نعتیں اپنی بہاریں دکھا رہی ہیں۔ کتاب کے ابتدائی حصہ میں ''کلمات تہنیت'' سے لے کر ''اظہار تشکر'' تک کل سینتیس صفحات پر مولانا محمد اسلام بخش مصباحی، مفتی غلام مصطفیٰ نعیمی، امجد مرزا امجد، سید حبدار قائم، رونق جمال کے وقیع تاثرات کے ساتھ خود مصنف کی مختصر تحریر بھی شامل ہے جو رسمی شکر وسپاس کے کلمات سے مزین ہے۔

فاضل محترم جناب شفیق رائے پوری کا وجد آفریں نعتیہ کلام مجھے بالاستیعاب پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ ان کے اشعار میں اک خاص جاذبیت ملتی ہے۔ بحریں عموماً رواں وشگفتہ، زبان سادہ سلیس، فکریں صاف ستھری اور اسلوب بیان بھی وارفتہ جذبوں سے شرابور ہے۔ امتیازی خوبی یہ ہے کہ تخیل کی رعنائی کے ساتھ یہاں روح کی وارفتگی بھی ملتی ہے۔ انداز بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں جذبۂ محبت اور اضطراب شوق کے ساتھ کہتے ہیں۔ انہوں نے نعتیہ شاعری کے لوازم اور اس کے بیشتر تقاضوں کا بھرپور لحاظ رکھا ہے۔ کوئی شعر منزل ادب شناسی سے سر مو متجاوز نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شعر تہذیب عشق رسول سے فروتر ہے بلکہ پورا دیوان ''نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید ایں جا'' جیسی کیفیت کا احساس تازہ کر رہا ہے اور یہی در اصل اس قصیدہ نعت کو نور کا قصیدہ بنانے کا باعث ہوا ہے۔

جناب شفیقؔ کی شاعری میں ایک مخصوص اعتدال ومیانہ روی کا رنگ غالب ہے۔ دربار رسالت میں انہوں نے جس طرح جذبات شوق کا اظہار کیا ہے اور جس انداز سے فریادوں اور تمناؤں کے گلدستے پیش کئے ہیں، ان سے واضح ہے کہ انہیں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے والہانہ عقیدت ہے اور عشق رسول کے جوش وولولہ سے ان کا قلب معمور ہے۔ ان کی پہلی نعت کے چند

اشعار ملاحظہ کیجئے ؎

دل تمہاری دید کا جس دن سے خواہاں ہوگیا
سارا گلشن میری نظروں میں بیاباں ہوگیا
پڑ گئی جس پر شعاع روئے تابان رسول
ذرۂ ناچیز بھی مہر درخشاں ہوگیا

فرط عقیدت کے ساتھ ان کے یہاں عقیدے کی یہ توانائی بھی قابل تحسین وستائش ہے ؎

گھر کے طوفاں میں پکارا جب اغثنی یا نبی
میری کشتی کا نگہباں خود ہی طوفاں ہوگیا

حصار طوفاں میں نبی سے فریادی ہونا اور پھر طوفاں کا اپنی قہر سامانی سے گریزاں ہو کر ڈوبتی کشتی کا نگہباں بن جانا نہایت خوبصورت شاعرانہ حسن خیال ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ شاعر کو یہ حسن خیال اتنا مرغوب ہے کہ انہوں نے دوسرے مقام پر بھی قوافی وردائف کے تغیر کے ساتھ اسی مضمون کو باندھنے کی کوشش کی ہے، مثلاً ؎

یا نبی آیئے بس اتنا کہا تھا میں نے
تیز طوفاں کے اشارے پہ کنارا چمکا
عجب کیا تھا کہ طوفاں خود تمہیں لیتا حفاظت میں
نبی کا نام لے لیتے تو بیڑا پار ہو جاتا

عجب اتفاق ہے کہ میں نے بھی اپنے ایک شعر میں اسی خیال کو باندھا ہے، ملاحظہ ہو ؎

ڈوبتی ناؤ میں گھبرا کے پکارا تھا انہیں
خود بھنور میں ہی چلا آیا کنارا دیکھو

شعرا بالعموم دربار رسالت میں استمداد واستغاثہ سے کام لیتے ہیں۔ یہ مذہبی عقائد کا مسلمہ جزو ہے۔ اس پر قرآن وسنت کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔ اردو تو آج پیدا ہوئی ہے، مگر عربی وفارسی ادب کا ایک بڑا ذخیرہ استمداد واستغاثہ کے رنگوں سے بھرا پڑا ہے۔ آج کے بعض تنگ نظر ناقدین اسے عشق رسول میں غلو قرار دیتے اور توحید خالص کے منافی سمجھتے ہیں جو دراصل عرفان رسالت سے ناواقفیت کی بین دلیل ہے اور یہ بات بہت اطمینان بخش ہے کہ شفیقؔ رائے پوری کی نعتیہ شاعری، ایسے بے اساس عقیدے سے کہیں بھی ذرہ برابر متاثر نہیں ہوئی ہے۔ بیشک شفیقؔ رائے پوری کی نعت گوئی

ان کے پختہ دینی مزاج کی آئینہ دار ہے۔ حب رسول کی سرشاری و مستی کی فضا میں انہیں توحید کی رفعتوں کا پاس رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ حمد کی وسعتوں اور نعت کی نزاکتوں سے بخوبی آشنا ہیں۔ چنانچہ ان کی نعت گوئی ان فنی قباحتوں اور فکری لغزشوں سے بڑی حد تک پاک ہے جو غلوئے محبت کی بنا پر اکثر شعرا کے یہاں راہ پا جاتی ہیں۔ خمار عشق کی کیفیتوں میں بھی شعور کا دامن ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ جذب و سرمستی کی حالت میں بھی وہ آداب محبت سے غافل نہیں ہوتے۔ یہ شعور و بصیرت کی پختگی اور اچھی شعری تربیت کی فیض گستری کی پہچان ہے ؎

ہم نے جب احمد مختار کا روضہ دیکھا ::: ایسا محسوس ہوا عرش معلیٰ دیکھا

جب تصور میں چلے آئے رسول اکرم ::: دور تک ہم نے اجالا ہی اجالا دیکھا

زہد چمکا نہ عمل کوئی ہمارا چمکا ::: حشر میں عشق محمد کا حوالہ چمکا

جب عرب میں تھا ضلالت کا اندھیرا گھر گھر ::: اس اندھیرے میں مرا گیسوؤں والا چمکا

حضور پر درود پاک بھیجنا کار ثواب ہی نہیں بلکہ یہ سنت اللہ اور وظیفہ ملائکہ بھی ہے۔ اسی سبب سے ہر زمانے میں نعت نگاری کا یہ ایک اہم موضوع رہا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے اشعار جناب شفیقؔ کے کلام میں بھی موجود ہیں جن میں کیفیتوں کی ایک دنیا آباد ہے ؎

قبول کیجئے نبیوں کے تاجدار درود ::: درود آپ پہ سرکار بے شمار درود

حضور آپ کے سر رفعتوں کا سہرا ہے ::: حضور آپ کی رفعت پہ بے شمار درود

خزاں کی رُت کبھی بھولے سے بھی نہیں آئی ::: مرے چمن میں ترے دم سے ہے بہار درود

اگر وہ چاہے تو جنت کی سیر کروادے ::: شفیقؔ رکھتا ہے اتنا بھی اختیار درود

شاعر کا خیال ہے کہ درود پاک کا وظیفہ یاد محبوب کی تازگی کا وسیلہ ہے، لہٰذا اسے خاص اہتمام کے ساتھ زبان پر جاری رہنا چاہیے ؎

دل میں نبی کی یاد کا موسم ہرا رہے

ورد درود پاک رہے ہر زبان پر

محترم شفیق رائے پوری کم و بیش سینتالیس برسوں سے خدمت شعر و ادب میں مصروف ہیں۔ ان کی شاعری کا آغاز غزلوں سے ہوتا ہے۔ وہ ایک عرصہ تک داغ اسکول کے نامور شاعر جناب سلیم احمد زخمیؔ بالودوی کے فیضان سے مستفیض ہوتے رہے۔ جناب زخمیؔ نے شاگرد کی صلاحیتوں کو پہچانا اور اپنی شفقتوں سے اُسے چمکا دیا۔ غزل گوئی کے زمانے میں جناب شفیقؔ نے مختلف آل انڈیا مشاعروں میں

شرکت کی۔ نیز ان کا کلام ملک کے بیشتر موقر ادبی رسالوں مثلاً "شاعر"، "ایوان اردو"، "قرطاس"، "فروغ ادب"، "ادبی محاذ"، "ہماری زبان"، "گلابی کرن"، "چشمہ اردو"، "احساس"، "گلبن"، "آجکل"، "کتاب نما" کے اوراق کی زینت بنتا رہا۔ اس تعلق سے ان کی غزلوں کا مجموعہ "صراط کرب" ۲۰۱۷ء میں منظر عام پر آچکا ہے۔ اسی درمیان اچانک ان کی شاعری حمد ونعت کی جانب باضابطہ آمادہ سفر ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتوں میں غزلوں کی بعض خصوصیات در آئی ہیں۔ بلاشبہ سلاست وروانی، جذبوں کی حدت، فکر وخیال کی رعنائی، سوز وساز کی گرمی، اظہار بیان کی سادگی وافر مقدار میں ان کے نعتیہ کلام میں موجود ہے۔ وہ خود کہتے ہیں ؂

غزل کی زلفوں کی مشاطگی تھی کل کی بات
ثنائے سرور عالم مرا شعار ہے آج
شہرِ نعتِ شہ کونین میں ہوں میں جب سے
ڈھونڈتے رہتے ہیں غزلوں کے رسالے مجھ کو

وہ جب کبھی غزلیہ رنگ میں گیسوئے نعت سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں تو بندش کی چشتی اور محاورے کے استعمال کی برجستگی لائق تحسین ستائش ہوتی ہے۔ میرے خیال سے نعت کا ایسا شگفتہ شعر وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو میکدۂ غزل میں بیٹھ کر جرعہ نوش کرنے کا موقع میسر آیا ہو ؂

نہ مدینہ جا سکوں میں نہ ہی بوئے یار آئے
مرے بے قرار دل کو کہاں پھر قرار آئے
وہ طلسم عشق ہی تھا ترے نام پر دوانے
کبھی سر اُتار لائے کبھی سر اُتار آئے

واقعی جناب شفیق رائے پوری نے غزل کے تخلیقی جوہروں کو بڑی شان واہتمام اور سوچ وفکر کے ساتھ اپنی نعتوں میں پرونے کی کوشش کی ہے۔ اسی کوشش کا یہ راست نتیجہ ہے کہ انہوں نے نئی نئی زمینوں میں نعت کہہ کر ایک طرف سہل ممتنع کے نمونے پیش کئے ہیں تو دوسری طرف سادگی وپرکاری کی تازہ فصلیں بھی لگائی ہیں۔

نعت گوئی کی تاریخ میں ایک خاص روایت چلی آرہی ہے کہ ہمارے نعت گو شعرا کی بیشتر توجہ صرف حضور رسالت مآب سے جذبات محبت کے اظہار پر مبذول رہتی ہے اور سراپائے اقدس کی توصیف، اعتقادی تبلیغ، تقدیس گنبد خضریٰ، واقعہ معراج اور معجزات کی اثر انگیز توضیح وتشریح ہی کو موضوع

نعت خیال کرتے ہیں، لیکن اب عصر حاضر میں نعت کا موضوع مزید وسعت پا چکا ہے خصوصاً اردو نعت میں حضور کے حسن و جمال اور معجزات کا تذکرہ ہی نہیں شمائل وخصائل اور سیرت واقوال کا تذکرہ بھی نظم کیا جا رہا ہے اور یقیناً یہ روش بہت افادیت رکھتی ہے کہ اس طرح قاری کو احتساب ذات اور اصلاح فکر و عمل کا موقع بھی ملتا ہے اور یہ باعث طمانیت ہے کہ اس پہلو سے بھی جناب شفیقؔ رائے پوری ہمیں مایوس نہیں کرتے کیوں کہ ان کے مجموعہ نعت ''قصیدہ نور کا'' کے بہت سے اشعار سیرت طیبہ اور تبلیغ دین حق کی اہمیت وافادیت کا بھرپور احساس دلاتے ہیں، چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

ظلمتیں پھیلا رہا تھا جب جہالت کا چراغ
آئے لے کر مصطفیٰ رشد و ہدایت کا چراغ

گمرہی کی ظلمتوں میں ٹھوکریں ممکن نہیں
ہے مرے ہمراہ شاہ دیں کی سیرت کا چراغ

جب سامنے ہے سیرت محبوب کبریا
پھر کیوں بھلا کسی کی کروں پیروی عبث

آتا ہے خیال آقا جب آپ کے بستر کا ::: ہم آپ کی سنت پر کرتے ہیں عمل کتنا
طوافِ نورِ چراغِ حرا کریں ہم لوگ ::: حیات تیرہ کا ہر گوشہ جگمگائے گا
رہنما جب سے ہوئی سیرت رسول اللہ کی ::: ہر قدم پر فتح و نصرت نے قدم چوما کئے
نئے سویرے کا دنیا کو انتظار ہے آج ::: زبان حال سے کہتی تھی یہ شب ہجرت
گو وہ پتھر تھا مگر دنیا نے ہیرا دیکھا ::: ڈھل گیا ہے مرے سرکار کی سیرت میں جو
حشر کے میدان میں مت مونس و غم خوار ڈھونڈ ::: کون آقا کے سوا ہے محسن انسانیت

''قصیدہ نور کا'' کے مطالعہ کے دوران کچھ زبان و بیان کی ہلکی پھلکی خامیاں بھی سامنے آتی ہیں۔ مثلاً بعض شعروں میں ایطا کا عیب بھی ہے اور بعض اشعار رعنائی فکر کے اعتبار سے مزید توجہ کے طالب بھی، مگر یہ دراصل بشری تقاضوں کے زیر اثر ہے اور اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بہر حال اس میں شاعر کا دانستہ دخل نہیں۔ مجھے پوری امید ہے کہ آئندہ اشاعت میں اس نوعیت کے تسامح بھی دور کر لئے جائیں گے ساتھ ہی ساتھ شاعر محترم کو ہدیہ تبریک نذر کرتے ہوئے میرے لئے اپنے اس یقین کامل کا اظہار بھی لازمی ہے کہ مذہبی دواوین کے ہجوم میں ''قصیدہ نور کا'' کو خوب پذیرائی حاصل ہوگی اور یہ محبان رسول کے لئے ایک قیمتی روحانی تحفہ ثابت ہوگا۔

***

اختر سعیدی
کراچی

مطالعاتِ حمد ونعت (تنقیدی مضامین)

مصنّف: نسیم سحر ::: صفحات: 175، قیمت: 400روپے
ناشر: فرہاد پبلی کیشنز، کمال آباد، راول پنڈی

شاعر، افسانہ نویس، تنقید نگار، صحافی اور مزاح نگار، نسیم سحر کا ادبی سفر پچاس برس سے زائد عرصے پر محیط ہے۔ وہ خطّۂ پوٹھوہار کے ایک ادبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے ہر صنفِ ادب میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے۔ ان کے فن، شخصیت اور شعری اصناف پر اب تک پانچ ایم فل کے مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب ان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے، جس میں ڈاکٹر احسان اکبر، جمیل یوسف، ڈاکٹر فرحت عباس، سیّد ابرار حسین، ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، جان کاشمیری اور عارف فرہاد کے توصیفی مضامین بھی شامل ہیں۔

اس کتاب میں کتابوں پر لکھے جانے والے مضامین، کتابوں کے دیباچے اور فلیپ اور عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر تاثرات دیئے گئے ہیں۔ کوئی مضمون کتابِ سیرت پر ہے، کوئی کسی نعتیہ مجموعے پر اور کوئی سفرنامۂ حج پر۔ نعت نگاروں کا خصوصی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ مصنّف کے مضامین زبان و بیان کے لحاظ سے بھی وضاحت و بلاغت کے وصف پر مبنی ہیں کہ جو کہنا چاہتے ہیں، بڑی خُوب صُورتی سے جملوں میں ڈھال دیتے ہیں۔ یہ صنعت ہر قلم کار میں نہیں ہوتی۔

***

اختر سعیدی

کراچی

''جہانِ حمد'' (کتابی سلسلے کا خصوصی نمبر)

مدیر: طاہر حسین طاہر سلطانی ::: صفحات :732، ہدیہ :800 روپے
ناشر: جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی

فروغِ حمد و نعت کے حوالے سے طاہر سلطانی کی خدمات نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔ اسی لیے انہیں ایک بڑی تقریب میں ''شاعرِ حمد و نعت'' کا خطاب عطا کیا گیا، جو اب ان کے نام کا حصّہ بن چکا ہے۔ وہ 1970ء سے اس میدان میں سرگرمِ عمل ہیں۔ طاہر سلطانی نے 2019ء میں ''ادارۂ چمنستان حمد و نعت ویلفیئر ٹرسٹ'' کی جانب سے ہر سال ''عالمی حمد و نعت کانفرنس'' کے انعقاد کا اعلان کیا تھا، جسے اولاً دیوانے کا خواب سمجھا جارہا تھا، لیکن اب وہ گزشتہ تین سال سے آرٹس کونسل آف پاکستان میں ''عالمی حمد و نعت کانفرنس'' کا اہتمام کررہے ہیں، اس سے اُن کی قوتِ ارادی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ طاہر سلطانی کتابی سلسلے ''جہانِ حمد'' کراچی کے مدیر بھی ہیں۔ ہمارے پیشِ نظر ''جہانِ حمد'' کا خصوصی نمبر ہے۔

یہ شمارہ 2021ء میں منعقد ہونے والی دوسری ''عالمی حمد و نعت کانفرنس'' کی رُوداد پر مشتمل ہے۔ وہ تمام مقالات اس میں یک جا کردیئے گئے ہیں، جو کانفرنس میں پڑھے گئے۔ ساتھ ہی مقالہ نگاروں کا تعارف بھی۔ اُن شعرائے کرام کا کلام بھی دے دیا گیا ہے، جنھوں نے دورانِ کانفرنس منعقد ہونے والے حمدیہ اور نعتیہ مشاعرے میں شرکت کی۔

آخر کے 40 صفحات پر کانفرنس کی تصویری جھلکیاں ہیں۔ یہ شمارہ حمد و نعت کے حوالے سے ایک دستاویز بن گیا ہے، جو ادب کے طلبہ کے لیے نہایت مفید اور معلوماتی ثابت ہوگا۔ اس شمارے میں طاہر سلطان کی محنت نظر آرہی ہے، جب کہ لیاقت علی پراچہ اور حافظ محمد نعمان طاہر بھی لائقِ تحسین ہیں کہ طاہر سلطان کی بھر پور معاونت کی۔

***

علیم صبا نویدی

چینئی، تامل ناڈو

حیرت الٰہ آبادی کا مجموعہ ''منارۂ نور''

نعت گوئی کو بعض شعراء نے ایک فن سمجھ کر نہیں بلکہ عبادت سمجھ کر اپنایا ہے۔ نعت گوئی عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کا حصہ ہے۔ بعض نعت گویوں میں اپنا نام لکھوانے کا شوق رکھنے والوں کی نعتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اسی طرح کا تعلق دکھائی دیتا ہے جتنا کہ ایک عام آدمی کا ایک خاص آدمی کے ساتھ تعلق، ایک مداح کا ایک صاحب اقتدار کے ساتھ تعلق، ایک جاہل کا ایک عالم کے ساتھ تعلق وغیرہ۔ نعوذ باللہ۔ اس طرح کی نعت گوئی کس کام کی جس میں عشق محمدیؐ نہ ہو۔ اللہ کے فضلؒ سے ایسے شعراء اکّے دکّے ہی ہوں گے کیونکہ خود قدرت ان کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ایک شعر بھی اگر کہہ لیا جائے تو وہ ہزار دیوانوں پر بھاری مقصور ہوگا۔ حیرت الٰہ آبادی کا مجموعۂ کلام پڑھنے سے بیشتر ان کے ''عرض حال'' پر جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی وسیلہ نجات و مغفرت ہے''۔ پھر نعت گوئی کے واسطے سے ہی وہ چاہتے ہیں ان کے چھوٹے بھائی سید منظور الحسن صاحب جو چار سال سے علیل ہیں صحت وشفایاب جائیں، وہ قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر ان کا ایک شعر ہی یا کم از کم ایک مصرعہ ہی پسند آجائے تو وہ ان کے بھائی کی شفایابی کے لیے دعا کریں۔ ایسا ایقان ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کا ایمان ہوسکتا ہے! وہ رسولؐ شناسی کو خدا شناسی کے مترادف سمجھتے ہیں تو یہ رویہ بھی انہیں عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے زمرے میں شامل کرتا ہے۔

حیرت صاحب پاکستان میں ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر نظامِ مصطفیٰ کی تحریک سے بہت متاثر ہیں۔ اس تاثر کو ظاہر کرنے والے بہت سارے اشعار ہمیں پڑھنے کو ملتے ہیں

نظام مصطفوی کی سحر تو ہونے دو
بجھے چراغ بھی لو دیں گے روشنی کے لیے

پھنستے نہیں ہیں بھول کے بھی عاشق رسولؐ
شیطان کا لاکھ جال ہو انساں کے اردگرد

بجھ نہیں سکتا چراغِ مصطفےٰ صلِ علیٰ
چپے چپے پر جلے گا یہ دیا مضبوط ہے

یہ تو ان کی دین ہے حیرت جواب بھی میرے گھر
محفلِ نعت نبیؐ کا سلسلہ مضبوط ہے

حیرت الٰہ آبادی کی نعتوں میں خلوص و عقیدت کا معیار بہت بلند ہے۔ ان کی زبان کی سادگی کے

ساتھ جذبے کی سچائی جب شامل ہوتی ہے تو ان کی نعتوں میں ایک خاص مٹھاس اور دلفریبی پیدا ہوجاتی ہے۔ حیرت صاحب کو کہا جاتا ہے کہ عشق رسول ﷺ ورثہ میں ملا ہے۔ آپ مولوی سید ظفر حسن عبرت الٰہ آبادی کے فرزند ارجمند ہیں اور حضرت عبرت، حضرت امیر مینائی کے شاگرد ہیں۔ حیرت صاحب کی زبان میں جو حرارت اور بے ساختہ پن ہے وہ بھی ورثہ میں ہی ملا ہے۔

''مینارۂ نور'' کا آغاز ایک حمد سے ہوتا ہے اس میں بھی نعت کا ایک شعر رکھ دیا ہے ؎

لب پہ ہو اسمِ نبیؐ دل میں ہو ایماں تیرا
یہ گنہگار کی بخشش کے لیے کافی ہے

حیرت صاحب کے ان اشعار پر صاد لگائی جاسکتی ہے

مدحت سرکارؐ یوں تو عمر بھر لکھتا رہا
لکھ نہ پایا کچھ بھی میں شایان شان مصطفےٰؐ

خوابوں میں مرے اکثر سرکارؐ نظر آئے
راتوں میں درودوں کا جو ورد کیا حیرت

آپؐ کا رتبہ میں کیا جانوں مگر لکھتا رہا
میری یا میرے قلم کی ہے بھلا اوقات کیا

روز و شب نعت نبیؐ حیرت اگر لکھتا رہا
مل ہی جائے گی سند فردوس کی ایک دن ضرور

برس رہی ہے کرم کی گھٹا کئی دن سے
میں پڑھ رہا ہوں جو صلِّ علیٰ کئی دن سے

کہ اب تو ہم کو عشقِ مصطفےٰؐ کا غم پسند آیا
غم دنیا بھی ہم بھولے، غم عقبیٰ بھی ہم بھولے

پہنچی ہیں رحمتیں مرے داماں کے اردگرد
پھیلے ہیں ہاتھ جب شہؐ شاہاں کے اردگرد

حیرت صاحب کے اس مجموعہ میں عقیدت اور محبت کے سینکڑوں پھول بکھرے پڑے ہیں جن کو چن چن کر اپنے دل میں جمع کر لیں تو دل ایمان و محبت سے لبریز ہوجائے گا۔ یہ مجموعہ قارئین کے لیے بھی عبادت کا کام دیتا ہے۔ حیرت صاحب کی نعتوں میں ان کے دل کے عجیب عجیب سجدے ملتے ہیں۔ کہیں آپ سرکار ﷺ کے تعلق سے یوں فرماتے ہیں ؎

پھر ہدایت کو حدیثِ مصطفےٰؐ لکھی گئی
لکھنے والوں نے لکھا جو کچھ سنا سرکارؐ سے

خانقاہوں پر لوگ طعنہ زنی کرتے ہیں اور ذکرِ خدا اور ذکرِ حبیب ﷺ کے اس طریقے کو بدعت بھی قرار دیتے ہیں مگر حیرت صاحب یہ عقیدہ ملاحظہ فرمایئے۔

ہیں ذکر نبیؐ سے بھری خانقاہیں
ہر اک سر میں سودا ہے صلِّ علیٰ کا

حیرت صاحب کو یہ زعم ہرگز نہیں کہ انہوں نے حضور کی شان میں مکمل طور پر نعت گوئی سے کام لیا ہے۔ کوئی بھی عاشق رسول ﷺ نعت میں حیرت صاحب کی طرح یہ کہتا دکھائی دے گا۔

یوں تو کاغذ پر قلم چلتا رہا شام و سحر
لکھ سکا ہرگز نہ میں شایانِ شان مصطفےٰؐ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے کوئی ناامید ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک عاصی کو بھی اسی شفاعت کی امید رہتی ہے اور یہی اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ کردیتی ہے۔ حیرت صاحب بھی انہی شفاعت طلب امتیوں میں سے ایک ہیں۔

پڑھے گا جو خلوص دل سے نعت مصطفیٰؐ لوگو　　شفاعت برملا ہوگی یہ ہے وعدہ محمدؐ کا

نعت گوئی میں مداومت کی خواہش حیرت صاحب سے اس طرح کہلاتی ہے ؎

اسم پاکِ سرورؐ کو چاہتوں کے گلشن میں　　ڈال ڈال لکھوں گا پات پات لکھوں گا

حیرت صاحب کی اس دعا میں ہم سب شامل ہوتے ہیں اور آمین کہتے ہیں۔

دعا حیرت کی ہے یارب کچھ ایسا انقلاب آئے　　بہے رحمت کا دریا، نور کی بارش ہو گھر گھر میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیواؤں میں ہر امتی آجائے تو پھر اس کی نجات میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ ہم بھی حیرت صاحب کے اس شعر میں اپنے آپ کو شامل کر لیتے ہیں۔

یہ ہمارا شیوہ ہے یہ ہمارا ایماں ہے　　ذکر کبریاؑ کرنا نامِ مصطفیٰؐ لینا

حیرت الہ آبادی صاحب کے ان تمام اشعار کا احاطہ اس جگہ ناممکن ہے جن پر تبصرہ سے پیشتر صاد لگادی تھی۔ ان اشعار کے طفیل سے ان کے بھائی صاحب کو اللہ تعالیٰ شفائے کلی عطا کرے اور انہی اشعار کے واسطے سے ہم تمام کو بھی دین ودنیا میں سرخ روئی عطا کرے۔

***

••

'جہانِ حمد ونعت' کا شمارہ 4

الحمد للہ 324 صفحات پر مشتمل چوتھا شمارہ اگست 2023ء کے آخری ہفتے میں طباعت کے لیے دیا گیا۔ اس کے معاً بعد شمارہ نمبر 5 کی تیاری کا مرحلہ آ گیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے زیرِ نظر (پانچواں) شمارہ (جو آپ کے ہاتھ میں ہے) بھی ستمبر کے پہلے ہفتے میں مطبع کے حوالے کیا گیا۔ اللہ قبول فرمائے۔

••

علیم صبا نویدی

صبیح رحمانی کا مجموعہ ''جادۂ رحمت''

بہت کم شعراء ایسے ہیں جنہوں نے نعت گوئی ہی کو اپنا مقصد شاعری تصور کیا ہے۔اس محترم صنف کو برتنے والوں میں ایک جذبہ جذبۂ عشقِ رسول ؐ ہی ہے۔ وہ اسے محض فنی برتری کے لیے نہیں اپناتے بلکہ بطور عبادت اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں ایک شعر کہنا ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجنے کے مترادف ہے کیونکہ نعتیہ شعر کہتے وقت صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات ہی تصور پر چھائی رہتی ہے اور کوئی دوسری شخصیت، یا دوسرا خیال ذہن کے پردے سے کوسوں دور ہوتا ہے یا یہ کہنا بھی درست ہے کہ کوئی اور خیال نزدیک پھٹک بھی نہیں پاتا۔

صبیح رحمانی صاحب بڑے خوش نصیب اور مسعود شاعر ہیں جنہوں نے کم عمری ہی میں اس صنف کی طرف توجہ دی ہے۔ ان کا نوجوان ذہن کم عمری ہی میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے منور اور معطر ہو گیا ہے۔ ان کا نعتیہ کلام عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ایک والہانہ اظہار عقیدت و مودت ہے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دامن اکرم تھامنے میں بہت بڑا سکون محسوس کرتے ہوں گے۔ان کے قلم نے نعتوں کے لیے جب پہلا سجدہ کیا تو اس پہلے سجدے سے آخری سجدے تک کی مدت بہت زیادہ نہیں ہے۔ پہلے ''ماہ طیبہ'' میں اور پھر اب ''جادۂ رحمت'' میں انہوں نے اپنے قلم کو تمیز سجدہ سکھایا ہے۔ وہ اب اس مقام پر ہیں کہ انہیں ایک بہترین نعت گو شاعر کہا جا سکتا ہے۔ ''جادۂ رحمت'' پر نظر ڈالتے ہوئے ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی (پروفیسر شعبۂ اردو، جامعہ کراچی) رقمطراز ہیں:

''صبیح رحمانی مجموعہ ہیں ایک سوچتے ہوئے ذہن، ایک دھڑکتے ہوئے دل، دوسروں کے ساتھ وابستگی کے ایک احساس کا۔اور یہ وابستگی اپنے رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تعلق کا ثمرہ ہے۔ ان کی نعت گوئی ان کی ذات کا عکس ان کی شخصیت کی آواز دل کی دھڑکن اور ذہن کی فکر ہے''۔

صبیح رحمانی کی نعت گوئی سے متعلق پروفیسر عاصی کرنالی کہتے ہیں:

''صبیح رحمانی کی نعتیں جہاں ایک طرف روایتی اور مروجہ نعت کے عطر سے اپنے دامن کو معطر

کئے ہوئے ہیں وہیں عصرِ حاضر کے تناظر کی خوش رنگی سے رنگیں ہیں اور وہیں عہدِ آئندہ کے امکانات کی رعنائی کو اپنے فکر و اظہار میں سمیٹے ہوئے ہیں''۔

صبیح رحمانی پر یہ آراء بالکل صحیح ہیں۔ آپ نے نعت کو صنف غزل کی مماثلت سے دور بھی کیا ہے۔ ہائیکو اور آزاد نظموں کے طرز پر بھی نعت کہنے کا تجربہ بہت سے شعراء نے کیا ہے۔ نعتیہ سانیٹوں کے کہنے کا بھی عرصے سے رواج پڑ گیا ہے (بقول پروفیسر کرامت علی کرامت ہائیکو اور آزاد غزلوں میں سب سے زیادہ نعتیں کہنے کا سہرا راقم الحروف کے سر ہے اور نعتیہ سانیٹ کا پہلا مجموعہ ''نور السمٰوات'' (مطبوعہ ۱۹۹۰ء) بھی راقم نے ہی اردو ادب کو دیا ہے۔ نظم پابند و معریٰ میں نعتوں کے علاوہ صبیح رحمانی نے دیگر اصناف میں بھی نعتیں کہی ہیں۔ آپ پابند غزل کے مزاج کے موافق جب نعتیں کہتے ہیں تو وہ محفلوں اور مجلسوں میں خوش الحانی سے پڑھنے کے لیے کہتے ہوں گے کیونکہ سنا گیا ہے کہ وہ خود ایک خوش الحان شاعر ہیں۔ ان کی نعتیں ترنم کے ساتھ پڑھی جائیں تو بہت اثر چھوڑ سکتی ہیں۔ ان نعتوں میں غنائیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

کوئی مثل مصطفیٰ کا کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا
کسی اور کا یہ رتبہ کبھی تھا، نہ ہے نہ ہوگا

قلم خوشبو کا ہو اور اس سے دل پر روشنی لکھوں
مجھے توفیق دے یا رب کہ میں نعت نبیؐ لکھوں

لکھوں مدح پاک میں آپ کی مری کیا مجال مرے نبیؐ
نہ مزاج صرف کی آگہی نہ ہوں خوش مقال مرے نبیؐ

تھے عالی مرتبہ سب انبیاء اول سے آخر تک
مگر سرگار سا کوئی نہ تھا اول سے آخر تک

اس مجموعہ میں صنف غزل سے ہٹ کر آزاد نظم یا ہائیکو کی شکل میں جو نعتیں ہوئی ہیں ان میں بھی آپ نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو مقدم رکھا ہے۔ صنف محض ان کے لیے ایک راستہ اظہار عشق کا ہے۔ ان کی نعتیہ ہائیکو کے نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

صرف مدینے میں
اور کہاں پر اُگتے ہیں

سورج سینے میں

جس طرح ہائیکو میں کسی موسم یا قدرتی عنصر کو جگہ دینا رواج ہے۔ مذکورہ بالا ہائیکو میں ''سورج'' اور ''اگتے'' کے تعلق سے جو بات بنا کر نعت رسول ہوئی ہے وہ بہت عظیم ہے۔ الفاظ بالکل سادہ ہیں مگر ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق پیدا کر کے الفاظ سادہ کو الفاظ محترم بنا دیا ہے۔ اس سادہ ترین ہائیکو کا جواب نہیں: ۔

لکھیے ان کا نام

اجلے موسم اتریں گے

دل پر صبح و شام

آزاد نظم میں اس صنف کو برتنے میں بھی صبیح رحمانی پوری داد طلب کر لیتے ہیں۔

منزلیں گم ہوئیں راستے کھو گئے

راہ سیرت سے ہم ایسے بھٹکے شہا

خود کو پہنچاننا راہِ دشوار ہے

زندگی ریت کی جیسے دیوار ہے

آپ کا در ہمیں پھر سے درکار ہے

(گمشدہ سفر)

اسی کو آزاد نظمی نعت بھی کہنا غلط ہے۔ کیونکہ میں ان ارکان کی پابندی پوری طرح کی گئی ہے بعض جگہ پر ارکان کے تواتر کو توڑتے ہیں تو آزاد نظم کے قریب ان کی نعت پہنچتی ہے۔

مثلاً ''اے نوید مسیحا دعائے خلیل'' کے عنوان سے جو نعت کہی ہے اس میں ارکان تکرار نہیں ہے کچھ لچک باقی رکھی ہے۔ یہی بات ''دعا کا آسمان''، ''دھوپ میں تلاش سائباں'' وغیرہ میں نظر آتی ہے۔

صبیح رحمانی گویا نعت گوئی ہی کے لیے وقف ہو گئے ہیں اور وہ اس کے لیے مبارکبادی ہی کے مستحق ہیں۔ پروفیسر سحر انصاری رقمطراز ہیں کہ:

''صبیح رحمانی پوری لگن سے نعت گوئی میں منہمک ہیں اور اپنی شاعری اور مقصدِ حیات دونوں کا منشور اس طرح پیش کر دیا ہے''۔

میں ہوں وقفِ نعت گوئی، کسی اور کا قصیدہ

مری شاعری کا حصہ کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا

***

ڈاکٹر نجم الہدیٰ
پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو و ڈین فیکلٹی آف ہیومینٹیز، بہار یونیورسٹی [سابق پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو، فارسی و عربی، مدراس یونیورسٹی]

تنویر پھول کا شعری مجموعہ "انوارِ حرا"

تنویر پھول کا شعری مجموعہ "انوارِ حرا" حمد، مناجات، نعت، منقبت، درود و سلام، قطعات و رباعیات اور نظم معرّا پر مشتمل ہے۔ یہ عقائد و معرفت، رشد و ہدایت، محبت و عقیدت، خیال کی بلندی، فکر کی اصابت، جذبہ و احساس کی لطافت اور بھرپور دینی معلومات کا ایسا مخزن ہے جس کی کلید ایوانِ فنِ شعر کی تزئینِ بام و در و سقف و ستون کے مشاہدے سے ہی ہاتھ آتی ہے۔ یہ مجموعۂ کلام گویا فکر و فن کا ایسا امتزاج ہے جس میں جذبہ و خیال اور حُسنِ پیرایۂ اظہار مترادف و لاینفک ہیں۔ جب جذبے کی طہارت اور فکر کی صفائی و راستی اظہار و بیاں کی پاکیزگی اور سادگی سے آمیز ہوتی ہے تو ترسیل و ابلاغ کے قمقمے روشن ہوجاتے ہیں اور قاری کسی پیچاک میں الجھے بغیر مسرت و بصیرت کے اس لازوال سرچشمہ سے بقدر حوصلہ بہرہ ور ہوتا ہے۔ استاذی پروفیسر اختر قادری مرحوم کے بقول: خود فکرِ عفیف ایک شہ پارہ ہے۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حُسنِ خیال ہی حُسنِ اظہار کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور اس کے لئے کسی تکلف کی احتیاج نہیں ہوتی، بیان کی سادگی میں بھی پرکاری ممکن ہے، صنعت وہی عمدہ ہے جو پیرایۂ اظہار کے تار و پود میں پیوست ہو، اوپر سے جڑی ہوئی نہ لگے یعنی برجستہ ہو، آمد کے معنی میں ہو، تصنع نہ ہو اور آورد نہ لگے۔ "انوارِ حرا" میں تنویر پھول کی شاعری کچھ اسی نہج کی ہے۔

اس مجموعے کے شاعر کا مذہبی مطالعہ صحیح عقائد کی بنیادوں پر قائم ہے اور بہت بہت وسیع ہے۔ قرآن و حدیث اور دینی اقدار و روایات کے منابع پر شاعر کی صرف گہری نظر نہیں بلکہ ان سے پورا پورا استفادہ کرنے کے شواہد فراہم کئے گئے ہیں۔ "انوارِ حرا" میں قرآن پاک اور صحیح احادیث کے اتنے زیادہ حوالہ جات اور اتنی وافر تلمیحات ہیں کہ واقف کاران کی داد دے سکتے ہیں اور ناواقف ان سے معلومات کا دامن بھر سکتے ہیں۔ یہ خوبی "انوارِ حرا" کی تمام منظومات میں ہے، خواہ وہ کسی عنوان سے ہو اور کسی صنف سخن کی ہیئت میں ہو۔

"انوارِ حرا" کی جن خصوصیات کا ذکر سطور بالا میں یا آگے کیا جارہا ہے، ان کے شواہد کے طور پر

اشعار مناسب جگہ پر نقل کئے جائیں گے۔ سر دست چند اور نکات کی نشاندہی ملحوظِ خاطر ہے۔

تنویر پھول کے افکار کا دائرہ حیات انسانی کے متعدد شعبہ جات کا احاطہ کرتا ہے۔ بظاہر شاعری کی نوعیت صرف مذہبی ہے لیکن ہمارا مذہب بھی تو زندگی کے تمام معاملات و مسائل سے مربوط ہے، ٹھیک اسی طرح تنویر پھول کے اس مجموعے کی منظومات میں خواہ وہ حمد و نعت و مناجات کے ہی عنوان سے ہوں ، معاشرت اور انسانی تاریخ کے متعدد گوشے روشن ہیں۔ تنویر پھول کا مطالعہ نہ صرف دینی اعتبار سے وسیع ہے بلکہ انھوں نے دین کے پس منظر میں سہی، طائرِ فکر و نظر کو ملکوں ملکوں دیگر زبانوں کے سرچشموں سے علم کی پیاس بجھانے کے لئے پرواز کی اجازت دے رکھی ہے۔ کہیں وہ عبرانی زبان میں پائے جانے والے حضرت سلیمان علیہ السلام سے منسوب اس قصیدے کی منظوم ترجمانی کرتے ہیں، جو **1800**ء اور اس سے پہلے شائع شدہ انجیل کے نسخوں میں موجود ہے اور بعد کی شائع شدہ انجیلوں میں تحریف کر کے یہ آخری فقرہ جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی موجود ہے، نکال دیا گیا ہے اور کہیں معروف مورخ عمر ابوالنصر کی کتاب "الحسن والحسین" سے عربی اشعار اخذ کر کے ان کا منظوم ترجمہ: " کربلائے معلیٰ میں حضرت زینب کے اشعار" کے عنوان سے کرتے ہیں۔ تنویر پھول محققانہ رنگ میں عبرانی سے ترجمے میں پورا حوالہ بھی دیتے ہیں" مذکورہ قصیدہ انجیل کے عبرانی نسخے کے صحیفہ غزل الغزلات کے باب پنجم کا فقرہ نمبر ایک تا فقرہ نمبر دس ہے جسے لندن برٹش بائبل ایسوسی ایشن نے **1800**ء میں شائع کیا تھا"۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ ہمارا شاعر محقق بھی ہے، شاعری وادیِ تخیل کی سیر سہی مگر بقول علامہ اقبال " جزویست از پیغمبری" بھی ہے، پھر تو اس پر بلا استناد زبان سے کوئی بات نکالنا بھی حرام ہے، تحقیق کا رنگ تو از خود آ ہی جائے گا۔

تنویر پھول کی شاعری میں وسیع مطالعہ اور عمیق مشاہدہ کے اثر سے فکر و فلسفہ کی جو نگاہ پیدا ہو گئی ہے وہ اس دینی شاعری میں بار بار یہ احساس دلاتی ہے کہ ہمارا دین خدائے لم یزل کی تخلیق کردہ بے کراں کائنات کے مطالعہ و مشاہدہ کی دعوت دیتا ہے اور غور و فکر کرنا سکھاتا ہے اور مزید یہ کہ شاعر نے زندگی کے تجربات اور علم و آگہی کی دولت سے استفادہ کر کے اپنی شاعری کی آب و تاب میں اضافہ کر دیا ہے۔

"انوارِ حرا" کی متعدد نظموں میں یہ وصف موجود ہے۔ میں یہاں بالخصوص نظم معرّا زیرِ عنوانِ "تمنا" اور رباعیات و قطعات کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔

نظم "تمنا" فکر وفن دونوں کے اعتبار سے ایک شہ پارہ ہے۔ یہ "تمنا" نہ صرف ایک حقیقی شاعر کے دل کی آواز ہے بلکہ فکر صالح اور آرزوے پاکیزہ کا مترادف بھی ہے۔ یہ چھوٹی سی نظم اپنے اندر ایک وسیع کائنات رکھتی ہے۔ عقیدہ راسخ بھی ہے، عقیدت بھی ہے، صحیح اور متوازن فکر بھی ہے اور مثالی دنیا کی تعمیر کا ارمان بھی ہے۔ آپ بھی دیکھئے:

اِس عالمِ سفلی سے ہٹ کر ::: اے کاش ، اِک ایسا عالم ہو
سرکار کے قدموں سے لپٹوں ::: ہر لمحہ طوافِ کعبہ ہو
واں نیند نہ ہو ، واں بھوک نہ ہو ::: سب یاں کی غلاظت دُور رہے
شیطان کا داو چل نہ سکے ::: سرکار کے قدموں سے لپٹوں
اللہ کی رحمت کا دریا ::: ہر آن وہاں پر جاری ہو

اور یہ رباعیاں :

دریا کی ہر اِک موج سدا ہے پُر جوش ::: کم ظرف کا عالم ہے یہی ، اے بے ہوش
تو میری خموشی کی حقیقت کو سمجھ ::: رہتا ہے سمندر بھی تو یوں ہی خاموش
میں خود ہی سنواروں گا جہاں کی بستی ::: میں بڑھ کے بدل دوں گا نظامِ ہستی
جنت سے نکلوا دیا شیطاں تو نے ::: اور اوج کے بدلے میں دلا دی پستی

تنویر پھول کی شاعری میں افکار کی گراں مائیگی کے ساتھ فن کی خوش آہنگی کا امتزاج کبھی تو لفظوں کے انتخاب میں جلوہ گر ہوتا ہے اور کبھی مترنم بحروں کے استعمال میں۔ ایک حمد کا یہ شعر بطور نمونہ پیش خدمت ہے:

میں بڑا ذلیل و حقیر ہوں ، تو بڑا عظیم و کریم ہے
میں دبا ہوں بارِ گناہ سے، تو غفور ہے، تو رحیم ہے

اور نعت سرور کونین کا یہ شعر دیکھئے:

بھیک جس کو محمد کے در سے ملی ، ہیچ ہے سامنے اُس کے شاہنشہی
مل گیا ہے تجھے گنجِ عشقِ نبی ، اب بھلا تجھ کو اے پھول کیا چاہیے

جی تو چاہتا ہے کہ "انوارِ حرا" سے ڈھیر سارا اقتباس پیش کر کے اپنی معروضات کو زیادہ مدلل بنالوں اور اپنے پسندیدہ اشعار سے لطف اندوزی میں آپ کو بھی شریک کرلوں مگر اس مضمون کو طول دینا بھی مناسب نہیں ہے۔ میرے بیان کی تصدیق آپ کا مطالعۂ "انوار حرا" ہی کر دے گا۔ میں چند اشعار بطور "مشتے نمونہ از خروارے" پیش کرتا ہوں :

اُحد میں چاند سی پیشانی ہوگئی گھائل ::: مِرے حضور، ہیں صدیوں کے فاصلے حائل
وہ زخم اپنے ہی چہرے پہ میں سجا لیتا ::: نہ عمر میری گزر جاتی یوں ہی لا طائل
مِرے حضور، مِری جان آپ پر قرباں ::: شکم پہ آپ نے باندھے تھے بارہا پتھر
جو بد نصیب تھا، دل اُس کا ہو گیا پتھر ::: لگا وہ دل پہ مِرے، دل مِرا فگار ہُوا
حضور، آپ کو طائف میں جو لگا پتھر ::: مِرے حضور، مِری جان آپ پر قرباں

اور: ؎

ہے جس کی ذاتِ اقدس باعثِ تخلیقِ دوعالم ::: جہاں میں آج اُس پیارے نبی کی آمد آمد ہے
سلام اب تم سدا بھیجو شہنشاہِ دوعالم پر ::: پڑھو قرآن اور دیکھو، یہ اِک امرِ موکّد ہے

تنویر پھول بُستانِ نعت کے عندلیبِ خوش نوا ہیں۔ متعدد بلکہ بے شمار مثالوں میں سے صرف چند شعر ملاحظہ کیجئے۔ کیسی والہانہ شیفتگی اور فداکارانہ جذباتی وفکری نسبتِ غلامی آقائے نامدار، مدینے کے تاجدار سرورِ کائنات، فخرِ موجودات سیدی ومولائی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمارے شاعر کو ہے، قابلِ دید ہے: ؎

ہو تم افضل الانبیا یا محمد ::: مِری جان تم پر فدا یا محمد
ہر اِک شے سے کون و مکاں میں ہو برتر ::: سراپا ہو نورِ خدا یا محمد
خدا گر تمھیں آشکارا نہ کرتا ::: نہ ہوتے یہ ارض و سما یا محمد
زمانے میں بے شک خدا کے علاوہ ::: نہیں کوئی تم سے بڑا یا محمد
جو محتاج ہیں، اُن کے غم خوار ہو تم ::: ہو تم اُن کے حاجت روا یا محمد
نہ خالی گیا کوئی در سے تمھارے ::: ہو تم بحرِ جود و سخا یا محمد
نہیں شان شاہوں کی جچتی نظر میں ::: ہوں در کا تمھارے گدا یا محمد

اسی طرح تمام اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار کے لئے تنویر پھول کے دل میں عقیدت ونیازمندی کے جذبات موجزن ہیں۔ مثالوں سے تو یہ پورا مجموعہ بھرا پڑا ہے جو ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے تاہم مضمون کی طوالت کے پیشِ نظر مزید مثالوں سے صرف نظر کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ربّ کریم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں تنویر پھول کو ترقیِ درجاتِ ہر دو جہاں عطا کرنے کے علاوہ ان کے کلام کی قبولیت عام اور ہر دل عزیزی میں اضافہ کرے اور قوتِ شعر گوئی میں افزونی عطا فرمائے، آمین ثم آمین

***

عبداللہ خاور
لعل بازار، سرینگر

''مجلہ نقوش'' (لاہور) کا رسولؐ نمبر: ایک جائزہ

رسالہ ''نقوش'' لاہور اپنی ادبی روایات کے لیے برصغیر کے معروف ترین رسائل میں شمار ہوتا ہے اگر اسے اردو ادب کی تاریخ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ۱۹۵۱ء میں مرحوم محمد طفیل نے اس رسالہ کی ادارت سنبھالی اور مرتے دم تک نہ صرف اسے جاری رکھا بلکہ اس کا معیار نہایت بلند کیا۔ اردو ادب کی مجلّاتی صحافت میں رسالہ نقوش کو سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس رسالہ کو ایک تحریک سے عبارت کیا جاتا ہے جس کا بنیادی مقصد اردو ادب کو نئی اصناف سے روشناس کرانا ہے، نثر و نظم میں نئے تجربے کرنا اور مغربی ادب کے شاہکاروں کو اردو میں منتقل کرنا اس رسالہ کا طرز خاص رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس رسالے کے ذریعے شاعری، افسانہ، ناولٹ، تنقید وغیرہ کا بیش بہا سرمایہ وجود میں آچکا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کے قارئین کو اس کے ذریعہ قلب و ذہن کی ایک نئی سمت ملی ہے۔ اس کے خصوصی شمارے تو بہت ہی خاص ہوتے ہیں لیکن اس کے عام شمارے بھی کسی خاص شمارے سے کم نہیں ہوتے۔ پطرس بخاری مرحوم نے ایک دفعہ کہا تھا:

''نقوش کا ہر نمبر خاص ہوتا ہے اور اس کا عام نمبر خاص خاص موقعوں پر شائع ہوتا ہے''۔

نقوش کے خصوصی شماروں کی تعداد اب خاصی ہوگئی ہے۔ ان میں اقبال نمبر، شخصیات نمبر، غالب نمبر، ادب عالیہ نمبر، طنز و مزاح نمبر، خطوط نمبر، غزل نمبر، میر تقی میر نمبر وغیرہ خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔ اگرچہ نقش کے خصوصی شمارے موضوعات کے حرف آخر نہیں لیکن ان کی دستاویزی حیثیت مسلم ہے ادب پر کام کرنے والوں کے لیے نقوش کے رسائل کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ پروفیسر عبدالسلام خورشید نے ان کی اہمیت کے حوالے سے بالکل صحیح کہا ہے کہ:

''نقوش کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے بڑے پیمانے پر ایک منظم انداز میں اور جامعیت کے تقاضوں کے ساتھ مجلّاتی صحافت کو انسائیکلوپیڈیائی رنگ بخش دیا''۔

۱۹۷۲ء میں محمد طفیل مرحوم نے روایت سے ہٹ کر رسولؐ نمبر نکالنے کا اعلان کیا اور اسی سال رسولؐ نمبر کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا اور یہ سلسلہ تیرہ سال تک چلتا رہا۔ سن ۱۹۸۵ء میں اس کا

آخری شمارہ نکلا۔ یہ سبھی شمارے ضخیم ہیں۔ معروف ادیب وشاعر وصحافی مرحوم مولانا نعیم صدیقی نے ان شماروں کو دیکھ کر کہا تھا ''کوئی شخص اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ جس نقوش کا دارہ شعر وافسانہ اور ادبی تحقیق وتنقید ہے وہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو موضوع بنائے گا اور اس شان کہ قدیم و جدید نامور سیرت نگاروں کی فراموش شدہ اور تازہ تحریروں کو چمن در چمن سمیٹ کر ایک شاندار گلدستہ معرفت رسالتؐ تیار کرے گا جس کے ہفت رنگوں سے طرح طرح کی خوشبوئیں نکل کر ضم ہوں گی اور قلب ونظر کی فضاؤں میں پھولیں گی''۔

سیرت کا میدان نہایت مشکل اور نازک ہوتا ہے کہ اس کا تعلق تحقیق اور علم سے زیادہ جذبہ سے ہوتا ہے، جذبہ کی گہرائی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس ذات سے غایت درجہ محبت اور عقیدت سے ہے۔ رسولؐ نمبر کے جملہ مضامین اسی جذبے کے تحت تحریر کئے گئے ہیں۔ ان شماروں کی ضخامت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ تیرہ شمارے قریب تین سو مضامین پر مشتمل اور دس ہزار صفحات پر محیط ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر اردو زبان میں اس کے سوا کہیں بھی اتنا مواد یکجا نہیں ملتا۔ ان جلدوں میں شامل مقالات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ذخیرۂ سیرت میں اسے ایک شاندار اضافے کی حیثیت حاصل ہے۔ تاریخ اسلام میں نبیؐ کی سیرت پر علماء، محققین اور مورخین نے جو علمی خدمات انجام دی ہیں، یہ نمبر ان تمام سابقہ خدمات کا مجموعہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محاسنِ اخلاق، علمی وعملی فضائل وکمالات کا ترجمان ہے۔ اس کے جملہ مضامین بلند پایہ محقق اور مستند ہیں جن میں سیرت سے متعلق ایسے موضوعات بھی درج ہوئے ہیں جن کا ذکر یا تو کتابوں میں موجود نہیں اور اگر ہے بھی تو برائے نام۔ ایسے موضوعات بھی سامنے آئے جن کے متعلق سیرت کی سابقہ کتابیں بالکل خاموش ہیں۔

ان تیرہ جلدوں میں سیرت کے حوالے سے جن موضوعات کا ذکر ہے انہیں مختصراً پیش کیا جاتا ہے:

پہلی جلد: اس میں سیرت نگاری کے فن سے متعلق مضامین ہیں۔ نیز سیرت نگاروں سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

دوسری جلد: اس جلد میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق مضامین کا بیان ہے۔ ان کے علاوہ حقیقت توحید، حقیقت وحی، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی تاریخ سے متعلق مقالے تحریر کئے گئے ہیں۔

تیسری جلد: اس جلد میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے اصلاحِ معاشرہ، فلاحی معاشرہ اور اقتصادی نظام سے متعلق مضامین ہیں۔

چوتھی جلد: اس جلد میں علوم انسانی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اثر اور اخلاق سے متعلق ابواب ہیں۔
پانچویں جلد: اس جلد میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اسلامی ریاست کی نشوونما سے متعلق دو طویل مقالے ہیں۔ یہ بصیرت افروز مقالے پروفیسر نثار احمد فاروقی اور پروفیسر محمد یٰسین مظہر الدین صدیقی نے سپرد قلم کئے ہیں۔
چھٹی جلد: اس جلد میں فنِ حدیث اور اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق مضامین شامل ہیں۔
ساتویں جلد: اس جلد میں مکالمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق مقالے درج ہیں۔ اس کے علاوہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند نامور سپہ سالاروں کی خدمات اور دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق فیصلوں کا ذکر کیا گیا ہے۔
آٹھویں جلد: اس جلد میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے جو مضامین لکھے گئے ہیں وہ واقعۂ ہجرت کے اسباب ومحرکات، فصاحت وبلاغت نبوی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوامع الکلم سے تعلق رکھتے ہیں۔
نویں جلد: اس جلد میں سیرت اور متعلقات سیرت کے حوالے سے مضامین تحریر کئے گئے ہیں۔
دسویں جلد: یہ جلد نعتیہ شاعری کے لیے مختص ہے اس میں نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق مقالے نیز اس میں عرب، فارسی اور اردو نعتیہ شاعری کا انتخاب بھی فراہم کیا گیا ہے۔
گیارہویں جلد: اس جلد میں سیرۃ ابن اسحٰق کا مکمل متن ہے (ابن اسحٰق کی یہ سیرت عرصۂ دراز سے ناپید تھی اکیاون ابواب پر مشتمل یہ کتاب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلۂ نسب سے لے کر غزوۂ احد تک کے واقعات فراہم کرتی ہے) اس کتاب کی تحقیق وتعلیق کا سہرا ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے سر ہے۔
بارہویں جلد: یہ جلد اصل میں جلد پنجم کا تکملہ ہے۔ اس میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تنظیم ریاست وحکومت سے متعلق ایک مفصل مقالہ ہے جسے مظہر الدین صدیقی نے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں دو اہم مضامین عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ''عدلیہ اور انتظامیہ'' اور ''مستشرقین اور مطالعۂ سیرت'' درج ہیں۔ انہیں بالترتیب محمد یوسف گورایہ اور پروفیسر نثار احمد فاروقی نے تحریر کیا ہے۔
تیرہویں جلد: رسول نمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری جلد خلفائے راشدین کے سوانح اور کارناموں پر مشتمل ہے۔ مدیر نقوش کی رائے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام عملی طور پر پیش کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفاء ہی کا نام آتا ہے اس لیے اس نمبر کو سیرت ہی کا حصہ سمجھنا چاہیے۔

ان تیرہ جلدوں میں صرف ان ہی مقالہ نگاروں کا انتخاب کیا گیا ہے جو اس کام کے لیے پوری طرح سے اہل تھے۔ مناسب ہے اگر چند مقالہ نگاروں کے نام درج کئے جائیں حضرت علیؓ، ابن اسحٰق، ابن ہشام، ابن جوزی، امام تیمیہ، شاہ ولی اللہ، شیخ علی ہجویرین جیسے قدماء سیرت نگار اور عصر حاضر

میں مولوی اشرف علی تھانوی، سید قطب شہید، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، علامہ اقبال، محمد حسین ہیکل، ابوالحسن علی ندوی، محمد حمید اللہ، محمد سلیمان منصور پوری، عبداللہ یوسف علی، ماہر القادری، شاہ معین الدین احمد ندوی، قاری محمد طیب، امین احسن اصلاحی، عبدالماجد دریا آبادی، غلام رسول مہر، سید امیر علی وغیرہ اور مغربی مقالہ نگاروں میں ٹامس کارلائل، الفریڈ گیوم، اور ہوورٹس جیسے سیرت شناس اشخاص کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس نمبر میں سیرت نبوی ﷺ کے حوالے سے اخلاقی عقائد، معیشت، معاشرت اور نظام سلطنت کے مسائل جس تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اس کا جواب صرف حیرانگی سے دیا جاسکتا ہے۔ عصر حاضر میں اسلامی ممالک میں اسلام کی سربلندی کے لیے جو کام ہو رہا ہے اس کے لیے نقوش کا رسول ﷺ نمبر ایک حوالہ جاتی حیثیت کا حامل ہے کہ اس کے مقالات، موضوعات اور اس کی تحقیقی کاوشیں آنے والی نسلوں کے لیے چراغِ راہ کی مانند ہیں۔ گزشتہ کئی صدیوں میں سیرت پاک پر کافی کام ہوا ہے اور سیرت کے متعدد پہلوؤں پر لکھا گیا ہے لیکن نقوش کے اس رسول ﷺ نمبر میں سیرت سے متعلق جتنی معلومات سمیٹ لی گئی ہیں، ان کی دستیابی کہیں اور سے ممکن نہیں کہ یہ مواد وسیع بھی ہے اور وقیع بھی۔

***

محمد احسان

''مداح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا حسان بن ثابتؓ کے نعتیہ اشعار میں موجود نقوش سیرت''

ڈاکٹر حافظ نثار مصطفیٰ کی تحقیقی کاوش

امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت جزو ایمان ہے اس کے بغیر ایمان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا محبت کے جذبات شعر و نظم کے پیکر میں ڈھلتے ہیں تو انہیں نعت کہا جاتا ہے۔عربی زبان میں نعت کے لیے لفظ "مدحِ رسول" استعمال ہوتا ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وستائش اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کریمہ کا بیان باعث شادابی ایمان ہے۔لیکن نعت کہنے والا اللہ اور بندے میں یعنی خالق اور مخلوق میں فرق وامتیاز کو ہر حال میں ملحوظ رکھے ورنہ وہ الحاد، شرک میں مبتلا ہو جائے گا۔اسلام کی ابتدائی تاریخ میں کئی صحابہ کرام نے نعتیں لکھیں ہنوز یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ پہلے نعت گو شاعر اور نعت خواں تھے۔سیدنا حسان بن ثابت کا نعتیہ کلام ''دیوان حسان'' کے نام سے مدون شکل میں موجود ہے جس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ بھی کئی نعتیہ مجموعے موجود ہیں لیکن اکثر میں مبالغہ آرائی اور شرک کی آمیزش ہے۔زیر نظر کتابچہ ''مداحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا حسان بن ثابتؓ کے نعتیہ اشعار میں موجود نقوش سیرت'' جناب ڈاکٹر حافظ نثار مصطفیٰ (ایم فل علوم اسلامیہ، خطیب جامع مسجد محمدی اہلحدیث اُگوکی سیالکوٹ) کی کاوش ہے۔فاضل مصنف نے اس مختصر سی کتاب میں مداح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا حسان بن ثابتؓ کا تعارف اور ان کے نعتیہ اشعار میں موجود نقوش سیرت کو یکجا کر کے بیان کیا ہے۔موصوف نے اس کے علاوہ بھی صحابہ کرامؓ کے نعتیہ کلام پر علمی وتحقیقی کتب مرتب کی ہیں۔اللہ تعالیٰ مصنف کی جہود کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے زورِ قلم اضافہ فرمائے۔یہ اس کتاب کا غیر مطبوعہ ایڈیشن ہے (آمین)

***

محمد احسان

پروفیسر محمد رفیق چودھری کی ''شفاف نعتیں''

امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت جزو ایمان ہے اس کے بغیر ایمان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا محبت کے جذبات میں شعر و نظم کے پیکر میں ڈھلتے ہیں تو انہیں نعت کہا جاتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وستائش اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کریمہ کا بیان باعث شادابی ایمان ہے۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوز وگداز، ادب واحترام، سنجیدگی و مانت، حقیقت نگاری اور حفظ مرابت، سچی اور حقیقی نعت گوئی کے عناصر ترکیبی ہیں۔ حفظ مراتب سے مراد یہ ہے کہ نعت کہنے والا اللہ اور بندے میں یعنی خالق اور مخلوق میں فرق وامتیاز کو ہر حال میں ملحوظ رکھے ورنہ وہ الحاد، شرک اور زندقہ بتلا ہو جائے گا۔ زیر تبصرہ کتاب ''شفاف نعتیں'' ماہنامہ محدث کے معروف مضمون نگار اور کئی کتب کے مصنف و مترجم محترم مولانا محمد رفیق چودھری ؒ کا مرتب شدہ مجموعۂ نعت ہے۔اس میں ایک حمد اور 69 نعتیں شامل ہیں۔اس میں خصوصاً یہ امر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ کسی نعت میں کوئی مضمون ایسا نہ ہو جو خلاف شریعت ہو یا جس پر اسلامی تعلیمات کے حوالے سے کو اعتراض وارد ہوسکتا ہو۔ فاضل مصنف کی زندگی کا طویل حصہ قرآن مجید سمجھنے سمجھانے اور اس کی نحوی وتفسیری مشکلات حل کرنے میں گزرا ہے۔ کتاب ہذا کے علاوہ آپ کئی دینی کتب کے مصنف و مترجم ہیں جن میں قرآن کریم کا اردو وانگلش ترجمہ اور تفسیر البلاغ بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تدریسی وتعلیمی اور تحقیقی وتصنیفی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

***

سید خورشید نواز لائقؔ بخاری
pasbanehamdonaat@gmail.com

''تنقیدِ نعت، تناظرات وامکانات''

ڈاکٹر کاشف عرفان صاحب کی دوسری تصنیف ''تنقید نعت، تناظرات وامکانات'' ہے۔اس سے پہلے ان کی کتاب " نعت اور جدید تنقیدی رجحانات" چھپ چکی ہے۔زیر نظر کتاب کا دیباچہ اس کے ناشر شاعر علی شاعر نے لکھا ہے۔انھوں نے اس امر پر خوشی کا اظہار کیا ہے کہ ڈاکٹر کاشف عرفان جیسے صاحب نقد ونظر نے تنقید نعت کو اپنا اسلوب اظہار بنایا اور اس میدان میں عرق ریزی، باریک بینی، یک سوئی، محنت شاقہ اور تلاش وجستجو سے کام لے کر نہ صرف نعت گوئی کے فن کو اپنے علوم کی روشنی سے منور کر رہے ہیں بلکہ نعت گو شاعر کے لیے ایک لائحہ عمل بھی پیش کر رہے ہیں، تاکہ نعت گوئی میں جو خامیاں، کمیاں، کوتاہیاں اور لاپروائیاں نظر آتی ہیں ان کا تدارک ہوسکے۔(ص 67)۔ پس ورق پر علمبردار تنقید نعت صبیح رحمانی کی وقیع رائے درج ہے۔موصوف کی رائے سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

" تنقید خواہ ادب کے کسی بھی شعبے سے متعلق ہو،فروغ اور تفہیم کا بامعنی کردار اسی وقت ادا کرسکتی ہے جب وہ معاصر افکار، تصورات، رجحانات اور نظریات کا نہ صرف شعور رکھتی ہو بلکہ تنقید وتجزیے میں انہیں بروئے کار بھی لاتی ہو۔کاشف عرفان عصری تنقید سے وابستہ ان لوگوں میں ہیں جن کے ہاں اردو زبان وادب کے ساتھ مغربی افکار ونظریات سے بھی آگاہی نمایاں ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں نظری اور امتزاجی دونوں جہات سے ادب خصوصاً تقدیسی ادب کے مطالعے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔قدرت نے انہیں ایک سوچنے اور نتائج کی جستجو کرنے والا ذہن دیا ہے۔یہی وہ اوصاف ہیں جو فکر انگیز تنقید کا لازمہ کہلاتے ہیں۔ کاشف عرفان جس طرح انہیں تقدیسی ادب کے تجزیے اور تفہیم کے لیے بروئے کار لاتے ہیں، وہ ان کی تنقید کو بامعنی بھی بناتا ہے اور عصری حسیت سے بھی ہم آہنگ کرتا ہے۔"

(پس ورق)

زیر نظر کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:[حصہ اول :تنقید نعت: تناظرات وامکانات

،نعت اور اکیسویں صدی کا تہذیبی آشوب ، اردو نعت اور وقت کی ماورائے جہات ، آزاد حمدیہ نظموں کا ساختیاتی مطالعہ، نئ نعت کے اجتماعی اسلوب کی تشکیل..... ایک جائزہ]۔

[حصہ دوم : عہد موجود میں محسن کاکوروی کی نعتیہ روایت کا جواز ،کلام رضا میں ثقافتی عناصر کی تشکیل (ساختیاتی جائزہ)، کلام اقبال میں نعتیہ عناصر ... ساختیاتی مطالعہ، راولپنڈی/ اسلام آباد: نعتیہ مرکز یا نعتیہ دبستان، معاصر نعت: تخلیقی وفکری اسالیب]۔

عرض مصنف میں ڈاکٹر کاشف عرفان نے اس کتاب کے مضامین کو اس گفتگو کا دروازہ کھولنے کی ایک کوشش قرار دیا ہے جس سے عمدہ، اعلیٰ اور آفاقی تخلیقات کے درمیان امتیاز کیا جا سکے۔ شعبہ نعت میں تخلیق اور تحقیق کے حوالے سے تسلی بخش کام ہوتا رہا ہے، لیکن تنقید میں مقدار اور معیار دونوں حصوں میں مزید بہتر کام کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ جدید نعت کے مضامین اور ہنر کاری کو سمجھنے کے لیے ناقدین کے ہاں ایک کمی کا احساس موجود ہے اور یہ احساس ہی ان مضامین کی تحریر کا موجب بنا۔" (ص 8)۔

یہ کتاب معاصر نعت کی مختلف جہتوں کو سمجھنے کے لیے کارآمد ثابت ہوگی۔ دو سو چوبیس صفحات کو محیط کی قیمت آٹھ سو روپے اور سال اشاعت دو ہزار بائیس ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام پاسبان حمد و نعت کراچی نے کیا ہے۔

***

••

کتابیں جو موصول ہوئیں

الحمدللہ ''جہانِ حمد ونعت'' کے کتب خانے کے لیے کتابیں موصول ہو رہی ہیں۔ درج ذیل کتب کی وصولیابی کا اعلان ان کے مصنفین کے تئیں تشکر و امتنان کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ تبصرہ اگلے شماروں میں، اِن شاءاللہ:

(۱) اُردو میں حمد ومناجات (تحقیق وتنقید) [ڈاکٹر یحییٰ نشیط] [۲۰۱۰ء] صفحات: ۲۶۴

(۲) للہ الحمد (مجموعہ حمد ومناجات) [ڈاکٹر شاداب ذکی] [۲۰۰۶ء] صفحات: ۱۱۲

(۳) رب کے حضور (دیوانِ حمد ومناجات) [ڈاکٹر شاداب ذکی] [۲۰۱۲ء] صفحات: ۱۵۲

(۴) مشکوٰۃ (مجموعۂ نعت) [اعجاز حسین عاجز] [۲۰۲۱ء] صفحات: ۲۴۸

(۵) ارمغانِ نعت (پنج لسانی: [فارسی ،اُردو، کشمیری، پہاڑی، گوجری] مجموعۂ نعت) [فداؔ راجوروی مرحوم] [۲۰۱۹ء] صفحات: ۱۷۴

(۶) نمودِ سحر (مجموعۂ نعت وغزلیات) [خاکی محمد فاروق] [۲۰۲۱ء] صفحات: ۱۵۰

مدیر " جہانِ حمد و نعت "
خان کمپلیکس، مدینہ چوک، گاؤ کدل، سرینگر

ڈاکٹر شاہدہ پروین کا منفرد تحقیقی وتنقیدی کارنامہ

بیسویں صدی میں جن ادبی رجحانات، میلانات، اصطلاحات اور تحاریک کا بڑا چرچہ رہا، ان میں تانیثیت اور تانیثی ادب کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ بہت ساری خواتین شعر وادب کے میدان میں سامنے آگئیں۔ کچھ ان میں سے سنجیدگی اور ثابت قدمی کے ساتھ ہاتھ میں قلم لیکر جم گئیں؛ کچھ نعرہ بازی اور پروپیگنڈا کا شکار ہوکر فکری بے اعتدالیوں کی بھینٹ چڑھ گئیں اور بہت کم اپنے خالق و مالک کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے تعمیری ادب کے میدان میں اتر کر ادب برائے زندگی کے نظریے کو اپنانے لگیں۔

قبل اس کے کہ ڈاکٹر شاہدہ پروین شاہین کی حالیہ مطبوعہ کتاب: "اُردو کی نعتیہ شاعری ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ" کا جائزہ لیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نعتیہ شاعری کے نسوانی حصے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے۔ دورِ نبویؐ میں طبقۂ نسواں کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مثالی محبت کرنے والیوں کی تعداد بہت زیادہ رہی ہے، لیکن شعر وشاعری میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے باب میں لسان وقلم کو استعمال کرنے والیوں کی تعداد خاصی کم ہے۔ غلام علی آزاد بلگرامی نے دورِ نبویؐ کے شعراء کی ایک سو اُنہتر (۱۶۹) اور شاعراتِ عہد نبویؐ کی کل تعداد بارہ (۱۲) بتائی ہے (دیکھیے: "خزانہ عامرہ" از: غلام علی آزاد بلگرامی، ص: ۴)۔ قبیلہ بنونجار کی انصاری بچیوں کی وہ نعت (طلع البدر علینا ...)، جو انہوں نے مدینہ میں مبارک آمد پر گائی تھی، عربی کی نعتیہ شاعری میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔

دُنیائے نعت کے سابق اوّل آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محترم چچا جناب ابوطالب ہیں، جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ اقدس میں کئی نعتیہ قصیدے کہے ہیں۔ اُن کے ایک نعتیہ قصیدے کے سات اشعار ابنِ ہشام نے اپنی کتاب "سیرت ابن ہشام" میں نقل کئے ہیں، جس میں آپؐ کے قبیلہ بنو ہاشم کی دوسرے قبائلِ قریش پر برتری بتلائی ہے، لیکن عربی کی نعتیہ شاعری میں طبقہ نسواں کا حصہ قلیل ہے۔ یہی حالت ایرانی اور ہندوستانی شاعری کی ہے۔ چنانچہ شاعرات نے عربی، فارسی، اُردو اور دیگر زبانوں میں حمد ونعت نگاری کے کارِ خیر میں کم ہی حصہ لیا ہے، اور جہاں تک حمدیہ ونعتیہ ادب کے تحقیقی وتنقیدی پہلو کا تعلق ہے، اس کی طرف خواتین اسکالرز کی توجہ شعر وسخن کے مقابلے میں بالکل ہی کم رہی ہے۔

جہاں تک اردو زبان میں شاعرات کی حمد و نعت نگاری کا معاملہ ہے، گزشتہ صدی کے نصف آخر میں اُردو میں حمدیہ و نعتیہ ادب کا رجحان متعارف ہونے کے ساتھ ہی بعض خواتین تخلیق کاروں نے اپنی صحت مند سوچ کا ثبوت دیتے ہوئے حمد و نعت نگاری کی اصناف میں طبع آزمائی کو اپنا شعار بنایا۔ ان خواتین شاعرات نے جذبۂ صادق اور عشقِ رسولؐ سے سرشار ہو کر حمد و نعت گوئی اختیار کی۔ ان کے کلام میں پاکیزہ جذبات کی فراوانی بھی ہے اور سخنوری کے مناظر بھی۔ ان میں علم و دانش کے خزانے بھی ہیں اور صالح فکر کی گہرائی بھی۔ ایک اور خاص پہلو جو اُن میں نظر آتا ہے، وہ ہے: حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں انسانی زندگی کے مسائل حل کرنے کی سعی و جستجو، جو کہ ایک نہایت مستحسن رجحان ہے۔

باریک بینی سے جائزہ لیں تو اُردو میں حمدیہ و نعتیہ ادب سے شغف رکھنے والی خواتین کو ہم تین طرح کے زمروں میں رکھ کر سکتے ہیں۔ ایک وہ، جنہوں نے دیگر اصناف کے ساتھ حمدیہ و نعتیہ اشعار کہے۔ دوسری وہ شاعرات، جنھوں نے حمدیہ و نعتیہ مجموعے ترتیب دے کر منظرِ عام پر لائے؛ اور تیسری قسم اُن خواتین قلمکاروں پر مشتمل ہے، جنہوں نے حمد و نعت کے انتقادی اور تحقیقی پہلو پر توجہ دی۔ پہلی صف میں اخترِ محل اختر' زاہدہ خاتون شیروانیہ' انوری بیگم' انیسہ ہارون شیروانی' سیدہ سردار بیگم اختر' مبارز النساء' ا۔ک بدایونی' سردار انوری بیگم' خورشید آرا بیگم' قمر جہاں' مخفی بدایونی' محجوب سیتاپوری' نور الصباح نور' ادا جعفری' پروین شاکر' شاہدہ حسن، [وادیٔ کشمیر سے: زینب بی بی محجوبؔ، رخسانہ جبین، نسرین نقاش، نکہت نظر وغیرہ]، شہناز نور' فاطمہ حسن' گلنار آفریں' وضاحت نسیم' رضیہ سبحان' شاہدہ لطیف اور عہدِ حاضر کی درجنوں دیگر شاعرات شامل ہیں، جن کے نام لینا یہاں پر ممکن نہیں۔ دوسرے زمرے میں تہنیت النساء بیگم (تین نعتیہ مجموعے: ''ذکر و فکر''، ''صبر و شکر'' اور ''تسلیم و رضا'')؛ زیب عثمانیہ (نعتیہ مجموعہ: ''متاعِ حرم'')؛ سکندر حیا بریلوی (نعتیہ مجموعہ: ''رنگِ عقیدت'')؛ عائشہ امۃ اللہ تسنیم (نعتیہ مجموعہ: ''بابِ کرم'')؛ مسرت جہاں نوری (نعتیہ شاعری کا مجموعہ: ''ندائے نوری'')؛ وحیدہ نسیم (مجموعہ: ''نعت و سلام'')؛ رابعہ نہاں (دو نعتیہ مجموعے: ''نور جھروکے'' اور ''صبح تجلی'')؛ مسعودہ خانم (تین حمد و نعت کے مجموعے: ''ابرِ رحمت''، ''رحمتِ بے کراں'' اور ''منبع رحمت'')؛ پروین جاوید (نعتیہ مجموعہ: ''حضوری چاہتی ہوں'')؛ پروفیسر ریحانہ تبسم فاضلی (تین نعتیہ مجموعے: ''مہکتے حرف''، ''خطیب الامم'' اور ''روشنی کے سلسلے'')؛ قمر سلطانہ سید (مجموعہ نعت: ''تنویر حرا'')؛ نصرت عبدالرشید (نعتیہ مجموعہ: ''دعائے نیم شبی'')؛ نور جہاں نور بنتِ عرب (مجموعہ نعت: ''تحفۂ نوری'')؛ نورین طلعت عروبہ (دو نعتیہ مجموعے: ''حاضری'' اور ''زہے مقدر'')؛ حجاب عباسی (نعتیہ مجموعہ: ''عکس جلالِ جمال'')؛

حمیرا راحت (نعتوں کا مجموعہ: ''رسائی روشنی تک'') ؛ زیب النساء زیبی (نعتیہ مجموعہ: ''حرف حرف بندگی'') ؛ شہناز مزمل (دو نعتیہ مجموعے: ''نورِ کل'' اور لاسفرِ عشق'') ؛ ثروت سلطانہ ثروت (حمد، نعت، منقبت کے دو مجموعے: ''مری مغفرت کا سبب بنے'' اور ''سایۂ رحمت'') اور سحر علی (نعتیہ مجموعہ: ''خاکِ پائے مصطفیٰ'') کے ساتھ ساتھ متعدد دیگر نعت گو شاعرات شامل ہیں، جنہوں نے حمد و نعت نگاری میں اپنے فکر و فن کے جوہر دکھائے ہیں اور عقیدت کے پھول نچھاور کیے ہیں۔

ذکر تیسرے زمرے کا کریں، تو یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ طبقہ نسواں نے ہر زبان کی طرح اُردو میں بھی نعت سے متعلق تنقید و تحقیق کے بارے میں بہت کم لکھا ہے۔ اگرچہ نعتیہ شاعری میں اعلیٰ مقام پانے والیوں اور نعت کہنے والیوں کی تعداد بھی بہت کم ہے، جو انگلیاں پر گنی جا سکتی ہے، لیکن نعت پر تنقید و تحقیق کے میدان میں خواتین کی تعداد اور بھی بہت کم ہے۔ لے دے کے چند قد آور نسوانی ہستیوں نے علاقائی نعت پر تھوڑا بہت لکھا ہے، جن کی تعداد نہایت قلیل ہے۔

اس کسمپرسی کے عالم میں ڈاکٹر شاہدہ پروین شاہین کا نعتیہ شاعری کی تحقیق و تنقید کے میدان میں قدم رکھنا ایک قابلِ تحسین عمل ہے۔ موصوفہ کے تحقیقی مقالے کا عنوان ''اُردو کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ'' ہے، جس میں انہوں نے تحقیق و تنقید کا حق ادا کر دیا ہے۔ موصوفہ نے زیرِ بحث مقالہ کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے متعلق تفاصیل اس طرح رقم کی ہیں کہ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات مبارکہ کی معلومات حاصل کرنا چاہے تو وہ بہ آسانی اس کتاب کی ورق گردانی کر کے حاصل کر سکے گا۔ نعتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے اکثر واقعات تاریخ اور دن کے تعین کے ساتھ کتاب میں نقل کئے گئے ہیں۔ نعت گو شعراء نے آپؐ کی بعثت، کتب سابقہ میں آپؐ کی بشارتیں، خاندانی شرف، انبیائے سابقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت و برتری، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت، یتیمی، رضاعت، آپؐ کی بعثت تک کے مفصل احوال و کوائف، اعلانِ نبوت، آپؐ کی خطابت، آپؐ کی فصاحت و بلاغت، محبت، اعلیٰ اخلاق، اوصافِ حسنہ، خصائلِ حمیدہ، قریش کی جانب سے مادی ترغیبات، آپؐ کے خلاف اہلِ مکہ کا معاہدہ، شعب ابی طالب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محصوری، سفر طائف، ازدواجی تعلقات، گھریلو زندگی، تجارتی زندگی، آپسی لین دین، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت داری، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت، ہجرت کے متعلق مفصل جزئیات، مدینے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داخلے کی شان، غزوات و سرایہ، دیگر اقوام سے معاہدے، غزوات میں منظر نگاری، جذبات نگاری اور مرقع نگاری کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کے اہم پہلوؤں کی توضیح، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و عادات، آپؐ کی سرشت، شرافت، نجابت، سخاوت و

کرم، رحم وعطا، شفقت، تعلق باللہ، پاس ومروت، تواضع وانکساری، عدل وانصاف، صداقت و مستقل مزاجی، شجاعت وجذالت، خوش روئی، غریبوں سے محبت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسنِ جمال، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک، آپ کی مہرِ نبوت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گفتار ورفتار، آپ کا اندازِ تبسم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وضع وقطع، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیئتِ جسمانی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار، گیسو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدِ دلجو، آپ کی نگاہِ لطف و کرم، آپ کے سفید بالوں کی تعداد، آپ کے مغازی اور سراپا، الغرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہر شئے کا جزئیات نگاری کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، جس سے نعوت میں سیرت پاک کے نقوش در آئے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں محترمہ ڈاکٹر شاہدہ پروین شاہین نے اُردو کی نعتیہ شاعری کی افادیت پر جو کچھ بھی حوالۂ قرطاس کیا ہے، وہ لائقِ ستائش ہے۔ موصوفہ کا تحقیقی مطالعہ بہت حد تک قابلِ توجہ اور لائقِ تحسین ہے۔ نیز نعتیہ ادب کے بہت سے مسدود ابواب کو وا کرنے میں ممد ومعاون ہے۔

کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب کا عنوان ''نعت کا تعارف'' ہے۔ اس میں نعت کا مفہوم، اس کے مآخذ، اجزائے ترکیبی، آداب واسالیب اور مضامین پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ باب دوم میں ''اُردو کی نعتیہ شاعری کے بنیادی مآخذ'' کے زیرِ عنوان ماقبل اسلام کی کتابوں میں نعتیہ عناصر کی نشاندہی، عربی کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی جائزہ، دورِ نبویؐ اور بعد کی نعتیہ شاعری، عربی کے ہندوستانی شعرائے نعت اور فارسی ادب میں نعت گوئی جیسے ذیلی عنوانات کے تحت گراں مایہ تحقیقی سرمایہ کو کتاب کی زینت بنایا گیا ہے۔ باب سوم کا عنوان ہے: ''اردو کے دبستانِ دکن کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ''۔ اس باب میں صوفیائے کرام سے لیکر ولی دکنی اور جلیل مانک پوری تک کے متعدد شعراء کی نعتیہ خدمات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

کتاب کا چوتھا باب نہایت اہم ہے، جس میں ''شمالی ہند کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ'' کے عنوان کے تحت ملا داؤد (مثنوی 'چندائن' میں اوّلین نعتیہ نمونہ پیش کرنے والے شاعر) سے لیکر بیکل اتساہی اور زیب غوری تک کے درجنوں نعت گو شعراء کی نعت گوئی کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ باب پنجم ہندو شعراء کی خدمات سے متعلق ہے۔ ہندو شعراء کے سرمایہ نعت کو محمد دین فوق نے ''اذانِ بت کدہ'' میں، فانی مرادآبادی نے ''ہندو شعراء کے نعتیہ کلام'' میں اور محمد محفوظ الرحمٰن نے ''ہندو شعراء دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں'' میں یکجا کیا ہے، لیکن یہ تینوں مرقومہ بالا تالیفات کمیاب ہونے کے باعث عوام، بلکہ بہت حد خواص کی دسترس سے بھی باہر ہیں۔ علاوہ بریں ان تالیفات میں شعراء کے کلام کی یکجائی میں کسی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا، جس کی وجہ سے قارئین اور شناورانِ بحرِ نعت کو کسی مخصوص

شاعر کے کلام کی تلاش میں کافی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے۔ کتاب کے پانچویں باب زیرِ عنوان: ''اُردو کی نعتیہ شاعری میں ہندوؤں کا حصہ'' میں ۲۵ ہندو نعت گو شعراء کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے، جس سے ان کی نعتیہ خدمات واضح انداز میں سامنے آئی ہیں۔ کتاب کے چھٹے باب زیرِ عنوان: ''نعت کا فنی ومعنوی تجزیہ'' کو بھی اس لحاظ سے اہم قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس میں نعت گوئی کے فن کے حوالے سے بعض حساس موضوعات کا انتخاب کیا ہے۔ نعت کا تعلق موضوع ومفہوم سے ہے۔ ہیئت وساخت کے اعتبار سے اس کی کوئی شکل متعین نہیں ہے۔ نعت کا تعلق ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفاتِ نبوی اور متعلقات و منسلکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ چنانچہ یہ شعروشاعری کسی بھی ہیئت میں کہی جاسکتی ہے۔ اسی لیے ہر دور کا نعتیہ ادب اُس دور کی جملہ مروجہ اشکال وہیأت میں ملتا ہے۔ اُردو شاعری میں جتنی ہیأت واشکال رائج ہیں، نعتیہ عناصر اُن سب میں موجود ہیں۔ اس کا مفصل جائزہ مصنفہ نے کتاب کے چھٹے باب میں لیا ہے۔

کتاب کا ساتواں اور آخری باب ''نعت کی اہمیت وافادیت اور اُردو ادب میں اس کا مقام'' کے عنوان سے شاملِ کتاب ہے۔ اس میں بھی کئی اہم مسائل کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحبہ نے اپنے اس مقالے میں واضح کیا ہے کہ نعتیہ شاعری میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل سوانح حیات موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکمل شجرۂ نسب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اسماء مبارکہ کا بیان ہے۔ موصوفہ نے بہت ساری نعتوں کے متعلق اظہارِ خیال کرنے کے بعد واضح کیا ہے کہ اگر کوئی شخص صرف نعتیہ شاعری کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل سوانح حیات مرتب کرنا چاہے تو یہ کام بخوبی کرسکتا ہے۔

ہر دور کا نعتیہ ادب اپنے دور کی آواز ہے۔ ڈاکٹر شاہدہ پروین شاہین نے نظریات کے ابطال وتعمیر میں ایمان بالغیب سے انحراف کیا ہے۔ جو کچھ کہا گیا ہے تحقیق کی کسوٹی پر پرکھ لینے اور اچھی طرح اطمینان کرلینے کے بعد کہا گیا ہے، یہ اس مقالے کی بڑی خوبی ہے۔

جہاں تک کتاب میں مستعمل لفظیات کا تعلق ہے، وہ سادہ، سہل اور عام فہم ہیں۔ تتبع اضافات جہاں کہیں بھی ہے، وہ فصاحت میں مخل ہونے کے بجائے ازدادِ حسن اور دلکشی کا باعث بنا ہوا ہے۔ تراکیب بالعموم وہی استعمال کی ہیں، جو زبان زدِ خاص وعام ہیں۔ نامانوس تراکیب کے استعمال سے بالعموم گریز کیا گیا ہے۔ صنائع وبدائع کا استعمال فطری ہے اور ادائے مطالب میں ممد ومعاون ہے۔

اگرچہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نعت پر جتنا کام اس صدی میں ہوا ہے، اُتنا ماقبل کی کسی صدی میں نہیں ہوا، لیکن افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کیا جارہا ہے کہ نعتیہ ادب کے ضمن میں تحقیق تگ و دو کے باب میں طبقہ نسواں کا حصہ دال میں نمک کے برابر ہے۔ ان حالات میں ڈاکٹر شاہدہ پروین شاہین کی موضوعِ بحث کتاب کافی اہم ہے، جس کے لیے لائق محققہ وناقدہ لائقِ صد ستائش ہیں۔ ***

باب

تصوّرات

جہانِ حمد و نعت

اقوالِ زرّیں، اَفکارِ روشن

[حمد و نعت سے متعلق اصحابِ فکر و دانش کے منتخب اقوال]
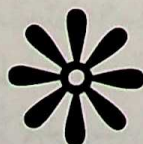
مدیر "جہانِ حمد و نعت"
ماہنامہ الحیاۃ، مدینہ چوک، سرینگر (وادیٔ کشمیر)

نعت کا فن اور اس کے لوازمات و مقتضیات

[چند مشاہیر کے فرمودات]

وہ ذات جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یعنی سراپا حمد و ستائش ہے، اس کی تعریف و ثنا کے لائق ایک لفظ بھی نصیب نہیں ہوتا اور بالآخر اعترافِ عجز کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں رہتا اور یہی کہنا پڑتا ہے:

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یہی اعترافِ عجز کمالِ فن بھی ہے۔ بارگاہِ حسن و جمال میں اپنی درماندگی کا اظہار ہی معیارِ نعت ہے۔ درِ رسولؐ پر سب کے سر جھک جاتے ہیں، مقامِ مصطفیٰؐ کی بلندی دیکھ کر ہر خیال چھوٹا محسوس ہوتا ہے؛ ہر لفظ قاصر نظر آتا ہے۔ یہی خیال وجہِ تسکین بنتا ہے کہ جو کچھ کہا وہ اگر چہ شایانِ شاں نہیں لیکن وہ اپنی خوئے بندہ نوازی کی بنا پر قبول فرمالیں تو ہمارے لیے سرمایۂ حیات بھی ہے اور باعثِ نجات بھی۔

اعظم چشتی صاحب مرحوم نے بالکل بجا فرمایا تھا:

وہ رفعتِ خیال وہ حسنِ بیاں نہیں
جو کچھ کہا حضورؐ کے شایانِ شاں نہیں

ایک اعظم چشتی مرحوم پر ہی کیا موقوف، امام المادحین، شاعرِ دربارِ رسالت سیدنا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کہا تھا:

ما ان مدحت محمدا بمقالتی
ولکن مدحت مقالتی بمحمد

یعنی میں اپنی باتوں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف نہیں کرتا، بلکہ نامِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنی باتوں کی تعریف کرتا ہوں۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے تقاضائے نعت گوئی پر بات کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا مداح خود پروردگارِ عالم ہے۔حق تو یہ کہ مدح و توصیف کا حق اس کے بغیر کوئی ادا ہی نہیں کرسکتا۔جس ربِ قدوس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ رفعتیں، یہ شانیں، کمالات، یہ اخلاقِ حسنہ اور علم کی بے کرانیاں مرحمت فرمائی ہیں، وہی ان کے کیف و کم کو جانتا ہے اور اسی کا کلامِ بلاغت نظام ان کے اوصاف و کمالات کو صحیح طور پر بیان کرسکتا ہے''

(مقدمات، مؤلف ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس، ص 99 مطبوعہ مکتبہ جمالِ کرم لاہور)

آپ مزید لکھتے ہیں (ایضا، ص 101) :

''الغرض خالقِ ارض و سما کے محبوب و حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف و نعت کا حق بجز زبانِ قدرت کے ادا نہیں ہوسکتا۔ غالب نے ازراہِ تکلف نہیں بلکہ حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا : ؎

غالبؔ ثنائے خواجہ بیزداں گذاشتیم
کآں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیۂ نعت پیش کرنا محض توفیقِ ایزدی سے ہی ممکن ہے۔جسٹس الازہریؒ مزید لکھتے ہیں :

''دیگر اصنافِ سخن کے مقابلے میں نعت کو ایک بلند مقام حاصل ہے۔نعت شعر کے معیار کو بھی بلند کرتی ہے اور شاعر کے معیار کو بھی۔غزل میں شاعر فرضی محبوب کے حسن کی تعریف کرتا ہے جبکہ نعت میں محبوبِ حقیقی کے قصیدے لکھتا ہے۔غزل کا وقار اور اعتبار شاعر اپنے فن سے بڑھاتا ہے جبکہ نعت خود شاعر کو معتبر بناتی ہے۔دیگر اصنافِ سخن میں شاعر لافانی اشعار تخلیق کرتا ہے لیکن نعت خود شاعر کو لافانی بنادیتی ہے۔غزل میں حسنِ محبوب کے بیان کی خاطر مبالغہ آرائی سے کام لینا پڑتا ہے جبکہ نعت میں مبالغہ ممکن ہی نہیں کیونکہ جس حسن کی تعریف خود خالقِ کائنات نے کی ہو مخلوق تو اس کو کما حقہ بیان کرنے سے ہی عاجز ہے مبالغہ تو بہت دور کی بات ہے'' (وفا کے دیپ جلنے دو، ص ۱۰)

نعت کی امتیازی خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے جسٹس صاحب نے لکھا ہے :

''دنیا میں جتنی زبانیں ہیں ان کی فصاحت و بلاغت کے قواعد ہیں ان کی جتنی پابندی کی جائے فصاحت کا معیار اتنا ہی بلند ہوجاتا ہے لیکن نعت کی اپنی مخصوص زبان ہے اور

اس کی فصاحت و بلاغت کا اپنا معیار ہے اور وہ ہے ''جذبۂ عشق'' ایک سادہ سا جملہ اگر سوزِ عشق سے لبریز ہے تو وہ اپنی اثر آفرینی میں طویل قصائد سے بازی لے جاتا ہے۔ جذبۂ عشق و محبت سے بے بہرہ دفاتر بھی دل میں گداز پیدا نہیں کر سکتے اور نعت گوئی کا حق ادا نہیں ہو سکتا'' (مقدمات مؤلف ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس، ص ۱۰۳ مطبوعہ مکتبہ جمالِ کرم لاہور)

....

نعت کے لیے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لازمی شرط قرار دیتے ہوئے علامہ تقی عثمانی صاحب نے اپنے مضمون ''نعت اور اس کے آداب'' میں لکھا ہے :

''یہ میرا ایمان ہے کہ اچھی نعت اس وقت تک نہیں کہی جا سکتی جب تک دل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور آپ کی اطاعت کے جذبے سے آباد نہ ہو۔ اگر دل اس متاعِ بے بہا سے محروم ہے تو محض لفاظی سے نعت کا حق ادا نہیں ہو سکتا'' (پہچان نعتیں ص 347 مؤلف سعد اللہ شاہ، لاہور)

....

علامہ تقی عثمانی صاحب نے اس قسم کے اشعار پر کڑی تنقید کی ہے، جن میں احکامِ شریعت کی واضح مخالفت نظر آتی ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں :

''نعت کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں کسی بھی مرحلے پر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان احکام کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے۔ ہر وہ شعر جو ''شرک'' کی ادنیٰ سی بو لیے ہوئے ہو، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خدائی صفات منسوب کی گئی ہوں، یا اس کا کوئی شبہ پیدا ہوتا ہو، وہ درحقیقت نعت نہیں، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ (معاذ اللہ) بغاوت ہے۔ لہذا اس قسم کے اشعار (نقلِ کفر کفر نباشد) کہ

اللہ کے قبضے میں وحدت کے سوا کیا ہے :::: جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

نعت تو کیا ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین سے کھلم کھلا انکار ہے اور اس قسم کے مشرکانہ خیالات کو شاعرانہ آفرینی کے پردے میں گوارا کر لینا درحقیقت ''نعت'' جیسی پاکیزہ اور مقدس صنفِ سخن کی توہین ہے جو کسی بھی صاحبِ ایمان کے لیے قابلِ برداشت نہیں ہونی چاہیے'' (پہچان نعتیں مؤلف سعد اللہ شاہ مطبوعہ لائف گارڈ پرنٹرز لاہور ص 342)

....

علامہ زاہد الراشدی نے نعت میں اظہار کا بے تکلفانہ انداز نہ برتنے کی یوں تاکید کی ہے :

''میں نعت خوان حضرات سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نعت رسولؐ کا ناگزیر تقاضہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا ذکر کرتے ہوئے اسلامی عقائد بالخصوص توحید کا خیال رکھا جائے۔ اور حضورؐ کا تذکرہ اس طرح بے تکلفانہ انداز میں نہ کیا جائے جیسے ہم آپس میں ایک دوسرے کا کرتے ہیں اور آپؐ کے تذکرہ میں سوء ادب کے ہر ممکنہ پہلو سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

(روزنامہ اسلام، لاہور: ۸ مئی ۲۰۱۴ء)

....

ڈاکٹر عبداللہ شاہین نعت میں افراط وتفریط سے دور رہنے کا مشورہ دیتے ہیں :

اصنافِ سخن میں موضوع کے اعتبار سے اعلیٰ ترین ''حمد'' اور مابعد ''نعت'' ہے کیونکہ ثنائے ربّ العالمین کے بعد صلاۃ وسلام بر ذاتِ خیر الانام (سیدنا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) عظیم نیکی ہے، جس کی ادبی ہیئت کا نام ہی ''نعت'' ہے۔ مگر اس کے حصول میں انتہائی حزم و احتیاط درکار ہے۔ اس لیے کہ اگر ''ناعِت'' تعریف وتوصیفِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تفریط وتقصیر کی مجال یا جسارت کا ارتکاب کر بیٹھے تو بحکم قرآنی ''حبطِ اعمال'' کا سزاوار ہوگا اور نیکیوں سے جھولی بھرنے کے بجائے تہی دامن ہو جائے گا۔ علی الرّغم اگر افراط اور غُلو کا شکار ہو جائے تو ناراضیٔ رب کا موردِ ٹھہرے گا، لہٰذا بقول پروفیسر اقبال جاوید ''نعت کہیے! مگر احتیاط کے ساتھ۔'' (نعت گوئی کے آداب، ص ۳۱)

....

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے اپنے تحقیقی مقالہ ''برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری'' کے مقدمے میں جذبۂ عشق کے متعلق اظہارِ خیال ان الفاظ میں کیا ہے :

''مدحیہ شاعری تین عناصر سے تشکیل پاتی ہے :

1۔ زبان، ادب اور شعری روایات سے باعتماد آگہی

2۔ سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے استفادے کی صلاحیت، اور

3۔ جذباتِ محبت وعقیدت کے اظہار کا سلیقہ

ان اجزاء کا باہمی ربط غیر متوازن ہو جائے تو مدح کا حق ادا نہیں ہوتا، اور اگر ان عناصرِ ثلاثہ کی ترتیب، تدوین اور پیوستگی کا ملکہ حاصل ہو جائے تو مدح نگاری دوام کی حق دار ٹھہرتی ہے'' (ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری ص 18 مطبوعہ مرکز معارف اولیاء محکمہ اوقاف پنجاب)

نعت میں ادب و احترام کو بدرجۂ اتم ملحوظ رکھنے کی ضرورت جتلاتے ہوئے مجید اختر لکھتے ہیں :

''نعت کہنا دو دھاری تلوار پر چلنے کے مترادف ہے۔ ایک جانب فنِ شاعری، زبان و بیان، نشست و برخواست، وسیع مطالعہ اور عصری شعور ضروری ہیں، تو دوسری جانب اثر انگیز نعت کیلئے حضورِ والا سے ایک نسبتِ خاص کا ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھنا بدرجۂ اتم ضروری ہے۔ ع .... ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔

لہٰذا ایسے عامیانہ مضامین و لفظیات اور تشبیہات و استعارات، جو عام عشق و محبت کی وارداتوں میں رقم ہوتے ہوں، ان سے احتراز لازم ہے۔ بلا اشد ضرورتِ شعری، ذاتِ سرورِ پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو 'تو' یا 'تم' سے مخاطب کرنا بھی سوءِ ادب ہے۔ بے حد اہتمام کرنا چاہیے کہ شعر چاہے بدلنا یا نکالنا پڑے، لیکن خطاب شانِ شایان ہو۔ ایسے مضامین جن سے شرک کا شبہ ہوتا ہو، ان سے بھی بچنا چاہیے۔ بے جا غلو بھی نازیبا ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ شعراء انبیائے سابقہ کی روایات یا سیرتِ حضورِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے واقعات بطور تلمیح رقم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دو مصارع میں کسی اہم واقعہ کی طرف اشارہ کرنا اور ذاتِ ختمی مرتبت کے مقامِ عالیہ کا تعین بھی کرنا، ایک مشکل امر بن جاتا ہے اور بہت زیادہ مشق و مطالعہ کا متقاضی ہے۔ جس طرح غزل یا نظم کا شاعر اپنی ذاتی واردات، اپنے زمانے کے واقعات و حادثات اور ماضی کی روایات کے آمیزے سے مضامین کسب کرتا ہے، اسی طرح نعت کے شاعر کے لیے بھی ضروری ہے کہ اپنی وارداتِ قلبی رقم کرے، اپنے گرد و پیش سے بھی واقف رہے اور نعت کی روایت سے بھی جڑا رہے۔ من گھڑت یا ضعیف روایات و واقعات کو قلمبند کرنے سے احتراز کرنا بھی ضروری ہے۔ تاریخِ اسلام سے کماحقہ واقفیت اور سیرتِ رسولِ گرامی قدر کا گہرا مطالعہ، مضامین میں گہرائی کا ضامن ہے۔ سطحی اور افتادہ پا مضامین سے بچنے کی سعی کرنی چاہئے''۔ ....

سکندر سجاد عقیدے کی درستگی پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہنا فنی اعتبار سے بہت نازک مرحلہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نعت کہنا گو کہ پل صراط سے گزرنا ہے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ ہمیں نعت شریف کہنے میں حد درجہ چوکس اور محتاط رہنا چاہیے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ دل میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم موجزن ہو اور علمی نزاکتیں اور ان کی تمام فصیلیں بھی عبور کر رکھی ہوں۔ نعت کہنے سے پہلے عقیدہ درست ہونا لازم ہے''۔ ***

باب

تخیّلات

حمد و نعت:

حمد و ثنائے ساقئ ازل جلّ جلالہٗ

مدح و ثنائے ساقئ کوثر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

دُنیا بھر سے شعرائے کرام کا منظوم

حمدیہ و نعتیہ کلام

**

حمدیہ کلام

پروفیسر حافظ محبوب، تنویر پھول،
سرفراز بزمی،
پروفیسر اشفاق انجم،
منظر انصاری،
قمر آسی، نادر اسلوبی،
ریاض انور بلڈانوی،
سلیم اختر رضوی،
پروفیسر طارق تمکین،
شارق رشید، شفیقؔ رائے پوری،
سلمان غازی، شہباز راجوروی،
پروفیسر ڈاکٹر سید امین تابش،
نوری، ساز الاطہر

**

نعتیہ کلام

تنویر پھولؔ (امریکہ) / سرفراز بزمی/
مقصود علی شاہ/ علیم صبا نویدی/
حافظ محبوب احمد/ نادر اسلوبی/
اشفاق احمد غوری/ ڈاکٹر مقصود احمد عاجز/
ریاض احمد قادری/ پروفیسر محمد طاہر
صدیقی/ رخسانہ جبین/ شفیق رائے پوری/
معظم علی سدا مدنی/ ریاض انور بلڈانوی/
ایس۔ حسن انظر/ سید اسلم صدا آمری/
محمد ابراہیم خان شوق آکوٹی/
مظہر علی خان/ محمد اکبر عزیزی/
حافظ محمد عبدالجلیل/ غلام مصطفی ربانی/
مطلوب الرسول قمر/ مشتاق فریدی/
مرتضیٰ اشعر/ عمران الحق چوہان/
فدا راجوری/ ڈاکٹر شکیل شفائی/
منظر انصاری/ میر امتیاز آفریں/
ذوالفقار نقوی/ محمد احمد زاہد/
سید قاسم ریحان/ ڈاکٹر امین تابش/
سلطان الحق شہیدی/ مشتاق مہدی/
اشرف عادل/ ولی محمد اسیر کشتواڑی/
سید اعجاز حسین عاجز/ سلمان رسول/
سلمان غازی/ ڈاکٹر مبشر احمد نشتر/
بلال احمد لون/ علی شیدا/ شارق رشید/
ڈاکٹر مقبول احمد مقبول/ عابد خان عابد/
ساز الاطہر/ غلام احمد رضا نیپالی

**

پروفیسر حافظ محبوب
سرگودھا، پنجاب

حمدِ باری تعالیٰ

(۱)

کس کے آگے ہے یوں پیہم آسماں سجدہ گزار
سب سے اونچی شان والا ہے مرا پروردگار
ایک حرفِ کن سے ہوں تخلیق سب کون ومکاں!
کون ایسا صاحبِ قدرت کہ ہے ذی اختیار
کس کے آگے جھکتے ہیں طوعاً وَکرھاً سب کے سب
کون ایسا صاحبِ عظمت کہ ایسا ذی وقار
سب تعلّی اور بڑائی ہے اسی کے واسطے
ہے فقط زیبا اسے سب امتیاز و افتخار
کون لایا ہے انہیں اس صورتِ موجود میں
تھے زمین و آسماں مثلِ دخاں در انتظار
سب کے سب ہی نغمۂ توحید پر مامور ہیں
طوطیانِ خوش نوا ہوں یا ہوں مرغانِ ہزار
اسکی قدرت کے ہی یہ سب رنگ ہیں بے اختلاف
صحنِ بستاں ہو کہ کوئی ملکِ ارضِ خارزار
اسکی قدرت کا ہے جلوہ، اسکی قدرت کا ہے عکس
ہم سمجھتے ہیں جسے فصلِ خزاں فصلِ بہار
ذرّے سے لیکر ہے سورج تک تری مخلوق سب
کون کرسکتا ہے یا رب تیری خلقت کوشمار

(۲)

سنتا ہوں میں آفاق سے وحدت کے ترانے
ہر لب پہ ہیں اللہ کی عظمت کے ترانے

اللہ نے گر تجھ کو بھی دو کان دئے ہیں
سن پوری توجّہ سے تو فطرت کے ترانے

طوفاں ہے کبھی اور کبھی قلزم میں سکوں ہے
بجتے ہیں ہر اک رنگ میں قدرت کے ترانے

بادل کی گرج ہے کہیں بجلی کی کڑک ہے
سُن، دیکھ! مرے رب کی جلالت کے ترانے

دیتا ہے دکھائی وہ جو کہسارِ فلک بوس
گاتا ہے وہ خلّاق کی رفعت کے ترانے

غنچے کا چٹخنا بھی ہے اک نغمۂ توحید
آ تجھ کو سناتا ہوں میں وحدت کے ترانے

یہ انجمنِ مالک و مولائے جہاں ہے
بجتے ہیں یہاں اسکی صناعت کے ترانے

وہ دل بھی کوئی دل ہے کہ بجتے نہ ہوں جس میں
دھڑکن کی طرح رب کی محبت کے ترانے

محبوب! رہیں کیوں لبِ خاموش کی صورت
آؤ! پڑھیں اللہ کی قدرت کے ترانے

(۳)

تیری عظمت کا کوئی اندازہ کرسکتا نہیں
تُو ہے خالق، تُو ہے، مالک تُو ہے ربّ العٰلمین

مدّعی لاکھوں سہی پر صرف تو سچّا اللہ
تیرے آگے ہی جھکے صبح و مسا ہر اک جبیں

تیری ہی تسبیح کرتا ہے وہ نیلا آسماں
تیرا ہی بھرتی ہے دم یہ چار سو پھیلی زمیں

تو ہی وہ حاکم، وہ داور، تو ہی وہ فرماں روا
مستوی ہے روزِ اوّل سے جو برعرشِ بریں

جس طرف بھی آنکھ اٹھاتا ہوں تو کُھلتا ہے یہ راز
صرف تُو معبودِ حق، مسجودِ حق ہے بالیقیں

تیرے ہی ہے قبضۂ قدرت میں ساری کائنات
تیرے ہی اک کُن سے پیدایہ جہانِ دلنشیں

تیری ہی وہ ذات جس کی شان "یفعل مایرید"
چاہے دے اک مجھ سے عاصی کوبھی فردوسِ بریں

تنویر پھولؔ
نیو یارک، امریکہ

جل جلالہ

(۱)

(تمام حروفِ تہجی کے ساتھ)

آ : آسماں والے کی حکمت ہے بڑی
ا : ہے وہی 'اللہ' قدرت ہے بڑی
ب : 'ب' سے بسم اللہ ، آغازِ کتاب
پ : 'پ' سے بے شک پاک اس کا ہے نصاب
'پ' سے پردہ پوش ہے میرا کریم
خالقِ رحمت ہے بے شک وہ رحیم
ت : 'ت' سے وہ توّاب ہے، بخشے خطا
ٹ: 'ٹ' سے دیتا ہے وہی ٹھنڈی ہوا
ث: 'ث' سے کرتے ہیں اُسی رب کی ثنا
ج: جنّ و انس ، سکّانِ گیتی و سما
چ : لہلہاتے ہیں چمن ، اُس کا کرم
ح: اپنی حکمت سے مٹاتا ہے الم
خ : وہ ہے خالق، وہ خبیر اور وہ علیم
اُس نے دکھلائی ہے راہِ مستقیم
خوانِ یغما بچھ رہا ہے ہر طرف
د : ہے اُسی کا دُر ، اُسی کی ہے صدف

CC-0. In Public Domain. Digitized by eGangotri.

ڈ : ہر گھڑی اُس سے ہی ڈرنا چاہیئے
ذ : ذِکر پیہم اُس کا کرنا چاہیئے
بات یہ بھی یاد رکھنی ہے ضرور
ر: وہ بڑا رحمن ہے ، بے حد غفور
وہ ہے رازق ، رزق دیتا ہے مقیت
زندگی اُس کی عطا اور وہ ممیت
ڑ : 'ڑ' کلامِ پاک میں آئی نہیں
ز : 'ز' سے وہ زندہ ہے ، قائم بالیقیں
ژ : ' ژ' سے ژالہ باری اُس کے حکم سے
س : ہے وہی ستّار ، وہ پردہ رکھے
ش: 'ش' سے شاکر ہے ، نام اُس کا شکور
ص: حاملِ حلم و تحمل وہ صبور
ض: ہے ضیائے مہر بھی اُس کی عطا
ط : دی طراوت شاخ کو ، غنچہ کھلا
ظ : ظاہر اُس کا نام ہے ، باطن بھی ہے
ع: علم میں اُس کے رہے ہر ایک شے
غ : ہے وہی غفّار ، بے شک ہے غفور
انجم و شمس و قمر میں اُس کا نور
غیب کا عالم ہے ، وہ علّام ہے
ف: فضل اُس کا ، بے بدل انعام ہے
نام ہے فتّاح ، وہ ہے بادشاہ
ق : ہے وہی قدّوس ، دے سب کو پناہ
ہے وہی ہر شے پہ قادر ، وہ قدیر
ک: بالیقیں اللہُ اکبر ، وہ کبیر
گ: گردشِ ایام اُس کے حکم سے

ل: وہ لطیف ، اپنا کرم سب پر کرے
م : وہ مصوّر ہے ، وہی باری بھی ہے
ذِکرِ حق میں ایک سرشاری بھی ہے
وہ مُعز ہے اور وہی رافع بھی ہے
منتقم ہے اور وہ جامع بھی ہے
'م' سے منّان ہے ، مانع ہے وہ
ن: 'ن' سے وہ نور ہے ، واسع ہے وہ
و : اُس کو بندوں سے محبت ، وہ ودود
ہے ہر اِک مخلوق پر لطف اور جُود
وہ ہے واحد ، وہ احد اور وہ وحید
ہ : ہادی اُس کا نام ، وہ بے شک رشید
ی: 'ی ' سے وہ یکتا ہے، یاد اُس کو کرو
پھولؔ ! اُس کے لطف سے دامن بھرو

(۲)

خالقِ عالم کی ہر دَم شان و شوکت برقرار
ذرّے ذرّے پر سدا اُس کی حکومت برقرار

وہ رحیم الآخرت اے ، عقبیٰ میں اُس سے آس ہے
ہر گھڑی ہم پر رہے رحماں کی رحمت بر قرار

ہے وہی خلاّق ، ہر ذی رُوح کا رزّاق ہے
مسلسل خوانِ یغما کی یہ وسعت برقرار ہے

ذکر نازل کر کے وہ فرما رہا ہے 'حافظون' ۲؎
تا قیامت اُس کے قرآں کی حفاظت برقرار

عزت و ذلت یقیناً بس اُسی کے ہاتھ ہے
اُس کے ہی فضل و کرم سے اپنی عزت برقرار

دل سے آتی ہے صدا پیہم تُو سن لے یا روٴف!
ہم ضعیف و ناتواں ، ہم پر ہو رافت برقرار

التجا ہے تجھ سے ، تُو حامی ہمارا ہو سدا
ہم سبھی کے حق میں ہو تیری حمایت برقرار

تُو ودود اور تُو ولی ، تُو ہی ہے غفّار و حلیم
ہم ترے بندے ہیں ، تُو رکھ ہم پہ شفقت برقرار

یہ دعا ہے پھول کی ، دونوں جہاں میں اے خدا !
قلب کی اور رُوح کی رکھنا سکینت برقرار

۱؎ رحمٰن الدُّنیا و رَحِیمَ الآخرۃ۔ ۲؎ سورۃ الحجر، آیت نمبر ۹

***

سرفراز بزمی
سوائی مادھوپور، راجستھان، انڈیا

جلّ جلالہٗ

(۱)

خالق ہے تو خدایا ! مالک ہے تو خدایا !
اک لفظ کُن سے تونے سارا جہاں بنایا
بلبل کو بیکلی دی ، کلیوں کو خامشی دی
مہکے ہوئے گلوں کو خاموش دل کشی دی
آب رواں بنایا ، موجوں کو خود سری دی
ماہ تمام دے کر ٹھنڈی سی روشنی دی
سورج کو دی تمازت بخشا شجر کو سایہ
اک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا
سجدے کریں زمیں پر جب پربتوں کے سائے
بے نور ہوکے سورج صحرا میں ڈوب جائے
پھولوں کو آکے شبنم جس دم وضو کرائے
سارا نظام قدرت وحدت کی لے سنائے
ثانی ہے کون تیرا یکتا ہے تو خدایا !
اک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا
یہ مرغزار تیرے یہ کوہسار تیرے
نغمات گا رہے ہیں یہ آبشار تیرے
چڑیوں کے چہچہوں میں نغمے ہزار تیرے
قربان سارا عالم پروردگار تیرے
تیرا رہین رحمت کیا خویش کیا پرایا
اک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا

کاشانۂ چمن میں شاداب رنگ تیرے
سب گوسفند تیرے آہو پلنگ تیرے
شاہ و وزیر تیرے مست و ملنگ تیرے
اے کن فکان والے سب رنگ ڈھنگ تیرے
مالک ہے تو خدایا ! خالق ہے تو خدایا
اک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا
وہ جھیل کے افق پر مرغابیوں کے ٹولے
سورج اتر رہا ہے دھرتی پہ ہولے ہولے
چھائے فسوں فضا پر جب رات زلف کھولے
"سبحان تیری قدرت" سارا جہان بولے
ہر شئے پہ لوٹ آئے تیرے کرم کا سایہ
اک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا
دے دے تو تیری نعمت نہ دے تو تیری حکمت
اور دے کے چھین لے تو مولیٰ تری مشیت
سر پر گدا کے رکھے دستار ما بدولت
صدقہ تیرے کرم کا شاہوں کی بادشاہت
تیری عطا سے پایا دنیا نے جو بھی پایا
اک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا

(۲)

تیری سلطانی سے بڑھ کر کوئی سلطانی نہیں
مالک ارض و سماں تیرا کوئی ثانی نہیں
مہر عالم تاب ہے تیرے اشاروں کا غلام
بحر کی موجوں کو تجھ سے تاب طغیانی نہیں
ماہ و انجم ، مرغ و ماہی، بر زمیں تحت الثریٰ
دیکھ کر جلوے نظر کی حد حیرانی نہیں

ذرے ذرے میں ہیں تیرے عکس کی تابانیاں
تیری تابانی نہ ہو تو کوئی تابانی نہیں
ہے فنا سب کا مقدر تو ہے حی لایموت
ایک تیری ذات ہے عالم میں جو فانی نہیں
لم یلد ہے تو، ولم یولد ہے تو، احد الصمد
تیرا ہمسر کوئی در کار جہاں بانی نہیں
حشر میں اس کا مقدر ہے پشیمانی فقط
جان کر بھی جس نے تیری حیثیت جانی نہیں
خم ہے کس کے حکم پر بزمی یہ ساری کائنات
خود پسندی ، خودسری ، یا کوئی من مانی نہیں

(۳)

مہ و خورشید و انجم مرغ و ماہی
تری قدرت کے جلوے ہیں الٰہی
اجالا دن کے ہنگاموں میں تیرا
تری ہی گیسو شب میں سیاہ
ہیرا خاک چمن پر فرش ، تیرا
ترے دم سے ہے برگ گل حنائی
بہاروں میں ہے رنگ و نور تیرا
خزاؤں پر ہے تیری بادشاہی
پرندوں میں تری میٹھی اذانیں
صبا کیا ہے ؟ تری نغمہ سراہے
ہیں شاہد قوم عادو نوح و موسیٰ
ہوا پانی ہیں سب تیرے سپاہی
شکستہ دل شکستہ پا ہے بزمی
اسے بھی بخش مولیٰ ! مومیائی

پروفیسر اشفاق انجم

جَلَّ جَلَالُہٗ

دلوں میں زخم ہیں ہونٹوں پہ آبلے اللہ
ہمیں اماں دے محمدؐ کے واسطے اللہ
عجیب حال کو پہنچا ہے کارواں اپنا
جدھر ہوائیں چلیں ہم بھی چل پڑے اللہ
جناب شیخ تو ایوان میں سجدہ ریز ہوئے
فقیہ شہر کو دینار کھا گئے اللہ

==

منظر انصاری

جَلَّ جَلَالُہٗ

(۱)

ترا ذکر کرنا عبادت ہے مولا
عبادت تری تا قیامت ہے مولا
رحیمی کریمی تری شان ، یعنی
تجھے دل سے پانا سعادت ہے مولا
تو پنہاں بھی ہو کر ہے ظاہر سبھی پر
اس راز میں تو صداقت ہے مولا
یہ قلب و جگر ، یہ نظر یہ نظارے
تنفّس بھی تیری امانت ہے مولا

ہدایت کے رستے پہ مجھ کو چلانا
تری ہی محبّت عنایت ہے مولا
زباں پہ یہ منظر کے جاری ہے جو کچھ
یہ قلبِ تواں کی حرارت ہے مولا

(۲)

رضا شامل ہو گر تیری تو ہر لمحہ سدھر جائے
مری دنیا بدل جائے ، مری قسمت سنور جائے
قدم جب بھی اٹھاؤں میں ، مرا رستہ بنے منزل
نظر میں ہو گھر اور دل مرا محوِ سفر جائے
زمانے کی کدورت سے مرا مقصد نہیں رکتا
مرا مقصد ہے آئینہ ، جو دیکھوں تو نکھر جائے
الجھ کر میں زمانے بھر کے فرعونوں سے جب پلٹوں
تری رحمت ہی رحمت ہو جدھر میری نظر جائے
رضا تیری ضروری ہے ، چٹانوں میں اڑانوں میں
بلندی ہی بلندی ہو ، جو پستی ہو ٹھہر جائے
درودِ پاک جب جب بھی زباں پہ جاری ہو منظر
زمیں ساکت ہو اس پل میں زمانہ بھی ٹھہر جائے

***

قمر آسی

جَلَّ جَلَالُہٗ

میں حمدِ باری کروں تو کیسے ثناء کے قابل زباں نہیں ہے
لبوں پہ میرے ہیں لفظ لیکن خیال عالی بیاں نہیں ہے
ہر ایک شے میں تری نمو ہے ، جدھر بھی دیکھوں بس ایک تو ہے
جہاں میں ہر سو ترے ہی جلوے ، نہیں وہ جا تو جہاں نہیں ہے
ترا ہی حامد ہر اک شجر ہے ، ترا ہی ذاکر حجر حجر ہے
ہے وصف تیرا ہی سب گلوں میں مگر تو پھر بھی عیاں نہیں ہے
فلک پہ جتنے ہیں چاند تارے ، ہیں تیری قدرت کے یہ اشارے
تری خدائی کی حد نہیں ہے ، مرے خدا تو کہاں نہیں ہے
یہ بادلوں سے برستا پانی ، یہ رات دن کی عجب کہانی
یہ سب تری ہی عنایتیں ہیں اور اس قدر کہ گماں نہیں ہے
زمیں کے اندر بھی تیری خلقت ، زمیں کے باہر تری حکومت
مکینِ قلبِ سلیم ہے تُو ، مکیں ہے لیکن مکاں نہیں ہے
کرم یہ ہم پر کیا ہے تو نے ، حبیب اپنا دیا ہے تو نے
نوازشیں تیری کیا بیاں ہوں کہ اتنی عمرِ رواں نہیں ہے
الٰہی مجھ کو جنوں عطا کر ، دے فقر ، سوزِ دروں عطا کر
عطا ہو چشمِ رواں بھی مجھ کو ، نہ ہو جو لب پر فغاں نہیں ہے
رحیم بھی تو ، کریم بھی تو ، رؤف بھی تو ، علیم بھی تو
ہے قلبِ آسیؔ سے تو ہی واقف کہ تجھ سے کچھ بھی نہاں نہیں ہے

نادؔر اسلوبی

مہاراشٹر

جل جلالہ

(۱)

ہراک ذرہ میں ہے صورت تری جلوہ نمائی کی
ادا پھر کیوں پسند آئے نہ مجھ کواس خدائی کی

مرے چلتے ہی تیرے نام نے منزل پہ پہنچایا
مرے رکتے ہی رحمت نے تری مشکل کشائی کی

بنایا ہے گدا اپنا ترے احساں کے کیا کہنے
بشر کی ذات میں رکھدی ہے تو نے خوگدائی کی

بروز حشر بخشش تو ترے ہی ہاتھ ہے مولیٰ
لکھائی ہو رہی ہے مانتا ہوں پائی پائی کی

بشر کی سوچ کے سوتے ترے آگے لگے چھوٹے
یہی حق ہے کہ کوئی حد نہیں تیری بڑائی کی

ہر اک نادؔر عمل محتاج ہے توفیق کا تیرے
ترے ہی ہاتھ میں توفیق ہے یا رب بھلائی کی

(۲)

تری تعریف اور آئے بیاں میں
کہاں طاقت زبانِ ناتواں میں

فقط تُو لائقِ حمد و ثنا ہے
ترا ہی ذکر ہے کون و مکاں میں

تجھے ہی زیب دیتی ہے خدائی
فقط تُو ہے فضائے بیکراں میں

پڑھا ہوں جب بھی بسم اللہ کہہ کر
ہوا ہوں کامراں ہر امتحاں میں

اُٹھائے ہاتھ مصروفِ دعا ہے
اثر دیدے تُو ناؔدر کی زباں میں

***

ریاض انور بلڈانوی

مہاراشٹر

جل جلالہ

(۱)

رنگ اشجار کو قدرت سے ہرا دیتا ہے
فرش دھرتی پہ وہ سبزے کا بچھا دیتا ہے
شام ہو شمس کی قندیل بجھا دیتا ہے
ماہ کو شب میں گھٹاتا ہے بڑھا دیتا ہے
شب کے ماتھے پہ سجا تا ہے قمر کا جھومر
آسماں کو وہ ستاروں کی رِدا دیتا ہے
لشکرِ ابر فلک پر وہ اتارے ہر دن
شام ہو گوٹ شفق کی وہ لگا دیتا ہے
آبشاروں کو پہاڑوں سے گراتا ہے وہی
وہ کہ دریا کو سمندر سے ملا دیتا ہے
وہ ہے رزّاق ، عجب خوانِ کرم ہے اسکا
آب مخلوق کو دیتا ہے ، غذا دیتا ہے
ایسا حاکم ہے کہ محکوم ہے ہر شے اس کی
لفظِ کُن سے وہ ہر اک چیز بنا دیتا ہے
وہ محاسب بھی ہے ، عادل بھی ہے یکتا انور
بخشتا بھی ہے خدا اور سزا دیتا ہے

(۲)

ہر آن تیرا فضل اے رحمٰن چاہیے
ہوں مشتِ خاک میں، ترا احسان چاہیے
تجھ سے کرم کی بھیک اے سلطان چاہیے
روزِ جزا نجات کا فرمان چاہیے
روشن ہو میرا قلب ترے ذکر خیر سے
بس ایک تیری ذات پہ ایمان چاہیے
تاعمر راہِ حق پہ چلوں میں کریم رب
پروردگار تجھ پہ ہی ایقان چاہیے
تر ہو مری زبان ترے ذکر سے رحیم
ربِّ قدیر بس ترا فیضان چاہیے
کر ذوالجلال مجھ کو طلب سے سوا عطا
خیراتِ رحم اے شہِ ذیشان چاہیے
ہو محو تیری یاد میں انور کی یہ زباں
اس کو تری پناہ اے سبحان چاہیے

(۳)

وہ زندگی کے شجر کو بہار دیتا ہے
سکون ذہن کو ، دل کو قرار دیتا ہے
عطا کیا ہے اسی رب نے نور سورج کو
وہ روشنی سے زمیں کو نکھار دیتا ہے
وہ آسماں پہ گھماتا ہے اَبر کے لشکر
فلک پہ رنگِ دھنک کے اتار دیتا ہے
عطا کا بحر وہی بے کنار ، یکتا وہ
نوازتا ہے سدا ، بے شمار دیتا ہے

کریم یوں کہ وہ ذرّے کو آفتاب کرے
وہ بخت بندوں کا پل میں سنوار دیتا ہے
گلِ خوشی وہی مہکائے زندگانی میں
کبھی وہ رنج و الم کے بھی خار دیتا ہے
مُحی وہی تو ہے انور ، فنا نہیں ہے اسے
ہمیں حیات بھی دیتا ہے، مار دیتا ہے

(۴)

ہوں قلم جہان بھر کے ، بنیں بحر روشنائی
تو رقم نہ ہو سکے گی ، تری شان کبریائی
تری ذات لم یزل ہے، تو جہاں کا ماحصل ہے
ترے واسطے ثنا ہے ، تجھے زیب ہے بڑائی
تو محی ، جلیل ، حاکم ، تری بادشاہی دائم
ترے در پہ کر رہا ہے یہ جہاں جبین سائی
توعظیم تر احد بھی ، تو غنی بھی ہے صمد بھی
میں ہوں مشتِ خاک داتا ، مرا بخت ہے گدائی
تجھے ہر نفس پکارے ، ترا ذکر ہر اذاں میں
ترے نام کی صدائیں ، دیں فضاؤں میں سنائی
تو قدیر منفرد ہے ، تو حکیم بھی انوکھا
ہے وہ شاہکار اعلیٰ تو نے جو بھی شے بنائی
یہ دعا کرے ہے انورؔ اے خدا بروز محشر
ملے خُلد میں جگہ بس نہ ہو اسکی جگ ہنسائی

(۵)

وہ جس کا نور ہے شمس و قمر میں تاروں میں
وہ جس کے جلوے، پہاڑوں میں ریگزاروں میں

وہ جس نے رنگ بھرے ہیں حسیں نظاروں میں
وہ جس کا حسن بیابان و کوہ ساروں میں
اسی قدیر سے ہے دلکشی بہاروں میں

وہ جسکے حکم سے صحرا میں پھول کھلتے ہیں
وہ جسکے سامنے شاہوں کے شاہ جھکتے ہیں
وہ جسکے حکم سے در قسمتوں کے کھلتے ہیں
کرم سے جسکے سبھی غم خوشی میں ڈھلتے ہیں
نظامِ دہر چلاتا ہے جو اشاروں میں

ردا ستاروں کی ہر شب کو جو اُڑھاتا ہے
چھپا کے چاند کو سورج کو جو اگاتا ہے
سمندروں میں سدا جزر و مد اٹھاتا ہے
زمیں پہ سبزے کی چادر بھی جو بچھاتا ہے
وہ جسکے حسن کا پرتَو ہے آبشاروں میں

وہ جس کے پاس حکومت ہے کُل جہانوں کی
جسے خبر ہے جہاں بھر کے بے زبانوں کی
وہ جس سے آس بندھی جگ کے خوش گمانوں کی
جسے خبر ہے زمینوں کی آسمانوں کی
خوشی لٹاتا ہے ہر پل جو غم کے ماروں میں

وہ جسکے دم سے ہے عرفان و آگہی کا شعور
یہ دل اسی کو صدا دے ، وہی نظر کا نور
رحیم قادر و رحمان ہے وہ ربِّ غفور
بسیرا دل میں کرے گھر مگر ہے اس کا دور
وہ جس کا ساز بجے سب کے دل کے تاروں میں

(۶)

کریم تجھ سا کوئی ربِّ ذوا لجلال نہیں
تو لم یزل ہے ، تری ذات کو زوال نہیں

رحیم تو ہے، تری ذاتِ پاک ہے یکتا
تو وہ قدیر کہ جس کی کوئی مثال نہیں

تو مہربان بھی سب سے سوا ہے بندوں پر
جہاں میں کون ہے ، جس کا تجھے خیال نہیں

صمد بھی تو ہے ، غنی بھی ، کفیل بھی تو ہی
ترے علاوہ کسی اور سے سوال نہیں

عجیب شان ہے تیری کہ حکم بن تیرے
جہاں میں ہل سکے پتّا کوئی ، مجال نہیں

تو ہی مغیث و محافظ تو ہی مرا معبود
ترا ہے آسرا ، دل غم میں بھی نڈھال نہیں

جزا کے روز ہو بخشش ، دعا کرے انور
عطا نجات ہو ، درکار اس کو مال نہیں

***

سلیم اختر رضوی
ٹولہ کلاں، باندہ، یوپی

جَلَّ جَلالُہٗ

تو ہی خالق تو ہی رازق تو پالنہار یا اللہ
تو ہی قادر تو ہی مالک ہے تو مختار یا اللہ

احاطہ تیری عظمت کا کہاں یہ تنگ دل میرا
تیری حمد و ثنا عاجز سے ہے دشوار یا اللہ

کسی کو لامکاں بلوا کے کھولے رازِ سربستہ
مشیّت ہے تری ہو طور پر انکار یا اللہ

زِمامِ ہند جب سے آگئ ظالم کے ہاتھوں میں
ترے بندوں پہ روز و شب اٹھے تلوار یا اللہ

بنا کر ایٹمی ہتھیار دہشت بھر دی دنیا میں
تباہی کی طرف ہے گامزن سنسار یا اللہ

بنایا کفر نے جنت نِشاں کو وادیٔ دوزخ
طفیلِ مصطفیٰ کر دے اسے گلزار یا اللہ

بڑی حسرت سے تکتے ہیں تری رحمت کو کشمیری
غریبانِ وطن پر پھر کرم اک بار یا اللہ

کبھی ایماں کبھی ملت کا سودا اِنکی فطرت ہے
بشکل مولوی رہزن ہیں یہ غدار یا اللہ

میں طالب ہوں ترے فضل و کرم کا رحم فرما دے
سوا تیرے نہیں ہے کوئی بھی غفار یا اللہ

دکھا دے روضۂ سرکار چشم و دل ضیاء پائیں
ہے اخترؔ کو عدم سے حسرتِ دیدار یا اللہ

پروفیسر طارق تمکین
کشتواڑ

جل جلالہٗ

تکبر بادشاہی کا وہ پل میں توڑ دیتا ہے
وہ جب چھوٹے سے مچھر کو ہوا میں چھوڑ دیتا ہے

وہی ہم پہ عذابِ بے بسی کر دیتا ہے نازل
وہی ٹوٹی ہوئی امید کے پل جوڑ دیتا ہے

اسی دریا میں وہ فرعون کو کر دیتا ہے غرقاب
اسی دریا کا موسیٰ کے لئے رخ موڑ دیتا ہے

وہی یعقوب کو دردِ پسر دیتا ہے برسوں تک
وہی یوسف سے ملنے کا سرا بھی جوڑ دیتا ہے

اسی کے حکم سے مچھلی نگل دیتی ہے یونس کو
اسی کا حکمِ کُن واپس زمین پہ چھوڑ دیتا ہے

وہی 'اصحاب' کو تمکینؔ سلا رکھتا ہے صدیوں تک
وہی اس غار میں پھر نیند ان کی توڑ دیتا ہے

***

شارق رشید

جلّ جلالہ

احد اور صمد یا خدا صرف تو ہے
خدا ، اے خدا ، اے خدا ، صرف تو ہے

جو دیتا ہے غیبی خزانوں سے اپنے
جو سنتا ہے سب کی دعا صرف تو ہے

مرے رب ! میں بیمار ہوتا ہوں جب بھی
جو دیتا ہے مجھ کو شفا صرف تو ہے

وحی بھیجی قرآں اتارا نبیؐ پر
ہے قرآں میں جس کی صدا صرف تو ہے

جو ذی روح زندہ ہے پتّھر کے اندر
اسے بھی تو دیتا غذا صرف تو ہے

نہیں تیری تمثیل ممکن خدایا
ہر اک چیز سے ماورا صرف تو ہے

ترے عرش و کرسی ترا ہاتھ برحق
ہیں کیسے مگر جانتا صرف تو ہے

مرے قلب کی دھڑکنوں کی صدا بھی
یقیں ہے مرا سن رہا صرف تو ہے

مری ذات سے مجھ سے بڑھ کر ہے واقف
ہر اک رازِ دل جانتا صرف تو ہے

سفینے ترا تا ہے رحمت سے اپنی
نہیں جب کوئی ناخدا صرف تو ہے

گناہوں کی دلدل میں گرنے سے مجھ کو
بچاتا ہے تو ، روکتا صرف تو ہے

نہ مقدور میرا نہ لایق میں اس کے
جو نعمت مجھے بخشتا صرف تو ہے

یہ شارقؔ ترا خاک کا ڈھیر ہوتا
ہے جس کے سہارے کھڑا صرف تو ہے

***

شفیقؔ رائے پوری
جگدلپور بستر چھتیس گڑھ (انڈیا)

جل جلالہ

(۱)

نہ چھوٹے مجھ سے کبھی یہ اساس یا اللہ
ہمیشہ بن کے رہوں تیرا داس یا اللہ
بتاؤں حشر میں جس کو اساس یا اللہ
عمل بھی ایسے نہیں میرے پاس یا اللہ
ترے ہی نور سے شاداب سارا گلشن ہے
تمام پھولوں میں تیری ہی باس یا اللہ
شعور و فکر سے ہے ماورئی مقام ترا
ہے تیری ذات بعید از قیاس یا اللہ
یہ اور بات کہ ادراک ہو نہیں پایا
مگر ہے تو مری شہ رگ سے پاس یا اللہ
تری ہی راہ پہ چلتے رہیں ترے بندے
دلوں میں ہو ترا خوف و ہراس یا اللہ
چھڑا دیا مرے ہاتھوں سے میرے عصیاں نے
نہیں ہے دامنِ ہوش و حواس یا اللہ
نہال ہو جو برس جائے جم کے ابرِ شفا
بہت دنوں سے ہے یہ دل اداس یا اللہ
نبی کی دید سے سیراب کردے آنکھوں کو
ستا رہی ہے زیارت کی پیاس یا اللہ
تری عطاؤں کی طالب نہیں فقط دنیا
شفیقؔ کو بھی ہے رحمت کی آس یا اللہ

(۲)

لطف تیرا ترا کرم اللہ
سانس جو لے رہے ہیں ہم اللہ

تیری حمد و ثنا میں لکھتا رہوں
دم میں جب تک مرے ہے دم اللہ

تیری حمد و ثنا کے بعد خدا
نعت ہوتی رہے رقم اللہ

سر اُٹھانے لگا ہے شام و سحر
شر کا ہو جائے سر قلم اللہ

ساتھ ایمان کی رہے دولت
جب چلوں جانبِ عدم اللہ

جب غلط راہ کی طرف اُٹھیں
روک لینا مرے قدم اللہ

سرخ روئی ہمیں عطا کردے
مضمحل رو بہت ہیں ہم اللہ

دل کی دھرتی ہوئی ہے پتھر سی
کر دے اپنے کرم سے نم اللہ

تیرا محبوب رحمتِ عالم
ہے بڑا شافعِ اُمم اللہ

ہو میسر جبینِ دل کے لیے
نقشِ پائے شہِ اُمم اللہ

حاضری پھر سے ہو مدینے کی
دیکھ لوں پھر ترا حرم اللہ

ہو ہمیشہ شفیق خستہ جاں
تیرے آگے ہی سر بہ خم اللہ

سلمان غازی
ممبئی

جل جلالہ

(۱)

فنا تقدیر نا چاروں کا آخر چارہ گر تو ہی
کہ سب کے بعد تو ہی اور سب سے پیشتر تو ہی
سکونِ دل کہوں یا عقل کی تسکیں کہوں اس کو
پھرا مارا ہوا جس کے لئے میں در بدر تو ہی
شکستہ دل تو ہوں لیکن بھلا کیوں فکر ہو مجھ کو
مرے شیشے میں تو تھا اور میرا شیشہ گر تو ہی
پریشاں حال ذوقِ جبہ سائی تھی زمانے میں
مگر ملجا بھی سب کا اور سب کا منتظَر تو ہی
بھٹکتی پھر رہی تھی نوعِ انساں دشتِ ظلمت میں
نظر آئی جہاں پر اس کو منزل سر بسر تو ہی
کہاں جائیں بتا ، بندے ترے ا اس دارِ فانی میں
ہماری راہ بھی منزل بھی تو ہی راہبر تو ہی

(۲)

الٰہی مجھ کو تو ایسا بنا دے
جو سجدوں سے زمیں تیری سجا دے

خزانے تیرے پوشیدہ ہیں کُن میں
کریں جو شکر، بن جاؤں میں اُن میں
بنا دے فضل سے تو مجھ کو ایسا
وہی کرتا رہوں ، تُو چاہے جیسا
میں دستک دوں تو بس اک تیرے دَر پر
اگر ہو ،بس ترا قرضہ ہو سر پر
میں خواہشمند فیضانِ نظر کا
میں طالب ہوں تو عفو و دَرگذر کا
گناہوں سے میرے صرفِ نظر کر
نگاہِ رحم کر ،بارِ دِگر کر
میری نیکی ہے کیا ؟تیرا کَرَم ہے
تری مخلوق میں میرا بھَرَم ہے
توجّہ کا تری ہر دم ہوں طالب
خرابی اور فنا ہے مجھ پہ غالب
میں بندہ صرف ربُّ العالمیں کا
غلام اس احمدؐ و شاہد امیں کا
ترے اوصاف بے پایاں نہایت
بیاں کیسے کروں میں تیری عظمت
اب اس میں ناطقہ کی کیا خطا ہے
تصور سے بھی جب تو ما وراہے
کہاں ممکن تیری تعریف ہو پھر
مرا یہ عجز ہی مقبول ہو پھر
زباں عاجز سہی ، حمد و ثنا سے
مگر معمور ہے حسنِ ادا سے

(۳)

میرے خدائے لم یزل تیری ثنا میں کیا کروں
قلب و نظر کی کیفیت، لفظوں میں کیا ادا کروں
عقل سے تو ہے ما وریٰ ،تجھ کو سمجھ سکا ہے کون
دل میں تُو جب ہے جاں گزیں، تجھ کو سمجھ کے کیا کروں
میرے ہر اک سوال پر تیرا کرَم فزوں ہوا
تیری عطائے ناز سے مانگوں نہیں تو کیا کروں
وہ بھی نہیں دیا کہ جو ،مجھ کو نہ خوش مآل تھا
جو کچھ نہیں نصیب میں اس کا تو کیا گِلا کروں
سجدے میں رکھ کے سر کبھی راز کی بات کہہ سکوں
کاش یہی ہو مُلتقا ،تجھ سے یہیں ملا کروں
تو نے جو دی تھی زندگی مجھ پہ وہ اب بھی قرض ہے
میری بِساط کیا کہ میں قرض ترا ادا کروں
میری سرشت میں گناہ روزِ ازل سے ہے رقم
بس تیرے فضل سے کروں جو بھی کروں بجا کروں
جوش نمو سے کیوں ابھی اُبلے نہ چشمۂ حیات
تیرے لئے میں دل کو جب دَرد سے آ شنا کروں
حمد یہ بے نوا تری ،پیش کرے تو کس طرح
لفظ نہیں ،زباں نہیں ،حسنِ ادا کا کیا کروں
تیری بہشت میں اگر جائیں گے صرف صالحین
سجدے جو بس قبول ہوں اتنے پہ اِکتفا کروں
ذات ہے تیری ذی وقار میرا وجود کسرِ شان
عفو میں شان ہے تری، کتنی بھی میں خطا کروں

شہباز راجوروی (مرحوم)

بہروٹ، راجوری (جموں و کشمیر)

جل جلالہٗ

نظر آوارہ ہے ، اِس کو پناہ دے
درونِ ذات ایسا مرحلہ دے
بڑی مدّت سے پیاسا ہے یہ صحرا
یہاں بھی ایک جدول تو بہادے
جہاں رُک جائیں جا کر علم و دانش
وہ عالم چشمِ حیرت کو دِکھا دے
یہ سب موجود و نا موجود کیا ہے
تو عقلِ حیلہ جوُ کو یہ سکھا دے
فراق و وصل کی تمہید کیا ہے
حضوری کو بھی تھوڑا فاصلہ دے
میرے دامن میں خوابوں کے سمن زار
یہ اِس بے مہر موسم کو بتا دے
سمائے کیسے سوُرج آئینے میں!
شُعاعِ نوُر افشاں کا پتہ دے
مجھے محروم رکھتے پیچ و خم ہیں
جو ہے توفیق ! سیدھا راستہ دے
چراغِ مختصر کی کیا حقیقت ؟ !
یہ مہرو ذرّہ کا رشتہ نبھا دے!
میں اِس عہدِ پریشاں میں ہوں تنہا
درونِ سینہ اک محفل سجادے
نہیں ہے بس میں معنی آفرینی
پریشاں فکر کو سوزِ نوا دے

حوادث اِس جہاں کی ناگزیری
اِسے واللہ یعصمک سُنادے

(۲)

حق کی ہر طرف جلوہ فرمائی
میری نظریں ! حرم کی رعنائی
باریابی کی یہ سعادت ہے
میرے سجدوں کی ہے پذیرائی
اپنے بارِ گنہ سے واقف ہوں
جانتا ہوں ردیفِ رُسوائی
ایک سودائے سر ہے بے طرح
ایک بندہ ہے نیم سودائی
مالکِ کائنات کیا میں کہوں
دل حزیں ایک ، تیرا شیدائی
لفظ بے کار ہیں دعا مفقود
روبرو تیرے تابِ گویائی!
تیرے جلوے جہاں میں ہر سو ہیں
تیری رعنائی تیری زیبائی
کرمِ بے انتہا وہ کر دیجیے
کوئی باقی رہے نہ کجرائی
تو شہنشاہِ کائنات! خدا
میں ہوں محرومِ علم و آگاہی
مجھ کو بھی صاحبِ بصیرت کر
بندگی کی بھی ہو پذیرائی

پروفیسر ڈاکٹر سیّد امین تابشؔ
راوَل پورہ، سرینگر، وادیٔ کشمیر

جل جلالہ

اے مالکِ کون و مکان اے مالکِ روزِ جزا
عظمت تیری ہر شے میں ہے ہم کو دِکھا راہِ ہدیٰ

رحمت تیری ہے بے کراں بندوں پہ تُو ہے مہربان
عرشِ برین و لامکان کچھ بھی نہیں تجھ سے جُدا

محتاج ہے ارض و سماء ، محتاج ساری کائنات
ہر شے تیرے ہی دم سے ہے آئی فلک سے یہ نِدا

تیری نشانی ہے عیاں ہر موج میں ، ہر بحر میں
سجدے میں تیرے کوہسار رحمت تیری بادِ صبا

روشن جہاں ہے نور سے قاب و قوسین طور سے
سب کچھ فنا ہو جائے گا باقی رہے اللہ سدا

جس نے بھی مانگا آپ سے ، خالی نہیں کوئی گیا
خالق بھی تو مالک بھی تو قدرت تیری ہے اے خدا

نعمت تیری ٹھکرائے کون کتنے کرم ہیں آپ کے
سب پہ ہو تم ہی مہربان سنتا ہے تو سب کی صدا

سب کچھ مسخر کر دیا انسان نے جب کھوج کی
جتنا سفر اونچا کیا تجھ کو ہی پایا اے خدا

ہم سب کی نسبت آپ سے سب ہیچ ہے تیرے بنا
تو ہی ہمارا کارساز سب کیوں نہ ہو تجھ پہ فِدا

ہر سانس میں تیری مہک ہر نظر میں تیری جھلک
کیسے چھپاؤں رازِ دل ممکن نہیں بدلوں ادا

توحید کی بارش سے ہو سیراب ساری کائنات
چاروں سمت قدرت تیری تم ہی تو ہو سب سے جُدا

احساس ہے تو سامنے ہر شے پہ نقش ہیں تیرے
موجوں میں تو ساحل میں تو کیا خوب ہے تیری ادا

تعریف ہو ہر لفظ میں اور ذکر ہو ہر بات میں
تیرے لیے ہر نظم میں حمد و ثنا میرے خدا

رحمت ہے تیری بے کراں عظمت تیری شایانِ شان
اِک قطرہ بھی جس کو ملے دولت ملی اُس کو جُدا

کیا رحمتیں کیا نعمتیں کیا وُسعتیں کیا بخششیں
خالق ہے تُو اے پاک رب مخلوق تجھ پر ہے فِدا

خوف و فکر نا غم اسے جس کو ملے تیری رضا
تیرے ہی دامن میں پناہ تیرے ہی در کا جو گدا

تاروں کی ٹمٹماہٹیں لہروں کی مسکراہٹیں
رنگینیاں پھولوں کی ، قدرت تیری ہی کیا جُدا

کھیتوں میں فصل کا عمل پیڑوں پہ پھل ہیں جو اُگے
دیکھیں جدھر پائیں تجھے دن رات گردش میں صدا

یہ روشنی تاریکیاں ، ٹھہراو ہو یا زلزلے
قدرت تیری جلوے تیرے تیرا ہُنر تیری ادا

انسان مُشتِ خاک ہے مضبوط تیری ذات ہے
اے مالکِ روزِ جزا ہم کو دِکھا راہِ ہدیٰ

اذکارِ مسلسل میں ہیں یہ آبشار و کوہسار
تنکے کی حرکت آپ سے محتاج سورج بھی سدا

انسان کی پرواز ہو جو وسعتِ کونین میں
جس نے چُنا ہے راہِ حق کر دے کرم میرے خدا

تڑپے یہ روح تیرے لیے دھڑکے یہ دل تیرے لیے
مدحت تیری ہو رات دن ہے آرزو میرے خدا

جو آپ کے آگے جھُکا پائی اُسی نے ہے نجات
تیرے ہی دم سے سانس لی تیرے لیے ہو جان فدا

ہر فکر ہو تیرے لیے ہر سانس میں تو ہی بسا
آنچل میں اپنے دے پناہ ہے آرزو یہ اے خدا

کر دے مقرر راستہ میرے لیے جو ہو صحیح
سب چھوڑ کر آیا ہوں میں اشک تر میری رِدا

قربت تیری پیاری لگے تڑپا ہے جب بھی دل میرا
کر دے کرم آقا میرے کر دے کرم میرے خدا

تابش کی ہے یہ آرزو اللہ ہو ہر دم مہرباں
جینا ہو بس تیرے لیے ہو جاؤں میں تجھ پر فدا

اعتذار

'جہانِ حمد ونعت' کے گزشتہ (چوتھے) شمارے میں صفحہ نمبر 255 پر 'مناجات' کے زیرِ عنوان منظوم کلام ادارے کی غلطی سے ڈاکٹر تابش مہدی [دہلی] کے نام کے ساتھ شائع ہوا، جبکہ یہ کلام سرینگر، کشمیر کے اُن کے ہم نام عالمی شہرت یافتہ ماہرِ طبّ و معالج محترم پروفیسر ڈاکٹر سیّد امین تابش کا ہے۔
ادارہ اِس نادانستہ سہو اور غلطی کے لیے معذرت خواہ ہے اور از سرِ نو اس مناجاتی نظم کے منتخب اشعار سطورِ بالا میں پیش کرتے ہوئے پروفیسر صاحب سے معافی کا خواستگار ہے.... مدیر

عبداللہ نوری

جَلَّ جَلالُہٗ

بہجت کا لہو جو رگِ عالم میں رواں ہے
اے ذاتِ احد! ، یہ تری وحدت کا نشاں ہے

بے جاں ہو کہ جاں دار ہو ، عرشی ہو کہ فرشی
ہر چیز تری حمد میں تسبیح کناں ہے

منہ موڑیں گے کس کس سے طبیعت کے پجاری
جلوہ تری قدرت کا ہر اک شی میں نہاں ہے

تاجِ فیکوں جو سرِ کُن کی ہوا زینت
در اصل یہ کونین کی خلقت کا بیاں ہے

ہر وقت لبِ نُطق خلائق پہ ہے جاری
''معبود حقیقی ہے تو خلّاقِ جہاں ہے''

لا ریب یہ گل کاری قدرت کا ہے اعجاز
گلزارِ دو عالم میں جو نزہت کا سماں ہے

نکلا جو ترے دائرۂ فضل و کرم سے
ہر وقت کھنچی اس پہ ہلاکت کی کماں ہے

نوریؔ درِ خالق پہ اطاعت کی جبیں ٹیک
یہ جائے کمالات ہے ، فردوسِ اماں ہے

سازالاطہر
مارول، وادیٔ کشمیر

جلّ جلالہٗ

رہیں ہم جہاں بھی خدا دیکھتا ہے
یہاں بھی وہاں بھی خدا دیکھتا ہے
زمیں بھی زماں بھی خدا دیکھتا ہے
نظام جہاں بھی خدا دیکھتا ہے
ہیں تحت الثری پر بھی اس کی نگاہیں
پس آسماں بھی خدا دیکھتا ہے
وہ ظاہر بھی جانے وہ باطن بھی جانے
عیاں بھی نہاں بھی خدا دیکھتا ہے
وہ چیونٹی کے چلنے کی آہٹ بھی سن لے
قدم کے نشاں بھی خدا دیکھتا ہے
جو بنتی ہے اچھی بری ذہن و دل میں
وہ شکل گماں بھی خدا دیکھتا ہے
محبت کی چنگاریاں اس پہ روشن
حسد کا دھواں بھی خدا دیکھتا ہے
تیری آبرو ساز اس کی اماں میں
تیرے جسم وجاں بھی خدا دیکھتا ہے

***

نعتیہ کلام

تنویر پھولؔ
نیو یارک، امریکہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱)

(تمام حروفِ تہجی کے ساتھ)

آ : آقا ہیں محمد ﷺ ہم سب کے
ا : اللہ کو وہ ﷺ بے حد پیارے
ب : 'ب' سے ہیں بشیر و آمر بھی
پ : وہ ﷺ سب کی کریں پردہ پوشی
ت : 'ت' سے ہیں وہی ﷺ تابندہ گہر
ٹ: 'ٹ' ٹوٹی چٹائی کا بستر
ث: 'ث' سے ہے ثقاہت لا ثانی
ج: 'ج' اُن ﷺ کا جمالِ نورانی
چ : مشہور ہیں چاروں یار رضی اللہ عنہم اُن ﷺ کے
ح: حاشر ﷺ ہیں ، ولی آقا ﷺ میرے
خ : 'خ' سے ہیں وہ ﷺ خاتم نبیوں کے
سردارِ بشر ﷺ ، حق کے بندے
ہے خُلقِ عظیم اُن ﷺ کا اعلیٰ
قرآں نے رحیم اُن ﷺ کو بھی کہا
د : 'د' اُن ﷺ کو کہے درمانِ ملال
ڈ : 'ڈ' اُن ﷺ کو کہے مظلوم کی ڈھال

داعی بھی وہی اور مدعو بھی
کیا شان ہے صاحبِ اسرا ﷺ کی
ذ : 'ذ' اُن ﷺ کو کہے ، آقا ﷺ ہیں ذکی
ر : 'ر' اُن ﷺ کو کہے رحمت رب کی
ڑ : 'ڑ' حرف نہیں قرآنی ہے
ز : زمزم ہی مصفّا پانی ہے
ژ : 'ژ' ژرف نگاہی ہے بے حد
س : 'س' اُن ﷺ کو کہے سادات کا جد
ش: 'ش' اُن ﷺ کو کہے شافعؐ ، شہِ دیںؐ
ص: 'ص' اُن ﷺ کو کہے صادق اور امیں ﷺ
اِک نام ہے اُن ﷺ کا شاہد بھی
وہ ﷺ اپنے خدا کے حامد ﷺ بھی
ض : 'ض' اُن ﷺ کی رسالت کی ہے ضیا
ط : طٰہٰ ﷺ ہیں وہی ، اُن ﷺ کا طیبہ
ظ : آخر میں ظہور اُن ﷺ کا سب سے
ع : عالی ہیں بہت آقا ﷺ میرے
غ : غم خوار سدا ہیں اُمت کے
ف : فاتح وہ ﷺ گئے ہیں مکہ سے
رب نے ہے "فَتَرضیٰ" فرمایا
ہے اُن ﷺ کی رضا میں راضی خدا
ق : قرآن وہ ﷺ لائے با حکمت
قاسم ہیں ہدایت کے حضرت ﷺ
قاسمؓ تھے بڑے بیٹے اُن ﷺ کے
شہ ﷺ کو یوں ابوالقاسم ﷺ کہتے
ک : 'ک' اُن ﷺ کی کریمی کا مظہر
گ: گنبد ہے مدینے میں اخضر

ل : 'لولاک' بھی شاں میں ہے اُنؐ کی
م : ماحی ﷺ سے مٹی ہر تاریکی
ن : نور اُن ﷺ کا، بنا سب سے پہلے
و : واضح ہیں ہدایت کے رستے
ہ : ہادی ﷺ ہیں وہی، اور وہ ہیں ولی
ی : یاور ہیں ہمارے پیارے نبی ﷺ
'ی' سے ہیں یتیم و اُمّی شاہ ﷺ
وہ ﷺ دُرِّ یتیم عبد اللہ

(۲)

قطعات

قرآں میں ہے فصلِ فتحِ مبیں
تم آخری آیت اس کی پڑھو
ہر حرف ملے گا اس میں تمھیں
قرآن سے روشن قلب کرو

☆☆☆

کہہ دیا "اِنّا فتحنا" رب نے آقا ﷺ سے مِرے
سر پہ اُن ﷺ کے سج گیا یوں افسرِ فتحِ مبیں
وہ ﷺ سراجِ نور ہیں، پڑھ سورۂ احزاب میں
پھولؔ ! ساری خلق میں اُن ﷺ کا کوئی ثانی نہیں

(۳)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ا۔ سب کے لئے وہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحمت ، قرآن کہہ رہا ہے ۲۔

ختم اُن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہ ہے نبوت، قرآن کہہ رہا ہے ۳۔

اُمت پہ اُن ؐ کی رافت، اُمت پہ اُنؐ کی رحمت

بے مثل اُنؐ کی شفقت ، قرآن کہہ رہا ہے ۴۔

اُسوہ رسولِ حق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے بہتریں نمونہ

اعلیٰ ہے اُن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت، قرآن کہہ رہا ہے

اُن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے ذکر ہر سُو، رب نے کہا 'رَفعنا' ۵۔

اُن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ملی ہے رفعت، قرآن کہہ رہا ہے ۶۔

خُلقِ عظیم اُن صلی اللہ علیہ وسلم کا، رب نے اُنھیںؐ سنوارا

اخلاق میں دی عظمت ، قرآن کہہ رہا ہے

۷۔ روشن چراغ ہیں وہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یعنی سراجِ نوری

وہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مشعلِ ہدایت ، قرآن کہہ رہا ہے

بھٹکے ہوئے تھے بندے، معبود سے ملایا

۸۔ لائے کتاب و حکمت ، قرآن کہہ رہا ہے

۹۔ اُن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے ہے کوثر، دشمن ہے اُنؐ کا ابتر

۱۰۔ احسان اُن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت ، قرآن کہہ رہا ہے

سردار ہیں وہ سب کے، ازواجِ ؓ پاک اُنؐ کی

۱۱۔ ہیں مادرانِ اُمت ، قرآن کہہ رہا ہے

۱۲۔ بدخواہوں سے بچا کر، حق نے اُنھیں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عطا کی

اے پھولؔ ! فتح و نُصرت، قرآن کہہ رہا ہے ۱۳۔

ا۔ سورۃ الانبیاء، آیت نمبر ۱۰۷۔ ۲۔ سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۴۰۔ ۳۔ سورہ ءتوبہ، آیت نمبر ۱۲۸۔ ۴۔ سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۲۱۔ ۵۔ سورہ ء الم نشرح، آیت نمبر ۴۔ ۶۔ سورۃ القلم، آیت نمبر ۴۔ ۷۔ سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۴۶۔ ۸۔ سورہ ءآل عمران، آیت نمبر ۱۶۴۔ ۹۔ سورۃ الکوثر۔ ۱۰۔ سورہ ءآل عمران، آیت نمبر ۱۶۴۔ ۱۱۔ سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۶۔ ۱۲۔ سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۶۷۔ ۱۳۔ سورۃ الفتح کی ابتدائی آیات اور سورۃ النصر

(۴)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

آمدِ شاہ ﷺ سے مخلوقِ خدا کیف میں ہے
نکہتِ خلد سے بطحا کی ہوا کیف میں ہے

مسجدِ طیبہ میں دربار میں اُن ﷺ کے ہے سروش
سُن کے وہ زمزمہ ء صلِ علیٰ کیف میں ہے

آج آنکھوں سے ہے اشکوں کا سمندر جاری
اُن ﷺ کے در پر ہے کھڑا، اُن ﷺ کا گدا کیف میں ہے

آپ ﷺ کی شانِ 'رَفَعنا' کا ہُوا ہے اظہار
قُربِ محبوبِ خدا ﷺ، عرشِ علیٰ کیف میں ہے

امتیاز اس کو ملا آج سبھی غاروں میں
'چھُو کے نعلینِ کرم غارِ حرا کیف میں ہے'

تم کو بتلائیں گی ارواحِ سُمیّہؓ و خُبیبؓ
جو ہُوا اُن ﷺ کی محبت میں فدا کیف میں ہے

پھول! خوشبو کی طرح ساتھ اسی کے ہو جا
رُخ ہے طیبہ کی طرف، بادِ صبا کیف میں ہے

سرفراز بزمی

سوائی مادھو پور، راجستھان، انڈیا

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱)

[روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کے وقت]

زمانے کی بدلی ہوا کملی والے
محمدؐ حبیبِ خدا کملی والے
محمدؐ شفیع الورا کملی والے
نبی مصطفیٰ مرتضی کملی والے
زمانے کی بدلی ہوا کملی والے

وہ فرش زمرد پہ خونِ مسلماں
وہ بہنوں کی عفت ، وہ ماؤں کا ایماں
یہ افرادِ امت ، یہ گریاں ، یہ لرزاں
کہ مشرق سے مغرب ہیں شعلہ بداماں
مراکش نہیں ہے ، بخارا نہیں ہے
کہ دنیا میں کوئی ہمارا نہیں ہے
دعا ہو حبیبِ خدا کملی والے
زمانے کی بدلی ہوا کملی والے

وہ کعبے پہ پھر ابرہہ آرہا ہے
ہواؤں کی طاقت پہ اِترا رہا ہے

مسلمان جس سے ڈرا جارہا ہے
ابابیل کی ہو دعا ، کملی والے
زمانے کی بدلی ہوا کملی والے

ہمالے کی آنکھوں کے کاجل سے پوچھو
وہ کشمیر کے آج سے، کل سے پوچھو
کبھی بل سے پوچھو ، کبھی ڈل سے پوچھو
وہ دوشیزہ بہنوں کے آنچل سے پوچھو
زمیں بن گئی کربلا کملی والے
زمانے کی بدلی ہوا کملی والے

نہ ہندوستاں ہیں ، نہ ایران ہیں ہم
لٹے تاج اور تخت ویران ہیں ہم
نہ ہو جن کا کوئی وہ انسان ہیں ہم
کہ اجڑا ہوا سا گلستان ہیں ہم
وہ غیروں کی سازش وہ اپنی ندانی
لہو رورہا ہے وہ دجلہ کا پانی
نہیں ہے کوئی آسرا کملی والے
زمانے کی بدلی ہوا کملی والے

غلاموں کے مولی یتیموں کے والی
ہے فخر امم آج در در سوالی
نگاہوں سے ہے دور دربار عالی
جہاں پوچھتا ہے بالفاظ حالی
کہ کل کون تھے آج کیا ہوگئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سوگئے تم

جہاں کیا سے کیا ہوگیا کملی والے
زمانے کی بدلی ہوا کملی والے

خطا کار کہدو گنہگار کہدو
کہ حب جہاں کا گرفتار کہدو
جو چاہو سزا کا سزا وار کہدو
مگر آپ اپنا بس اک بار کہدو
ہے بزمی کی یہ التجا کملی والے
زمانے کی بدلی ہوا کملی والے

(۲)

جہاں میں دین حق کا بول بالا کردیا تم نے
"مرے آقا ! اندھیرے میں اجالا کردیا تم نے"
جبین آدمیت پر حرا کا نور جب چمکا
عرب کے چاند ! دنیا بھر پہ ہالہ کردیا تم نے
کوئی بس طور تک ، تم شمع بزم لامکانی تک
وقار آدمیت کتنا بالا کر دیا تم نے
کوئی حبشی کوئی رومی کوئی اسفل کوئی افضل
غلامی ختم کی ادنیٰ کو اعلیٰ کردیا تم نے
بجھے شعلے شقاوت کے، پڑی جب پیار کی شبنم
عمر کی آتش نفرت کو پالا کردیا تم نے
عرب یعنی گڈریے دشت کے ، صحرا کے رکھوالے
شتر بانوں کو بھی تہذیب والا کردیا تم نے

مٹایا قیصر و کسریٰ کا استبداد دنیا سے
شکوہ کفر کو مکڑی کا جالا کردیا تم نے
تمہاری ذات سے ممکن ہوئی قسمت کی تابانی
مقدر اپنے بزمی کا نرالا کردیا تم نے

(۳)

رعشہ جہان کفر میں ، کانپی فضائے خیبری
اے کہ تیرے وجود سے لات و ہبل میں تھرتھری
ثور و حرا ترا مقام ، جن و بشر ترے غلام
کاسہ بکف ترے حضور ، سارا جہان قیصری
تو نے عجب عطا کیا فقر و غنا کا فلسفہ
دل کا فقیر تو فقیر ، دل کی غنا تونگری
جنبش لب کی بات کیا ، رب کا کہا ترا کہا
اے کہ اشارہ بھی ترا ، شق قمر کا مظہری
تیرے قدم سے زلزلے قصر توہمات میں
ضرب احد سے چور چور سارے بتان آذری
پل میں حرم سے قدس تک پل میں زمیں سے تا فلک
تیرے براق پر کہاں برق تپاں کو برتری
رونق بزم کن فکاں ، نازش حسن عرشیاں
تیرے غلام کے غلام ، سارے جنید و سنجری
طائر دل اسیر شب ، ساز حیات جاں بلب
سدرہ نشین تا کجا ؟ دربدری گداگری
داروئے دردِ دل شہا ! نغمۂ جاں فزا ترا
تیرا جمال دلربا کون و مکاں کی دلبری

خنجر طائف و احد روک سکے نہ تیری راہ
توڑ سکا نہ جبر ثور تیرا حصار بندگی
شاہ بھی شہسوار بھی ، زاہد و شب گزار بھی
مظہر شرح "الکتاب" ، تیری تمام زندگی
اے کہ دیار نور تو اور میں تیرگی تمام
تیرے طفیل مرتعش قلب و نظر میں روشنی
ناقۂ بے زمام کو سوئے قطار کھینچ لوں
میرے سخن کا مدعا ، میرا مدار شاعری
بزمیؔ کوچہ گرد پر ہو نہ حضور اگر نظر
کیسا غزل کا قافیہ ، کیسی سخن شناوری

(۴)

جس کو لطف نگہ سید ابرار ملے
خلد کیا چیز اسے داور مختار ملے
دھول ہونا ترے قدموں کی،ہواجن کو نصیب
وہ زمانے کی امامت کے سزاوار ملے
لامکاں تک شہ والا ! ترے قدموں کی دھمک
" قاب قوسین" ترے اوج کا معیار ملے
میں بھی ہوجاوں مدینے کا مسافر اے کاش!
کاش ! مجھ کو بھی شہ دیں ترا دربار ملے
میں کہاں ، کوثر و تسنیم کہاں ، آپ کہاں
دن سنور جائیں اگر آپ کا دیدار ملے
تیری ناموس پہ قربان اگر آنچ آئے
سر اتر جائے مرا خاک پہ دستار ملے
تیرا بزمی بھی رہے تیرے غلاموں کا غلام
حشر میں تیری شفاعت کا سزاوار ملے

(۵)

وصال صبر طلب ، ہجر بیقرار حضور
گراں بہت ہے مگر کرب انتظار حضور

حضور ! اب تو مجھے اذن باریابی ہو
دعا میں سوکھ گئی چشم اشکبار حضور

زمیں پہ بیت مقدس میں انبیاء کے امام
فلک پہ تاج شفاعت کے تاجدار حضور

وجود آپ کا ہر دور کے لئے رحمت
" پیام آپ کا پیغام نو بہار حضور"

فضائے وادی طائف سے آرہی ہے صدا
جہاں میں اور کہاں ایسا بردبار حضور

کوئی نظام کہاں آپ کے نظام کے بعد
جہاں نے دیکھ لیا سب کو بار بار حضور

میں عاصیوں میں کھڑا تک رہاہوں چشم نیاز
کہ ہو نہ جاوں کہیں اب بھی درکنار حضور

جو خاکدان میں پھیکی گییٔں ہیں نو مولود
دہائی آپ کی دیتی ہیں بار بار حضور

دیار نیل سے کعبے کے آستانے تک
سجی ہوئیں ہیں ہمارے سروں کو دار حضور

حرم کا پیر بجھاتا ہے خود حرم کے چراغ
ہوئی ہے چادر ناموس تار تار حضور

جنوں کی بزم سے بزمی کو واسطہ ہی نہیں
اسی لئے تو بھٹکتا پھرے ہے خوار حضور

مقصود علی شاہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱)

جب شعر ہُوا اسمِ محمدؐ سے مرصّع
قرطاس ہُوا طلعتِ بے حد سے مرصّع

کونین کو ہے بخششِ نعلین کی حاجت
دارین ہیں نعلین بہ کف ید سے مُرصّع

ممکن ہُوا تب اشرفِ تخلیق کا منصب
منصب ہُوا جب تیرے اب و جد سے مرصّع

ہر ایک تمدّن تری سیرت سے منوّر
تہذیب ترے سرو سہی قد سے مرصّع

جھومے گی مری قبر تو مہکے گی مری خاک
ہو جائیں گے جب آپؐ کی آمد سے مرصّع

آنکھیں ہیں طلب خیز سرِ خوابِ تمنّا
دل ہے ترے دیدار کی مسند سے مرصّع

مسجد ہے ترے گنبدِ اخضر سے منقّش
روضہ ہے ترے حُجرۂ مرقد سے مرصّع

میثاق تھا نصرت کے تعامل کا وظیفہ
وہ بزم تھی اس ایک ہی مقصد سے مرصّع

معراج سے اِک یہ بھی تھا مقصود خدا کا
ہو عرش بھی دیدِ رخِ احمدؐ سے مرصّع

(۲)

اے جانِ نِعَم، خیرِ اُتم ، سیّدِ عالَم !
بے مثل ہیں سب تیری شِیَم ، سیّدِ عالَم !

مَیں خام ہُوں ، خاسِر ہُوں ، خرابی کا مرقّع
تُو ماحیٔ احساسِ الم ، سیّدِ عالَم !

دے حرفِ نہاں ظرف کو اظہار کی ہمّت
حاضر ہیں مرے لوح و قلم ، سیّدِ عالَم !

ہے صبح ترے عارضِ تاباں کی تجلّی
ہے شام تری زلف کا خَم ، سیّدِ عالَم !

جس خاک سے ہے صدیوں کی نسبت کا تعلّق
کر لیں مجھے اُس خاک میں ضَم ، سیّدِ عالَم !

شاید کہ چمک اُٹھّے کوئی نجمِ تمنّا
ہُوں اس لیے با دیدۂ نَم ، سیّدِ عالَم !

زیبا ہے تجھے باہر و باطن کی کفایت
مانگا ہے نہ کچھ بیش نہ کم ، سیّدِ عالَم !

کھُل جاتا سرِ حشر مرا دفترِ عصیاں
رکھّا ہے مگر تُو نے بھرم ، سیّدِ عالَم !

کیوں آئیں نہ تحسین کو مہر و مہ و اختر
ہُوں واصفِ نعلینِ کرم ، سیّدِ عالَم !

جب تیری ہی مرضی پہ ہے تنسیخِ معاصی
مقصود کو پھر خوف نہ غم ، سیّدِ عالَم !

(۳)

رحمت کے موسموں کے پیمبر حضور ہیں
بخشش ، عطا ، کرم کے سمندر حضور ہیں

دُنیائے ہست و بُود تھی امکانِ ہست و نُود
ایقان بار نُور کے پیکر حضور ہیں

حرفوں نے جذب و شوق سے کی لاکھ جستجو
لیکن فصیلِ لفظ سے اوپر حضور ہیں

آتے رہے چراغ بہ کفِ منزل آشنا
سب رہبروں کے آخری رہبر حضور ہیں

دل کو نہیں ہے محضرِ خامی سے بے کلی
دل کو خبر ہے شافعِ محشر حضور ہیں

آنکھوں کو دیدِ غیر کی حاجت نہیں رہی
منظر حضور ہیں ، پسِ منظر حضور ہیں

جذبِ دروں کی دُھن پہ سوئے حشر ہیں رواں
ہم بیکسوں کے حامی و یاور حضور ہیں

شکرِ خُدا کہ نُطق کا رہبر ہے اُن کا اسم
حمدِ خُدا کہ حرف کا محور حضور ہیں

ماں باپ اور بچوں کی نسبت تو در کنار
مقصود ہم کو جان سے بڑھ کر حضور ہیں

(۴)

نظر کا دھوکہ ہے نام و نمود لا موجود
بغیر آپ کے بزمِ شہود لا موجود

حضور ! آپ سے قائم ہے ہستیٔ معلوم
حضور ! خود سے تو کوئی وجود لا موجود

یہ سر پہ سائباں صورت جو ہے نمود افروز
شبِ لقا میں تھا چرخِ کبود لا موجود

کہاں سے لاؤں تناسب میں کوئی حرفِ ثنا
ترے جمال کی حد و حدود لا موجود

فقط عقیدہ نہیں ہے ، خُدائی ضابطہ
ہے کوئی نماز بغیرِ درود لا موجود

اسی لیے تو ہیں سب آپ ہی سے خیر طلب
کہ آپ جیسا عطا بارِ جُود ، لا موجود

''دنیٰ'' کے قُرب سے کھینچا گیا خطِ تنسیخ
کہ اِس سے آگے کوئی بھی صعود لا موجود

اُنہیں خُدا نہیں کہنا ، نہیں کہا بخدا
سوائے اس کے تمامی قیود لا موجود

حصارِ نعت کے پہرے میں ہے مجالِ سخن
کسی غزل کا یہاں پر ورود لا موجود

وجود باقی ہمارا ہے '' اَنتَ فِیھم '' سے
جہاں میں ہو گئے عاد و ثمود لا موجود

حضور ! آپؐ ہیں مقصودِ خِلقتِ ہستی
بجز تھی آپؐ کے کُن کی کشود لا موجود

***

علیم صبا نویدی
چینئی، تامل ناڈو

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نبی کے شہر میں پہنچی ہے جستجو کی نظر
پریشاں حال وہ خاموش آرزو کی نظر

قدم قدم پہ جلاتے ہوئے شکستہ پاؤں
درِ نصیب سے ٹکراتی آرزو کی نظر

ہر ایک سمت وہ گرتی سنبھلتی اٹھتی ہوئی
بدن میں دوڑتی پھرتی ہوئی لہو کی نظر

صبا نویدی تعجب ہے کیسے جیتا ہے
چھپائے سینۂ ارماں کے رنگ بو کی نظر

****

محمدؐ نہ ہوتے تو ہوتے نہ ہم ::: نہ اظہار ہوتا نہ نقشِ قلم

****

سانیٹ

جذبۂ عشقِ محمدؐ کا سفر ہے نوری ::: راہ بر، محسنِ اعظم کے معطر جلوے
مہرباں ذاتِ مقدس کے منور جلوے ::: منزلیں جلوہ فشاں راہ گذر ہے نوری
خندہ لب پھول ہیں نورانی ہے دامانِ سحر ::: سبز موسم پہ ہیں آیاتِ مبارک تحریر
گلشنِ صبح ہے فردوسِ بریں کی تصویر ::: عرش سے فرش تک رحمتِ عالمؐ کا سفر

****

حافظ محبوب احمد

سرگودھا

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ذکر جب تک نہ ہو میرے سرکار کا، بات بنتی نہیں، دل سنبھلتا نہیں
مژدہ جب تک نہ دوا نکے دیدار کا، بات بنتی نہیں، دل سنبھلتا نہیں
وہ ہیں پھولوں سے بڑھ کر معطر کہیں ،انکی خوشبو بڑی دلربا، دلنشیں
ذکر جب تک نہ ہوانکی مہکار کا، بات بنتی نہیں، دل سنبھلتا نہیں
ان سے کتنی محبت ہے دل میں نہاں، کاش کے روبرو بھی ہوان سے بیاں
اذن جب تک نہ ہولب کو اظہار کا، بات بنتی نہیں، دل سنبھلتا نہیں
انکے دم سے ضیا انکے دم سے سَحر، انکے دم سے منور ہے قرصِ قمر
ذکر جب تک نہ ہوانکے انوار کا، بات بنتی نہیں، دل سنبھلتا نہیں
ان کاہراک عمل عین شرعِ مبیں، بہرِ طاعت کوئی اسوۂ دلنشیں
ذکر جب تک نہ ہوانکے اطوار کا بات بنتی نہیں، دل سنبھلتا نہیں
جن کا موضوع ہو مدحتِ مصطفیٰؐ، جن کو سن کر ہو عشقِ پیمبر سَوا
ذکر جب تک نہ ہوایسے اشعار کا، بات بنتی نہیں، دل سنبھلتا نہیں
جن کے عرشِ معلّیٰ پہ بھی تذکرے، جنکی خاطر یہ ارض وسما ہیں بنے
ذکر جب تک نہ ہوشاہِ ابرار کا، بات بنتی نہیں، دل سنبھلتا نہیں
بادشاہوں کے بھی تذکرے ہوگئے، اہلِ محفل سبھی تھک کے ہیں سو گئے
ذکر جب تک نہ ہوشاہِ مختار کا، بات بنتی نہیں، دل سنبھلتا نہیں
حسنِ یوسف بھی محبوب! جس پر فدا، مثل جس کا خدانے نہ پیدا کیا
ذکر جب تک نہ ہوایسے شہکار کا، بات بنتی نہیں دل سنبھلتا نہیں

***

نادراسلوبی

مہاراشٹر

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱)

جائیں تو کہاں جائیں غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
اللہ دکھا تُو رہِ ایوانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
آجائیں گے سب اُمتی دامانِ نبیؐ میں
کتنا ہے بڑا دیکھیے دامانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
حاجی کو درِ کعبہ دکھایا ہے بُلا کر
کتنا ہے بڑا دیکھ یہ احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
پڑھنا ہے تو پڑھ لے تو جہاں بھر کی کتابیں
آئے گا فقط کام تو فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
عشاقِ نبیؐ میں سے سنائی سبھی نے نعت
محفل میں چلی بات بہ عنوانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
چل کر درِ قاسم پہ گھر مانگ لے ناؔدر
رحمت کے گھر سے ہے پٹی کانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۲)

عشق میں مٹ جائے گر دل عشق لاحاصل نہیں
اور ہوں جس میں نبیؐ وہ ہے مدینہ ، دل نہیں

خاکِ نعلینِ نبیؐ جس راہ میں شامل نہیں
وہ مرا جادہ نہیں ہےوہ مری منزل نہیں

پیروی روحِ محبت ہے محبت کے بغیر
دین بھی کامل نہیں ایمان بھی کامل نہیں

صدق دل سے جائزہ لیجے اگر اسلام کا
دین کا عرفان مشکل ہے عمل مشکل نہیں

آپؐ کے درسِ عمل نے دہر کو سمجھادیا
زندگی مومن کی طوفاں ہے کوئی ساحل نہیں

چند روزہ زندگی ہے کرلو حاصل کچھ ثواب
معصیت سے بڑھ کراپنا اب کوئی قاتل نہیں

سوزشِ حُبِّ نبیؐ دل میں نہیں ناؔدر اگر
وہ زمانے میں کسی کے پیار کے قابل نہیں

(۳)

جہاں پہ بندے خُدا کی کتاب رکھتے ہیں
وہیں رسول بھی اک لاجواب رکھتے ہیں

رسولِ حق کے سبب مل گیا ہے ہم کو سب
حساب کیا رکھیں جب بے حساب رکھتے ہیں

سوال کرنے جو آجائیں غیر تو کیا ڈر
ہم اپنے پاس مدلل جواب رکھتے ہیں

یہ اپنے وقت کے حسّانؓ ہیں خیال رہے
یہ نعت گو ہیں قلم کامیاب رکھتے ہیں

عمل کو پرکھا ہے قرآں کی روشنی میں سدا
ہدایتوں کا ہم اک آفتاب رکھتے ہیں

یہ نیک لوگوں کا شیوہ رہا ہے اے ناؔدر
کہیں بھی جائیں خیالِ حجاب رکھتے ہیں

(۴)

فضلِ خدا ہو مجھ پہ مدینہ دکھائی دے
ہوں بحرِ غم میں مجھ کو سفینہ دکھائی دے
دل ، دل نظر نہ آئے نگینہ دکھائی دے
یارب ٗنگینہ دل ٗ میں مدینہ دکھائی دے
ممکن نہیں کہ لوٹ کے آجائے خالی ہاتھ
رحمت کا جب کسی کو خزینہ دکھائی دے
دَم ہم کبھی نہ توڑیں مسائل کی بھیڑ میں
سنسار میں جو اُنؐ کا قرینہ دکھائی دے
کچھ سوجھتا نہیں ہے مدینے کی یاد میں
وہ دن خدا دکھائے مدینہ دکھائی دے
بحرِ غمِ گنہ میں نبیؐ کا ہے یوں خیال
جیسے کہ ڈوبتے کو سفینہ دکھائی دے
ناؔدر ! ہیں جب حضور شفاعت کے واسطے
پھر عاصیوں کو کیوں نہ مدینہ دکھائی دے

(۵)

سرکارؐ کی صورت کیا کہیے سرکارؐ کی سیرت کیا کہیئے
سرکارؐ تو محبوبِ رب ہیں سرکارؐ کی نسبت کیا کہیئے

اک عرش پہ جنت کیا کہیے اک فرش پہ جنت کیا کہیے
سرکارؐ کا مسکن طیبہ ہے طیبہ سے عقیدت کیا کہیے
ہر طرزِ محمدؐ لائق ہے ہر فکرِ محمدؐ فائق ہے
ہر قولِ محمدؐ صادق ہے اب انکیؐ فراست کیا کہیے
یہ دینِ محمدؐ ہے ایسا کم وقت میں جگ میں جو پھیلا
سیاس جہاں خود حیراں ہیں آقاؐ کی سیاست کیا کہیے
ہر روز ہی فکرِ اُمّت ہے ہر روز نزولِ رحمت ہے
ہر روز قیامت ہے برپا ہر روز شفاعت کیا کہیے
روزانہ امامت کرتے تھے سرکارؐ مدینے میں لیکن
جس دن وہؐ گئے ہیں اقصیٰ کو اُس دن کی امامت کیا کہیے
نادرؔ نے یہی بس جانا ہے نادرؔ نے یہی بس سمجھا ہے
ہیں بعد رب بس آپؐ بڑے اب آپؐ کی عظمت کیا کہیے

(۶)

چل مدینے کو مدینے کا سفر ہوجائے
اپنے بیمار کی آقا کو خبر ہو جائے
مشکلیں لاکھ ہوں آسان سفر ہو جائے
راہ میں ہو کوئی دیوار تو در ہو جائے
یاخدا غیب سے سامانِ سفر ہو جائے
شام مکّے میں مدینے میں سحر ہو جائے
دل لہو روئے کہ اب ٹکڑے جگر ہو جائے
یادِ آقا میں مری عمر بسر ہو جائے
ذکرِ احمد ہی مرے لب پہ رہے شام و سحر
عشقِ احمد کا مرے دل پہ اثر ہو جائے

یہ بھی خدشہ ہے سلامی میں اگر ہو تاخیر
دل کی دنیا نہ کہیں زیرو زبر ہو جائے

آبِ زم زم کا ہے یہ جام کہ جامِ کوثر
بعد میں دیکھیں گے اک دور مگر ہو جائے

نادرؔ اک درد ہی کیا قلب ملے سوزِ جگر
سب ہی مل جائیں جو اک اُن کی نظر ہو جائے

(۷)

جہاں والو بہ ظاہر تو خطابت مصطفیٰؐ کی ہے
کلام اللہ کا ہے اور عنایت مصطفیٰؐ کی ہے

نبِیوں میں بھی سب سے بڑھ کے عظمت مصطفیٰؐ کی ہے
پیمبر سارے صَف میں ہیں امامت مصطفیٰؐ کی ہے

اُدھر دیکھو تو سرورؐ ہیں شبِ معراج سِدرۃ پر
اِدھر دیکھو تو بِستر میں حرارت مصطفیٰؐ کی ہے

زمیں تابع فلک تابع یہ مہر و ماہ ہیں تابع
خدا کے فضل سے سب پر حکومت مصطفیٰؐ کی ہے

یہاں مسلم یہودی اور نصارا سب برابر ہیں
یہاں انصاف ملتا ہے عدالت مصطفیٰؐ کی ہے

میرے سرکارؐ نے ذمّہ لیا ہے بخشوانے کا
بروزِ حشر نادرؔ سب کو حاجت مصطفیٰؐ کی ہے

فقط تم دوستوں کی بات کیا کرتے ہو اے نادرؔ
دلوں پر دشمنوں کے بھی حکومت مصطفیٰؐ کی ہے

***

اشفاق احمد غوری ،ملتان

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خواب ، خواہش ، طلب ، جستجو نعت ہے
فکر و فن ، زندگی ، شوق، خو نعت ہے

دست بستہ مودب ہے میرا ہنر
طاقِ ادراک میں مشکبو نعت ہے

ہے یہی وجہ تسکینِ قلب و نظر
آشتی، روشنی، رنگ و بو نعت ہے

کوئی صنفِ سخن راس آئے ہی کیوں
ہر سخن گستری ، گفتگو نعت ہے

اوجِ حرفِ سخن ہے رہینِ ثنا
نطق اور صوت کی آبرو نعت ہے

آنکھ سے قلب تک خواہشِ دید ہے
آنکھ سے قلب تک کا وضو نعت ہے

دل کو سیراب کرتا ہے ذوقِ ثنا
دل میں بہتی ہوئی آبجو نعت ہے

جس گھڑی میرے لب پر مصارع نہ ہوں
وردِ صلِ علیٰ ہو بہو نعت ہے

دو کریموں کا مجھ پر یہ احسان ہے
میری ہر سانس کی آرزو نعت ہے

خاورِ نعت ہے ضو فشاں اوج پر
کو بہ کو روشنی سو بہ سو نعت ہے

اس کا لہجہ ہے شیرینیٔ انگبیں
وہ جو کہتا ہے اشفاقؔ تو نعت ہے

ڈاکٹر مقصود احمد عاجز
فیصل آباد

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱)

پیشِ نظر حضورؐ کی سیرت سدا رہے
اسلوبِ زندگی مرا اُن کی رضا رہے

عشقِ رسولِ پاکؐ ہی منزل نشان ہو
ہر ہر نفس پہ نغمۂ صلِ علیٰ رہے

جائے اگر مدینے میں مجھ سا اگر غلام
پلکوں سے خاکِ شہرِ نبیؐ چومتا رہے

سجدے ٹپک پڑیں گے جبینِ نیاز سے
دربان لاکھ مجھ کو وہاں روکتا رہے

مشتاقِ دید آپؐ کا کب تک یونہی بھلا
چھپ چھپ کے جالیوں کو کھڑا دیکھتا رہے!

اے دل دھڑکنے میں بھی یہاں احتیاط کر
دربارِ مصطفٰےؐ ہے یہ اتنا پتا رہے

مَیں انتظارِ دید میں سو جاؤں شوق سے
میرا ہر اک خواب مگر جاگتا رہے

سرکارؐ خود نوازیں گے محشر میں بالیقیں
دامن میں کاش نسبتِ آلِ عباؓ رہے

میرے غموں سے سب نے کنارہ کیا مگر
مجھ غمزدہ سے میرے نبیؐ آشنا رہے

مجھ کو عطا ہوں نعت کے عنواں نئے نئے
مجھ پر بھی مدحتوں کا نیا در کھُلا رہے
یوں طے ہو زندگی کا سفر اے مرے خُدا
یادِ نبیؐ ہو دل میں زباں پر ثنا رہے
عاجزؔ بھی ہو مدینے کا جاروب کش کبھی
اور نقشِ پائے سرورِ دیںؐ ڈھونڈتا رہے

(۲)

مغفرت زاد معطر ہے بہارِ طیبہ
خُلد آثار ہیں انوارِ دیارِ طیبہ
محورِ نظمِ جہاں گنبدِ خضرا اُس کا
کھنچتا سب کو چلا جائے مدارِ طیبہ
شاہِ طیبہؐ ہیں بنے عرشِ خُدا کی زینت
اُن کی نسبت سے فزوں تر ہے وقارِ طیبہ
مجھ میں یہ تاب کہاں خُلدِ مدینہ چھوڑوں
جانے دیتا ہی نہیں اب یہ حصارِ طیبہ
اے مرے ربِّ علیٰ عشقِ رسالتؐ کے طفیل
میری نسلیں بھی ہوں قربان و نثارِ طیبہ
کرتی ہو میری نظر گنبدِ خضریٰ کا طواف
میرا مسکن جو بنے قرب و جوارِ طیبہ
مجھ سے عاصی ہیں چلے شہرِ کرم کی جانب
عفو کرنا ہے ہمیشہ سے شعارِ طیبہ
مَیں خُوشا بخت کروں رشک سخن پر اپنے
لوگ کہتے ہیں مجھے وصف نگارِ طیبہ
رُوح نکلے تو ہو طیبہ کی فضائیں عاجزؔ
ڈھانپ دے پھر مری میّت کو غُبارِ طیبہ

ریاض احمد قادری

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱)

یہ سب ہستی کا ساماں آپ سے ہے
ہر اک دفتر کا عنواں آپ سے ہے
نجوم و ماہ میں ہے آپ کا نور
رخ خورشید تاباں آپ سے ہے
ملا ہے آپ ہی کا نور اس کو
زمانہ جلوہ ساماں آپ سے ہے
پسینہ آپ کا مہکا ہے ان میں
معطر ہر گلستاں آپ سے ہے
جو آپ آئے مٹی ہر ایک ظلمت
زمانے میں چراغاں آپ سے ہے
مٹی مایوسیاں ہر اک بشر کی
دلِ محزون خنداں آپ سے ہے
ریاض احمد فدا ہے آپ ہی پر
یہی اِک عہد وپیماں آپ سے ہے

(۲)

ہمارے حشر میں سرکار کام آئیں گے
ہر اک جگہ پہ وہ ہر بار کام آئیں گے
کسی چمن کے بھی وہ پھول کام آ نہ سکے
نبی کے دشت کے جو خار کام آئیں گے

شفاعت ان کی ہی ہر اک جگہ سہارا ہے
وہی تو مونس و غمخوار کام آئیں گے
حضور عاصی و خاطی کا آسرا ہیں وہاں
جہاں نہ دوست مددگار کام آئیں گے
درود صلِّ علیٰ اس جگہ پہ کام آئے
جہاں نہ مال نہ گھربار کام آئیں گے
مجھے یقین ہے محشر میں بہر بخشش بھی
ریاض نعتیہ اشعار کام آئیں گے

(۳)

ثنا سے پہلے ہمیشہ دل کا وضو کریں گے
بڑی محبت سے آقا کی گفتگو کریں گے
کریں تہجد کی ساعتوں میں جو قصد مدحت
ثنا کے جذبوں کی اس طرح جستجو کریں گے
کریں گے کستوری اور عنبر سے دل معطر
گلاب و عنبر سے محفلیں مشکبو کریں گے
ہے روشنی سب نجوم اور مہرومہ میں ان کی
ضیائیں لے کر انہی سے رخ ماہ رو کریں گے
نبی کی حرمت کا اٹھا جب بھی سوال کوئی
نثار کرکے ہی جان کو سرخرو کریں گے
ملے حضوری کی کیفیت پھر ہر اک ثنا میں اگر
تخیل کو جالی کے روبرو کریں گے
رکھیں گے وہ لاج عاصیوں کی بروز محشر
وہی تو محفوظ عزت اور آبرو کریں گے
ملے گی ان کو ریاض ان جیسی ہر بشارت
صحابہ جیسی ہر ایک اپنی جو خو کریں گے

پروفیسر محمد طاہر صدیقی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صد مرحبا ثنا گر خیر الانام پر
حق دار جام کوثر خیر الانام پر

اترا ہے جس کی گود میں روز ازل کا نور
لاکھوں درود مادر خیر الانام پر

تاروں کی مثل جملہ صحابہ ہیں آپ کے
صد آفرین محور خیر الانام پر

حسان جیسا اوج ہنر کس کو ہو نصیب
آتا ہے رشک شاعر خیر الانام پر

وہ باب شہر علم ہیں اللہ کے ہیں شیر
طاہر فدا میں حیدر خیر الانام پر

***

رُخسانہ جبیں
سرینگر

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اللہ اللہ رے شانِ آنحضرتؐ
گھر سے مسجد کا راستہ جنت

نعت گوئی خدا کو ہے مرغوب
مانگتی ہوں بیان میں وسعت

میں ہوں مداح جامیؒ و حسانؓ
ہو عطا مجھ کوان کی سی مدحت

جن وانس وملک خداخود بھی
مدح خواں آپؐ کے ہیں یاحضرتؐ

نعت کہنا بڑی سعادت ہے
یہ سعادت ہے اب مری عادت

صلواۃ و درود کا تحفہ
بےنواؤں کی ہے یہی دولت

***

شفیقؔ رائے پوری
جگدلپور بستر چھتیس گڑھ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نسبت کا یہ کمال ہے خیر البشر کے ساتھ
ذرے نظر ملاتے ہیں شمس و قمر کے ساتھ

مفلس ہوں منتظر بھی ہوں آقائے نامدار
زادِ سفر بھی چاہیے اذنِ سفر کے ساتھ

طوفانِ کفر بھی نہ بجھا پائے گا اسے
نسبت ہے جس دیے کو شہِ بحر و بر کے ساتھ

ہیں پوری زندگانی کے حاصل وہ آٹھ دن
گزرے ہیں جو مدینے کے دیوار و در کے ساتھ

محشر میں بھی حضور کے ہم گیت گائیں گے
دنیا میں جی رہے ہیں اسی اِک ہنر کے ساتھ

منہ تاکتا ہی رہ گیا گستاخِ مصطفٰے
جنت میں اہلِ عشق گئے کروفر کے ساتھ

جنت میں کیوں نہ جائے گا یہ احقر العباد
نسبت ہے جو شفیقؔ کو خیر البشر کے ساتھ

معظم علی سدا مدنی

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نازل حضور پاک پہ رب کی کتاب ہے
منسوب ان سے خیر کا ہر ایک باب ہے

بخشا ہے وہ مقام خدائے کریم نے
وردِ نبی زباں پہ ہو کارِ ثواب ہے

روشن رہے گا حشر تلک آن بان سے
کردار بھی حضور کا وہ آفتاب ہے

سرکار آپ یوں ہیں صحابہ کے درمیاں
گو درمیاں نجوم کے اک ماہتاب ہے

محسن ہیں وہ عظیم ، مسیحائے دہر بھی
ذات ان کی رحمتوں کا برستا سحاب ہے

سرکار سا فصیح نہیں کوئی دہر میں
بے مثل آنجناب کا ہراک خطاب ہے

اکسیر خاک پائے نبی ہے جہان میں
تریاق مصطفیٰ کے دہن کا لعاب ہے

انور طفیل جس کے معطر ہے یہ جہاں
کردارِ مصطفیٰ وہ مہکتا گلاب ہے

ریاض انور بلڈانوی

مہاراشٹر

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

محمدؐ کو خدا کے بعد سب سے مہرباں دیکھا
خلوص و انس کا ایثار کا دریا رواں دیکھا

سفیرِ امن بھی ، انسانیت کے آپ محسن بھی
جہاں میں آپؐ سا رہبر نہ میرِ کارواں دیکھا

نہ ہمسر آپکا کوئی ، نہ ثانی ہے زمانے میں
جہاں میں ہم نے نامِ مصطفیٰ کو جاوداں دیکھا

جمالِ سرورِ کونین لاثانی زمانے میں
رخِ پر نور کو مہ سے زیادہ ضَو فِشاں دیکھا

نظامِ حق کو یوں قائم کیا محبوبِ داور نے
زمیں پر دوستو دنیا نے جنت کا سماں دیکھا

نبی کی پیروی میں ہے نجاتِ اخروی مضمر
چلا جو راہ پر ان کی اسی کو کامراں دیکھا

برستی ہے جہاں ہر آن رحمت ہے نبی کا در
درِ اقدس سے انور ، نور کا دریا رواں دیکھا

***

ایس-حسن انظر
سرینگر، وادیٔ کشمیر

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مرے اللہ مجھ پر یہ کرم بھی کر لیا ہوتا
رسولِ محترمؐ کا دور جینے کو دیا ہوتا

کھلی آنکھوں سے پیہم انؐ کے جلوے دیکھتا میں بھی
بہ فرطِ شوق وہ پائے مبارک چومتا میں بھی

سراپا رشد و رحمت کی بہ موقعہ نعت پڑھتا میں
مذمت کرنے والوں سے بہ زورِ شعر لڑتا میں

میں ان کو اُمِ معبد کی طرح بس دیکھتا رہتا
فرشتہ ہیں کہ آدم زاد ، میں بھی سوچتا رہتا

بوقتِ سنگباری ساتھ ہوتا میں بھی در طائف
الگ یہ بات دل ہوتا مرا صد پارہ یا خائف

تعاقب جو سراقہ ابن مالک کی طرح کرتا
حقیقت جان کر قدموں میں سر رکھتا وہیں مرتا

احد میں جاں نثاری کا کڑا جب گام آجاتا
مرا بازو بھی طلحہ کی طرح ہی کام آجاتا

بلالؓ ایسا نصیب اپنا تو ہر گز ہو نہیں سکتا
نبیؐ کے عشق میں اس طرح کوئی کھو نہیں سکتا

انسؓ کے ساتھ ہی خدمت پہ گر مامور رہتا میں
اسی معصومیت سے حکم سن کر ناں بھی کہتا میں

جناب زیدؓ سے ادنیٰ کوئی خادم اگر ہوتا
خوشی سے حشر تک بس اک اسی دہلیز پر ہوتا

عنایت کم نہیں یہ بھی کہ اس امت میں شامل ہوں
ترے محبوبؐ کے طوق غلامی کا میں حامل ہوں

زمانی فاصلے کا بھی یقیناً کچھ اثر تو ہے
رسول پاکؐ کی رحمت بھی ملحوظِ نظر تو ہے

نبیؐ کو دیکھ کر مانا گیا تو کیا عجب ہے یہ
بنا دیکھے ادھر گرویدہ ہونا فضلِ رب ہے یہ

اُدھر نزدیک رہ کر بو لہب ناکام جتنا ہے
اویسی کی طرح انظرؔ اِدھر مسرور اتنا ہے

***

سید اسلم صدا آمری
چینائی

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نبیؐ کو پاس بلانے کی رات آئی ہے
فلک پہ عید منانے کی رات آئی ہے

نظام شمس و قمر آج کچھ معطل ہو
نبیؐ سے ملنے ملانے کی رات آئی ہے

بٹھا لوں تم کو نبیؐ آج اپنی پلکوں پر
تمہارے ناز اٹھانے کی رات آئی ہے

پڑی ہی رہتی ہے ہر دم انہیں جو امت کی
یہ حال رب سے سنانے کی رات آئی

کلیم طور پیو آج شربتِ دیدار
تمہاری پیاس بجھانے کی رات آئی ہے

نبیؐ کی ساعت اُدنیٰ میں سیر عرش تمام
خرد کے ہوش اڑانے کی رات آئی ہے

نگاہِ عشق میں پل پل ہے آپؐ کی معراج
یہ رات سب کو دکھانے کی رات آئی ہے

"محب" "حبیب" میں کچھ آج امتیاز نہیں
جو فرق تھا وہ مٹانے کی رات آئی ہے

احد کا راز جو پنہاں تھا "میمِ احمد" میں
نقاب "میم" اٹھانے کی رات آئی ہے

ہیں آج دونوں "صدا" ایک ساتھ جلوہ فگن
کہ حمد و نعت سنانے کی رات آئی ہے

محمد ابراہیم خان شوق آکوٹی

آکوٹ، مہاراشٹر

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سیرت کو جانیے تو رسالت مآب کی
"تفسیر ہیں سراپا وہ اُم الکتاب کی"

دنیا کے پیچھے بھاگنا یوں چھوڑ دیجیے
کیا جانتے نہیں ہو حقیقت سراب کی

تھی جس کے پاس جتنی اسے ضایع کر دیا
بہنے لگیں مدینے میں ندیاں شراب کی

قرآن اور حدیث کی کافی ہے رہبری
حاجت نہیں ہے اور کسی بھی کتاب کی

قاید و رہنما ہیں ہمارے رسول پاک
حاصل ہمیں ہے راہبری آنجناب کی

جینے کا جو نصاب دیا ہے حضور نے
کوئی نظیر، شوق، نہیں اس نصاب کی

مظہر علی خان

کھٹر فتح جنگ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

خدا کا شکر ہے طیبہ سے لو لگی ہوئی ہے
کہ یاد دل میں اسی شہر کی بسی ہوئی ہے

مہک رہی ہے جو طیبہ میں ہر طرف خوشبو
ہر ایک سانس میں میری وہی رچی ہوئی ہے

عطائیں جاری ہیں سرکار کی مجھ ایسوں پر
تبھی تو میری بھی جھولی، زہے! بھری ہوئی ہے

چلیں گے طیبہ بلاوا جو آ گیا ہمیں پھر
تبھی تو شاخِ تمنا مری ہری ہوئی ہے

مدینہ آ رہا ہے جب قریب پھر مظہر!
لبوں پر تیرے ثنائے نبی سجی ہوئی ہے

***

محمد اکبر عزیزی
infolmakbar@gmail.com مدینہ المنورہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

درِ نبیؐ پہ نظر آتا ہے جمالِ حیات
مرے لیے تو فقط ہے یہی کمالِ حیات

ثنا میں کٹتی رہے بس یونہی حیات مری
نہ آئے اس کے سوا کوئی بھی خیالِ حیات

ادب سے بیٹھ مدینے کی طرف دو زانو
نہیں ہوا ہو اگر حل کبھی سوالِ حیات

اسے بھی دیتے ہیں مانگے ہے جو مقامِ فقر
اسے بھی دیتے ہیں مانگے ہے جو منالِ حیات

سکونِ جان کا مصدر ہے وردِ نامِ نبی ﷺ
دوا رہے مرے دل کی یہ اندمالِ حیات

یقیں ہے مجھکو ترا نام کام آئے گا
خدا نے حشر میں جو کر لیا سوالِ حیات

عمل میں ذرّہ برابر بھی مشکلات نہ ہو
خدا نے سامنے رکھ دی تریؐ مثالِ حیات

لبِ حضورؐ سے فرمان یہ ہوا جاری
گزارو زندگی مثلِ کتاب و آلِ حیات

غدیرِ خم پہ اٹھا کر یہ ہاتھ فرمایا
علی سے جاری رہیں گی سبھی کِنالِ حیات

فراقِ جاناں میں قرنی سا آگ میں جل کر
لہو سے دیپ جلا دیکھ لے، بلالِ حیات

ادب صحابہ کا منہ بولتا نمونہ ہے
کتابِ عشق اٹھا سیکھ لے وصالِ حیات

حضور! آپؐ سے پہلے یہ کاروانِ حیات
قِتالِ انس کا مرکز رہی، جِدالِ حیات

ہزار کفر کے بادل بھی ارد گرد رہے
زمانے بھر میں چمکتا رہا ہلالِ حیات ﷺ

وہ جس نے جامِ محمدؐ کو پی لیا بڑھ کر
تمام عمر ہی کھلتا رہا نہالِ حیات

کرم حضورؐ ہو امت کی خستہ حالی پر
کہ پر فتن ہے جہاں کم ہے احتمالِ حیات

حضور! آپؐ جو قدموں میں تھوڑی جا دے دیں
شکارِ غفلتِ پردہ ہو! پھر مجالِ حیات؟

کلامِ پاک و احادیث کے سوا اکبر
بجھا سکی نہ کبھی پیاسِ خستہ حالِ حیات

***

حافظ محمد عبدالجلیل اٹک

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

جب بھی درِ رسول پر جا کر کھڑا ہوا
جاتے ہی مجھ کو مل گیا دامن بھرا ہوا

جس کے لبوں پہ ہر گھڑی جاری درود ہے
اُس شخص کا ہے شہد میں لہجہ گھُلا ہوا

الحمد ! کہ میں بھی کھڑا ہوں آج اُس جگہ
فرشتوں کا جس جگہ پہ ہے تانتا بندھا ہوا

گزر کر درِ علی سے جو پہنچا نبی کے در
دریچہ نبی کے علم کا اُس پر ہی وا ہوا

آ جائے نہ اجل کہیں واں حاضری سے قبل
بس ہر گھڑی ہے ایک ہی دھڑکا لگا ہوا

کامل یقیں ہے ایک دن بن جائے گا شجر
عشقِ نبی کا دل میں جو پودا لگا ہوا

ملتی نہیں جہان میں اُس کو کہیں پناہ
آپ کے در سے ہے جو آقا ! پھرا ہوا

رحمت کا بادل رات دن برسے ہے واں جلیل
جس گھر میں ہے درود کا حلقہ سجا ہوا

غلام مصطفیٰ ربانی (خاکی بدایونی)

ممبئی (انڈیا)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

منبع ء جود و سخا ایسا ہے مخزن ان کا
ہم سے منگتوں سے بھرا رہتا ہے آنگن ان کا

ہفت افلاک نے ایسا نہیں دیکھا کوئی
خلق جیسا کہ خدا نے کیا احسن ان کا

شاد دل ہو گئے آنکھوں کو طراوت پہنچی
دیکھا اصحاب نے جسدم رخ روشن ان کا

ان کے ناموس پہ جاں دینے کو تیار ہیں سب
ہندی ان کا ہے ہر اک حبشی و رومن ان کا

ان کی خاطر ہی تو سب رنگ ہیں اس دنیا کے
سردیاں، گرمیاں سب ان کی ہیں ساون ان کا

اس کی خوشبو سے مہکتے ہیں گلستاں سارے
مظہر خلد ہے اس دہر میں گلشن ان کا

جن کے ہاتھوں میں ہے دارین کی دولت یارو
ظاہراً ایک چٹائی ہے سنگھا سن ان کا

سجدۂ شکر کروں لاکھ تو وہ بھی کم ہیں
رب دکھائے مری آنکھوں کو جو مسکن ان کا

نعت کہنے کی تو اوقات نہیں ہے خاکی
مجھ سے عاصی کو چھپا لیتا ہے دامن ان کا

مطلوب الرسول قمر

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نعت لکھنے کا ارادہ تھا مرا آخر شب
ہاتھ میں خامہ فرشتوں نے دیا آخر شب

لے کے آئی ہوں ترے واسطے یثرب سے پیام
کان میں کہنے لگی باد صبا آخر شب

ریش تر ہوتی تھی اور سینہ ابلتی ہانڈی
روبرو آپ کے ہوتا تھا خدا آخر شب

میرے آقا بھی اسی وقت دعا مانگتے تھے
کیسے لوٹے گا مرا دست دعا آخر شب

منتظر تھے کسی منصف کے جو سردار قریش
دیکھ کون آیا ہے اک شور اٹھا آخر شب

پیش کرتے تھے فلک ایک عروسی منظر
کس قدر شان سے پہنچا تھا دلہا آخرشب

پھیلتی جاتی ہے اک سبز ردا تا بہ فلک
پڑھ کے دیکھو تو کبھی صلِ علیٰ آخر شب

ذرہ ریگ مرے لفظ، بنے شمس و قمر
مدح سرکار کا جب لمس ملا آخر شب

مشتاق فریدی
ڈوڈہ، وادیٔ چناب (کشمیر)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱)

چلی آج نعتوں کی بادِ بہاری
قمست سنوانے لگی ہے ہماری
فصل نعت کی ہے یہ گلشن بداماں
یہاں جاں بہ لب کی گئی بےقراری
نعتوں نے صیقل کیا آبرو کو
گذر جائے اس میں عمر ہی ہماری
زمین نعت کی آنسوؤں سے ہی نم ہے
اسی حال میں تو کٹی شب بیداری
یہیں فیصلہ کر الٰہی ہمارا
مدینے میں ہم کو نہ ہو شرمساری
درباں اپنا فرض تو نبھا لو
ہمیں کام آئیگی اب اشکباری
ندامت نے مشتاقؔ کیا ریزی ریزی
مجھے کام آئی یہاں نابکاری

(۲)

آقا کی سانسوں کی مہک ہے بہاروں میں
ہے نور وہی روشن تاروں میں سیاروں میں

کرتا ہوں تصور جب اس چہرہ انور کا
پھر رات گئے ریتی ہلچل ہے خیالوں میں
ہوتا تھا در ماندہ ہر گام یہ منزل کے
چلتا ہوں سوئے بطحا سیرت کے اجالوں میں
آتا ہے مدینہ جب اب چشم تصور میں
بڑھتی ہے تپش یکدم پر سوز میں آہوں میں
بس ایک تمنا ہے عاصی کی میرے مولا
اے کاش میں مرجاوں طیبہ کے نظاروں میں
یہ نور محمدؐ! کی پر نور تجلی ہے
آو تو ذرا دیکھو قرآن کے پاروں میں
آقا کے پسینے کی خوشبو ہے مہک اٹھی
ہے آج عجب ٹھنڈک طیبہ کی فضاوں میں
مشتاقؔ مدینے کی روح پرور نظاروں کا
آو عکس دیکھو اب میری نگاہوں میں

(۳)

نظر کرم مجھ پہ ہوتی رہی
نعت لکھتا رہا رات بیتی گئی

کمتری کا یہ احساس مٹتا گیا
خوشا! داد ان سے مجھے بھی ملی

شمش و قمر محو گردش ہوئے
جب بھی محفل میں پھر بات ان کی چلی

یہ ترسیل شعروں کی از غریب تھی
تھے محو سخن شام ہوتی رہی

یہ اعزاز مشتاقؔ بھی ہے مجھے
موضوع سخن ہے میری شاعری

(۳)

چلے قافلے وہ مدینہ چلے
ان کو تکتے رہے ہاتھ ملتے رہے

ہم تصور میں ہی سوئے طیبہ چلے
آنسوں سے تھی تر نعت پڑھتے رہے

دیکھ کر اپنی ساری سیاہ کاریاں
دل دہلتا رہا ہم تو روتے رہے

زائیرین حرم کا وہ نوری سفر
سامنے سے ہمارے گذرتے گئے

مدینے سے آئی فضا شیشم تر
ہم بھی مشتاقؔ آہیں بھرتے رہے

***

مرتضیٰ اشعر

ملتان شریف

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ کا ذکر چار سو کرتا
جذبۂ عشق کی نمو کرتا

کاش ان کے زمانے میں یزداں
میرے تن میں رواں لہو کرتا

مانگ لیتا مہک پسینے کی
عود سا خود کو مشک بو کرتا

میں کنویں سے نکال کر پانی
حاضری کے لئے وضو کرتا

گرد ہوتا میں راہ کی اشعر
پاؤں چھونے کی آرزو کرتا

عدسہ ہوتا میں آنکھ کا اشعر
ہر گھڑی ان کی جستجو کرتا

***

عمران الحق چوہان

چنیوٹ، پنجاب

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

آپ کا نام اے حبیبِ خدا
رحمتِ تام، اے حبیبِ خدا

سبز گنبد کی چھاؤں مل جائے
دھوپ ہے عام اے حبیبِ خدا

چشمۂ رحمتِ فراواں سے
ایک دو جام اے حبیبِ خدا

ہے سوالی اماں طلب در پر
ڈھل گئی شام اے حبیبِ خدا

آپ پر دل کا حال روشن ہے
لفظ ہیں خام سے حبیبِ خدا

لب پے عمران کے رہے ہر دم
صبح و شام، "اے حبیب خدا

***

فدا راجوروی (مرحوم)

بہروٹ، راجوری (جموں وکشمیر)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

آپ ہیں نورِ مجسّم یا نبیؐ
آپ ہیں توقیرِ عالم یا نبیؐ
آپ وجہِ حُسن و رنگِ کائنات
آپ ہیں فیضان پیہم یا نبیؐ
آپ سے تاباں ہے بزمِ خاوری
آپ رشکِ ماہ و انجم یا نبیؐ
شہرِ دل افسردہ ہے گلیاں خموش
محفلِ عالم ہے برہم یا نبیؐ
آسماں پر بجلیاں ہیں چار سُو
مضطرب محفل ہے دائم یا نبیؐ
پھر کہیں لاتقنطوا کی بات ہو
زخمِ دل چاہتے ہیں مرہم یا نبیؐ
بارشِ فیضانِ رحمت وہ بکھیر
دل رہیں پُر سوز ہر دم یا نبیؐ
ہیں بپا آئینہ قد لات و منات
اور برہم چشمِ عالم یا نبیؐ
پھر سے ضربِ لا الٰہ بیدار ہو
وِردِ اِلّا اللہ ہر دم یا نبیؐ
نعتِ احمد لکھ سکوں ممکن نہیں
پالتا ہوں سوزِ پیہم یا نبی

ڈاکٹر شکیل شفائیؔ

ادارہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

صاحبانِ چشمِ باطن آپؐ کو دیکھا کریں
ہم چُنیں سجدے محبت کے چلو ایسا کریں

حُسن ہے باہر فصاحت کی حد ادراک سے
اب ذرا صیقل تصوّر ہی کا آئینہ کریں

ہر کسی کو فخر ہے اُن کے لبِ اعجاز پر
گوشِ دل سے ہم سُنیں گے اور وہ بولا کریں

کہکشائیں ناز کرتی ہیں یہ کس مہمان پر
جو غبارِ راہ کو وہ دید کا سُرمہ کریں

قدسیوں میں عید کی ہے آج رونق ہر طرف
جس جگہ بھی بیٹھتے ہیں آپؐ کا چرچا کریں

مُسکراتی شب سے کوئی پوچھ کے دیکھے ذرا
کوکب و انجم یہ کس کی راہ کو دیکھا کریں

کون ہے جو قدسیوں کے دیس سے آگے گیا
کس کی عظمتوں کے آگے عظمتیں سجدہ کریں

دُور اک اُفتاد خِطّے میں پڑے تیرے غلام
بیکسی میں گھِر چکے ہیں ہر طرف رویا کریں

مژدۂ راحت سے ہوں دل شادمان و کامران
رحمتوں کا چلچلاتی دھوپ میں سایہ کریں

اے محبت کے سمندر اک ذرا سی بوند دے
عا کو چاہیے کیا اور جو مانگا کریں

منظر انصاری

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱)

نرالی ہر اِک شے ترے شہر کی ہے
کہ ہر شے میں خوشبو برابر بھری ہے
ترے نام کا شہرہ دیکھا ہے ہر جا
تری ہی دو عالم میں شاہنشہی ہے
درودوں کی ہے میرے پاس ایک مالا
میرے پاس کس چیز کی اب کمی ہے
لبوں پر ہے جس کے محمد محمد
وہی شخص دنیا میں سب سے غنی ہے
غلامی میں اِک نام منظر ہے آقا
ترے نام کی جس نے مالا جپی ہے

(۲)

معطر بدن تھا معطر پسینہ معطر ہی باتیں معطر قرینہ
ترو تازہ یعنی کہ نورانی چہرہ جہاں کی فضا میں معطر نگینہ
تہی دست آتے تھے جو ان کے در پروہ حکمت کا بھرتے معطر خزینہ
اطاعت نبی کی اگر ہو جہاں میں نہ ڈوبے کبھی زندگی کا سفینہ
تھے قول اور فعل آپ کے سب سے اعلیٰ، تھے حکمت کا منبع، منوّر تھا سینہ
مجھے چاہیے بس شفاعت نبی کی، نہ کوئی خزانہ نہ کوئی دفینہ
تھے سرکارِ عالم مبرّا اے منظر نہ بغض و حسد نے عناد اور نہ کینہ

میر امتیاز آفریں

بڈگام، وادیٔ کشمیر

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

جب تک ہے دم میں دم نعت نبیؐ سناتے رہیں گے
حریمِ دل کو خاکِ طیبہ سے سجاتے رہیں

گلشنِ ہستی پہ چھائیں گے بادل بن کے ہم
ذکر حبیبؐ کے گلستاں مہکاتے سناتے رہیں گے

آنکھوں سے دیکھ نہ پائیں جو چہرۂ زیبا
پیارے تذکروں سے دل کو بہلاتے رہیں گے

شبِ ظلمت میں جب راہ نہ سلجھے
مہ کامل سے بھٹکے رستے پاتے رہیں گے

اہل دول کے ٹھاٹھ پھر لبھا نہ پائیں گے
مدینے کے منظر جہاں کو دکھاتے رہیں گے

غمِ ہستی سے رہائی گر ممکن نہیں آفریںؔ
یادوں کے گلشن سے دل کو بہلاتے رہیں گے

ذوالفقار نقوی

پونچھ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱)

مرحبا صلِ علیٰ اچھا لگا ::: ہم کو ذکرِ مصطفیٰ اچھا لگا
"گالیاں سن کر دعائیں جس نے دیں" ::: وہ سخی حد سے سوا، اچھا لگا
آپؐ کی کس کس عطا کا ذکر ہو ::: جب دیا، جو بھی دیا، اچھا لگا
تیرگی کو جس نے دے دی مات، وہ ::: روشنی کا سلسلہ اچھا لگا
راس نہ آئی قبائے خسروی ::: تیرے گھر کا بوریا اچھا لگا
خلد سے ملتا ہے جس کا سلسلہ ::: وہ گلی وہ راستہ اچھا لگا
جس نے دکھلائے رموزِ زندگی ::: وہ الٰہی آئنہ، اچھا لگا
آپ کے در پر پڑا ہے ذوالفقارؔ ::: آپ نے سُن لی دعا، اچھا لگا

(۲)

درد کے ماروں کا دنیا میں مداوا ہو گیا
تھا جہاں میں جو کوئی بیمار اچھا ہو گیا
نورِ حق اُترا جو آ کر آمنہ کی گود میں
چاک استبداد کی ظلمت کا پردہ ہو گیا
رحمت اللعالمیں بن کر جو آئے مصطفیٰ
عاصیوں کا دل بھی بہلا ، سر بھی اونچا ہو گیا
فخرِ یوسف کے رخِ انور سے پردہ جب ہٹا
چھٹ گئیں سب ظلمتیں، روشن زمانہ ہو گیا
گونج اٹھی ہر طرف یہ سارے عالم میں صدا
"کس کے قدموں سے اندھیروں میں اجالا ہو گیا"

حسنِ یوسف ، زہدِ عیسیٰ، صبرِ ایوبی نثار
حاملِ اوصافِ کل وہ ایک نکتہ ہو گیا
خود کا تھا سایہ نہ جس کا ، ہے یہ اعجازِ نبی
سب جہانوں کے لئے یکساں وہ سایہ ہو گیا
احمدِ مرسل کی طاعت کا ثمر ہے ذوالفقارؔ
جس نے ان کی پیروی کی وہ خدا کا ہو گیا

(۳)

جو آمنہ کے لال کا دل سے ہوا نہیں
جز یاس اُس کو دہر میں کچھ بھی ملا نہیں
کھولوں میں لب جو نعت کو، جھڑنے لگیں گہر
کیسے کہوں کہ آپ کی مجھ پر عطا نہیں
کیونکر بلندیاں اُسے ٹھوکر نہ مار دیں
جو سر کبھی بھی آپ کے در پر جھکا نہیں
ہر شاخ ِ آرزو ترے صدقے میں ہے ہری
بادِ خزاں کا اب کوئی خدشہ رہا نہیں
کر کے بلند ہاتھوں پہ بولے یہ مصطفیٰ
حیدر کا جو نہ ہو سکا میرا ہوا نہیں
محوِ عمل علی ہوئے دوشِ رسول پر
لات و منات و عزّہ کوئی بھی بچا نہیں
رحمت لقب ہیں شافعِ محشر بھی آپ ہیں
بس آپ کے سوا کوئی غم کی دوا نہیں
کہتے ہیں خود کو عاشقِ سردارِ انبیاء
لیکن خرد میں آل کا سودا بسا نہیں
مل جائے بس غلامیِ احمد اے ذوالفقار
پھر میری زندگی کا کوئی مدعا نہیں

محمد احمد زاہد

سانگلہ ہل

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱)

لب پہ میرے جو یوں سج گئی نعت ہے

آپؐ کی یاد کی ہر گھڑی نعت ہے

وشتِ ظلمت میں پائی ہے سب نے ضیا

آمدِ مصطفٰےؐ کی خوشی نعت ہے

مشکلیں دور ہوں گی مری آپ سے

زندگی میں مری روشنی نعت ہے

جب کیا تذکرہ دل مرا کھل اٹھا

اس عقیدے کی یہ تازگی نعت ہے

حشر میں لاج رکھ لیں گے وہ بالیقیں

میرے ایمان کی پختگی نعت ہے

اب سخن میں غزل سے نہیں واسطہ

میری فطرت کی ہر اک لڑی نعت ہے

زاہدِ بے ریا کی ہو مدحت قبول

میرے اظہار کی شاعری نعت ہے

(۲)

دھوم ہے دونوں جہاں میں احمدِ مختار کی
"نعمتِ کبریٰ ولادت ہے شہِ ابرارؐ کی
"مل گئی تسکین کی دولت اسی لمحے مجھے
جس گھڑی قلب و نظر نے مدحتِ سرکار کی
مرتبہ سب سے جدا ہے انبیا میں آپؐ کا
شان اعلیٰ کیوں نہ ہو نبیوں کے اس سردار کی
چاند ٹکڑوں میں بٹا سورج پلٹ کے آ گیا
کس قدر محکم حکومت ہے شہِ ابرار کی
مل گئی زاہد کو مدحت کی سعادت دوستو
یہ عنایت کی ہے بارش صاحبِ انوار کی

(۳)

"بستیاں اجڑی بسانے آگئے ہیں مصطفیٰ ؐ"
مشکلوں میں غم مٹانے آگئے ہیں مصطفیٰ ؐ
چھا گئے جب ظلمتوں کے سلسلے بھی چار سو
راستہ حق کا دکھانے آگئے ہیں مصطفیٰ ؐ
اٹھ گئے جب دہر سے الفت کے سارے واسطے
درس الفت کا سکھانے آگئے ہیں مصطفیٰ ؐ
ہو گئے جب سب سہارے ختم میرے باخدا
میری قسمت کو جگانے آگئے ہیں مصطفیٰ ؐ
حشر سے کب خوف ہے زاہد کو میرے دوستو
نارِ دوزخ سے بچانے آ گئے ہیں مصطفیٰ ؐ

سید قاسم ریحانؔ
وادیٔ کشمیر

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کتنی پاکیزہ ہے خصلت عادتیں کتنی حسین
آپؐ ہیں خیرالبشرؐ اور آپ ختم المرسلینؐ
اے امام الانبیاء اور اے شفیع المذنبینؐ
آپؐ کا کاشانہ ہی تھا مہبطِ روح الامینؑ
رحمۃٌ للعالمینؐ ، خیرالوریٰ ، خیرالانامؐ!
آپؐ ہیں آقا و مولاؐ ، آپ اُمت کے امام!
آپؐ ہی کے واسطے عرشِ معلیٰ مثلِ طوٗر
آپؐ کے نورِ مبارک کا ہیں پرتو سارے نور
آپؐ پر نازل ہوا جب حق سے قرآنِ کریم
ملّتوں کے ہو گئے سارے کُتب خانے عدیم
اِک اشارے سے کیا تھا چاند کو شق آپؐ نے
عزم و ہمّت اور یقیں با اللہ کی تلوار سے
آپؐ جب دنیا میں آئے ہر طرف چرچا ہوا
قیصر و کسریٰ کا ایواں دفعتاً ہلنے لگا
ہو گیا 'لاؐ' سے ہُبل اور لات کا بت چوٗر چوٗر
بُت گروں کا خاک میں تب مل گیا سارا غرور
آپؐ نے لاتؔ و ہُبلؔ ، عزیٰ کو رُسوا کر دیا
آ گیا حکمِ نسخ تورات اور انجیل کا!

ایک شب سوئے فلک تشریف فرما جب ہوئے
عزّت و توقیر میں سارے مَلک پیچھے رہے
آپؐ جب عرشِ معلیٰ کی طرف مائل ہوئے
حضرت جبریلؑ سِدرہ سے نہ آگے بڑھ سکے
تب رسولؐ اللہ نے جبریلؑ سے فرما دیا
رُک گئے کیوں اے میرے ہمدم تُو بڑھ آگے ذرا
عرض کی جبریلؑ نے پیارے رسولؐ اللہ سے
اس سے آگے بڑھ سکوں کیا؟ کچھ نہیں جرأت مجھے
میری منزل ہے یہی گر اِک قدم آگے بڑھوں
نورِ ربّ العالمین سے میں وہی پر جل اُٹھوں
یا رسولؐ اللہ جس کو آپؐ سا رہبر ملا
کیسے وہ ہوگا گرفتارِ گناہ ، جرم و خطا
تیری عظمت ہے بُلند اور ہے بُلند تر تیری شان
آپؐ ہی کے سامنے سر خم ہوئے ہے آسماں
خالقِ اکبر نے جس دم آپؐ کی تخلیق کی
حضرتِ آدمؑ نبی تھا آب و گِل میں ہی ابھی
کیا کروں میں آپؐ کی تعریف میں ہوں بے ہُنر
آپؐ انسان کے تخیّل سے پرے خیرالبشرؐ
ہے ثنا خواں آپؐ کا خود خالقِ ربّ الجلیل
ہیں غلامی میں تیری سارے فرشتے ، جبرئیلؑ
تاج ہی 'لولاک' کا سب سے بڑا تمکین ہے
آپؐ کی عظمت کا مظہر 'سورۃ یٰسین' ہے
نعت کیا لکھوں میں آقا آپ کے شایانِ شان
مدح میں جس کی ہو خود اللہ ہی رُطبِ اللّسان

ہیں خدا کے بعد تیرے مدح خواں لاکھوں ہزار
ہے 'ابو طالبؑ ابوالایمان' کا پہلا شُمار
تیری یہ نعتیں ہیں ساری بے نظیر و بے مثال
ہے عیاں ان میں تیرے جوش عقیدت کا کمال
تیری نعتیں ہیں تیرے ایمان کی پختہ دلیل
تم کو کافر کہنے والے دو جہاں میں ہیں ذلیل
اے ابو طالبؑ تیرے ایمان پر ہم ہیں نثار
حشر کے دن تیری عظمت ہو گی سب پر آشکار
اُس کا ہے دوزخ ٹھکانہ جو تجھے کافر کہے
تجھ کو کافر کہنے والے خود تو کافر ہی مرے
ہے عدو پیارے نبیؐ کا جو تجھے کافر کہے
آگ دوزخ کی تو بھڑکاتا ہے وہ اپنے لیے
کہتے ہیں دشمن تجھے کافر، وجہ اس کی ہے کیا
ہے علیؑ کے ساتھ رشتہ تمہارا باپ کا
ہیں نبیؐ پر تیرے احسانات بے حد و حساب
تیرے دشمن کے لیے ہے نارِ دوزخ کا عذاب
آپؐ پر لاکھوں درود، آپؐ پر لاکھوں سلام
ہے یہی ریحانؔ کا آقا وظیفہ صبح و شام

***

پروفیسر ڈاکٹر سیّد امین تابشؔ
راول پورہ، سرینگر، وادیٔ کشمیر

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نعتِ رسوٗلِ مقبوٗل ﷺ (کشمیری)

از لولہٕ چانے روزٕ دران دِل تہٕ جگر میون
نعلین پاکس چشمہٕ جران دِل تہٕ جگر میون

تفسیرِ قرآن زندگی یُمۍ ہندۍ حرف حرف
تس پایہٕ بۄڈس روزِ سران دِل تہٕ جگر میون

فرقان علامت تہٕ لفظ لفظ عبارت
تس نازنینس لول بران دِل تہٕ جگر میون

مُلکن تہٕ فلکن پیٹھ شہِ لولاک نبیٔ سون
سُے ناو بۄزِتھ ذِکر کران دِل تہٕ جگر میون

یُس عالمن باپتھ سراسر رحمتُک پیغام
زٕۄ جان فِدا روزِ کران دِل تہٕ جگر میون

یُس انقلابُک دیُت ربّن منشور بۄڑ سوغات
عالم چھُ تمے آیہٕ پران دِل تہٕ جگر میون

ییمہٕ وتہٕ سُہ پۄک رأچھدر تتھ پانہٕ جبرائیلؑ
تتھ شہرِ پاکس چشمہٕ جران دِل تہٕ جگر میون

یُمۍ مُرسلن تہٕ انبیاہن پیشوأیی کُر
تتھ عظمتس موختہٕ جران دِل تہٕ جگر میون

یُس ذاتِ پاکن دۄپ ژٕ چھکھ دون عالمن سرتاج
تمہِ آگرِکۍ کینہہ قطرٕ منگان دِل تہٕ جگر میون

یُس ربّ چھُ عاشق اِنتظارس عرشِ معلّیٰ
دوہ راتھ تمۍ سٕنز ذِکر کران دِل تہٕ جگر میون

اسہٕ عاصین چھے کوثرس پیٹھ آش تھٔنزے بس
گُرزو شفاعت عرض کران دِل تہٕ جگر میون

لیس بادشأہی منز فقیری اُس سبحاہ ٹاٹھ
صلو علیہ روزِ پران دِل تہٕ جگر میون

ڈِیٚژ زبس پتھر ییمتۍ چھِ اُسۍ بے یار و مددگار
اکھ آش ہیتھ از تارٕ تران دِل تہٕ جگر میون

سوزان روٗزِو ڈالۍ تس دوہ راتھ سلاما
تابشؔ دروٗدا روز پران دِل تہٕ جگر میون

☆☆☆

سلطان الحق شہیدی
سرینگر، کشمیر

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱)

ہر درد کا ملتا ہے درماں مدینے میں — ہو جاتی ہے مشکل آساں مدینے میں
جنّت کا نہیں رہتا ارمان مدینے میں — پاتا ہے ہوا اس سے مہمان مدینے میں
سرکار کی رحمت کا ادنیٰ سا کرشمہ ہے — ہوجاتا ہے ہر زائر ذی شان مدینے میں
کشکول گدائی کے ہاتھوں میں لئے پھرتے — آتے ہیں برہنہ پا سلطان مدینے میں
کچھ بھیج تو نہیں کہنا کہنا ہے تو بس اتنا — کعبے میں جو دل ہے تو ایمان مدینے میں
تسکین بھی راحت بھی خوشبو بھی طراوت بھی — صدقے میں یہ ملتا ہے سامان مدینے میں
مسجد میں نبیؐ کے اک جنّت کا گلستاں رہے — گلچین ہے جس کا ہر مہمان مدینے میں
اصحاب نے بخشی ہے تو قیر بقیع کو — بوبکرؓ عمرؓ بھی ہیں عثمان مدینے میں
جب عرش دریچے سے دیکھا تو نظر آیا — ہے اس سے بھی اونچا اِک استھان مدینے میں
آقا نے جو چاہا تو بلوایا شہیدیؔ کو — حسرت ہے نہ ہو پایا قربان مدینے میں

(۲)

سارے جگ میں ایک حسین رحمۃً لِّلعالمین!!
جیب میں اس کی سورج ہے لگتا ہے گو ماہِ مبین
وہ آکاش کا مالک ہے لیکن چُن لی اس نے زمین

اس کے آگے سب محتاج خواہ غنی ہو یا مسکین
سب پر ہیں اس کے احسان سنگ و شجر کیا کیا پروہن
بات کرے تو بریں پھول اس کا حرف ہے شکر چین
پھن پھیلائے کالے ناگ رام کرے ہے اس کی بین
دین ہے اس کے مذہب کی عرش مکاں ہے فرش نشیں
اس سے ہر مشکل آسان وہ میرے دل کی تسکین
ہرا کھشر اس کی تعریف الف امیں تایے یاسین
جس پتھر کو چھو جائے ہو جائے وہ لعل و نگیں
اس کی کٹیا کا ہے فیض قیصر یا خاقان چین
ن نفی کا کر اثبات اللہ والوں کو تلقین
جہل اندھیرا گمراہی بھاگے دیکھ کے نور مبین
اس کے پیڑ کے مُد مُد پاس جھلکنے آتے ہیں شاہین
سادہ لباس اور سادہ غذا ملبوس عدن چوب چین

❁✿〰✿❁ ❁✿〰✿❁ ❁✿〰✿❁

مشتاق مہدی
سرینگر، وادیٔ کشمیر

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سبھی کے ہیں شہہِ لولاکؐ ::: مبارک جن کا نامِ پاکؐ
صداقت اور شجاعت میں ::: نہ کوئی آپؐ سا بے باک
بشارت خیر کی لائے ::: محمدؐ شانِ اللہ پاک
فرشتے حیرتوں میں گم ::: بشر کر پائے کیا اِدراک
ہوئے سر خم اِسی در پر ::: یہیں پر چشم کر نمناک

***

اشرف عادل
سرینگر، کشمیر

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حرمت نعت کی نغمگی آپ ہیں
غنچہ فکر کی تازگی آپ ہیں

"ضامن شافئ امتی آپ ہیں"
محشری ہم ہیں تو کوثری آپ ہیں

بات قرآن ہے قول فرقان ہے
دین وایمان کی تازگی آپ ہیں

مصطفائی کی آمد مبارک ہمیں
ایک اک امتی کی خوشی آپ ہیں

ہوگیا ختم پیغام حق آپ پر
یا محمد نبی آخری آپ ہیں

عشق کیا فکر کیا ذکر کیا شوق کیا ؟
ساعت نور کی آگہی آپ ہیں

***

ولی محمد اسیرؔ کشتواڑی

رابطہ نمبر: 9419000471

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱)

اُس دِل میں گھر بناتی ہے رحمت رسولؐ کی
جس دِل میں آگئی ہو محبت رسولؐ کی

حیران ہوکررہ گئے جن وملک سبھی
جب عرش نے بیان کی عظمت رسولؐ کی

یکتائے روزگار تھے وہ خوش خصال تھے
جن کونصیب ہوگئی صحبت رسولؐ کی

وہ نُورجس نے راکھ کیا کوہِ طُورکو
ہرآں کررہاہے وہ مدحت رسولؐ کی

پامال ہوگئے وہ بڑے بدنصیب تھے
جن کے دِلوں میں بھرگئی نفرت رسولؐ کی

جب کھینچ لیں گے ہاتھ وہاں سارے انبیاءؑ
اس وقت عام ہوگی شفاعت رسولؐ کی

جس دم اٹھائے جائیں گے محشرمیں امتی
ہوگی زیادہ اوروں سے اُمّت رسولؐ کی

اِک حُسنِ بے مثال ہیں وہ شاہِ انبیاءؑ
دونوں جہاں سے بالاہے نسبت رسولؐ کی

ہے اِلتجا اسیرؔ کی شام و سحریہی
فردوس میں نصیب ہو قُربت رسولؐ کی

(۲)

میرے آقاؐ غلام آئے ہیں
اور درُوُد وسلام لائے ہیں

روند ڈالے نہ یہ جہاں ہم کو
دستِ ظالم کے ہم ستائے ہیں

ہو کرم ہم پہ آپ ؐ کے صدقے
یہ یقیں لے کے ہی تو آئے ہیں

راہ حق پر نہ چل سکے لیکن
ذات حق پر یقین لائے ہیں

کوئی تحقیر کیوں کرے اُن کی
نامِ احمدؐ جو گنگنائیہیں

روئے انور کی دید ہوجائے
چشم روضے پہ ہم جمائے ہیں

دل کے ارمان پھر مچلتے ہیں
نعت کہتے اسیرؔ آئے ہیں

***

سید اعجاز حسین عاجزؔ

گوجرانوالہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

آپ کا نام لیا اور گیا روضے تک
طائرِ فکر اڑا اور گیا روضے تک

اک صدا آئی غلاموں کے لیے "جاؤ کہ"
دل نے لبیک کہا اور گیا روضے تک

شدتِ ہجر میں ایسا بھی ہوا، جذبۂ دل
بن گیا حرفِ نوا اور گیا روضے تک

بات تسلیم کیے جانے کے لائق ہی نہیں
کوئی ان کا نہ ہوا اور گیا روضے تک

عالمِ خواب سہی، اذنِ حضوری پا کر
سجدۂ شکر کیا اور گیا روضے تک

اک طرف اسوہ ترا، ایک طرف تھی دنیا
میں نے کردار چنا اور گیا روضے تک

سید صدق و صفا ذکر مسلسل سے ترے
دل کو آئینہ کیا اور گیا روضے تک

ایسا عاجزؔ مجھے دکھلاؤ کوئی بندہ جو
آلِ سرور سے کٹا اور گیا روضے تک

سلمان رسول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱)

مدینہ جاتے ہی کھو جائیں گر مرے کاغذ
مجھے بنا کے نہ دے پھر کوئی نئے کاغذ
میں ان کے روضے کی چوکھٹ سے یوں چپک جاؤں
کہ جیسے ہوتے ہیں تشہیر کو لگے کاغذ
میں شہر احمد مرسل میں یوں بھٹکتا پھروں
ہوا اڑاتی ہے جیسے گرے پڑے کاغذ
محافظین حرم اس طرح سنبھالیں مجھے
ضروری ہوتے ہیں جیسے مکان کے کاغذ
نہ پاسپورٹ، نہ ویزا، نہ راستے کا ٹکٹ
مجھے حضور بلائیں تو یونہی بے کاغذ

(۲)

مہرو مہ و انجم کی، تنویر کا وہ باعث
انساں کی زمانے میں، توقیر کا وہ باعث
تخلیقِ بشر کا بھی، کارن ہیں مرے آقا
کاشانۂ ہستی کی، تعمیر کا وہ باعث
گو خالقِ ارض و سما، موجود ہے، دائم ہے
ہیں اس کے تعارف کا، تکبیر کا وہ باعث
ایجاب دعاؤں کا، ہے ان کے وسیلے سے
سب خوابوں کی ہیں اپنے، تعبیر کا وہ باعث
آلائشِ عصیاں سے، فتنوں سے، جہالت سے
ہیں باطنِ عالم کی، تطہیر کا وہ باعث

سلمان غازی
ممبئی

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

یہ عاصی کس طرح بھیجے کوئی اُن کو پیام اپنا
حرم کے زائرو بس عرض کردینا سلام اپنا

نہیں موقوف انؐ کی شان اس عاصی کی مدحت پر
مشرّف ذکرِ عالی سے کِیا ہے بس کلام اپنا

بھلا تصدیقِ امت کی کہیں اُن کو ضرورت تھی
خوشا تصدیق ہی سے خیر امت اب ہے نام اپنا

زبانیں گنگ ہونگی حشر میں پر دل یہ کہتا ہے
وہ شائد مان لیں مجھ کم نوا کو بھی غلام اپنا

سُبو ہے آخری اور ہر کسی کو ہے طلب اس کی
بدل دے ساقیا اس میکدے میں پھر نظام اپنا

یقین ہوتا ہے جن میں وہ ترے در تک پہنچتے ہیں
تڑپ تو دل میں ہے جذبہ ابھی شاید ہے خام اپنا

گنہگاروں میں ہے یہ امتی بھی حوضِ کوثر پر
وفورِ تشنگی میں مئے تمہاری اور جام اپنا

میں حاضر ہو ں مگر کم مائیگی پر اپنی نالاں ہوں
کروں کیا پیش اس لائق نہیں ہے کوئی کام اپنا

مدینہ جا کے پیوندِ زمیں سلمانؔ ہو جاؤں
پھر اس سے بڑھ کے آخر اور کیاہوگا مقام اپنا

ڈاکٹر مبشر أحمد نشتر

حیدرآباد، تلنگانہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

لکھنا ہے قلم تجھ کو تو بس اُن کی ثنا لکھ ::: محبوب خدا کو ہے فقط نعت سدا لکھ

الفاظ اگر ساتھ نہ دیں مدح کو اُن کی ::: قرطاسِ عقیدت پہ تُو لاعِلم لَنا لکھ

تاریکیاں بڑھ جائیں اگر وادیٔ دِل میں ::: مِن نور تجلّی کے اُجالوں کی ضِیا لکھ

قرآں کی زباں دیکھ ثنا کہتے ہیں کس کو ::: اُن پر تو خدائی ہے فِدا ہو کے فِدا لکھ

ہر آن بہ ہر رنگ سجی نعت کی دنیا ::: دنیا نے بہت لِکھا ہے دنیا سے سِوا لکھ

لکھنے کا سلیقہ تو کہاں آئے گا تجھ کو ::: خود رب ہی لکھائے گا تُو بس محوِ دعا لکھ

دے جس کو خدا ملتی ہے توفیق اُسے ہی ::: توصیفِ محمد میں قلم سر کو جُھکا لکھ

صدیاں تجھے درکار ہیں اک ایک ادا کو ::: ہر گوشۂ سیرت کی اگر ایک ادا لکھ

تقدیر میں لِکّھا ہے تری نعت ہی لکھنا ::: ہر آن ثنائے شہِ لَولاكَ لما لکھ

سینے میں تپش چاہیے گر عشقِ نبی کی ::: دے دے کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو ہَوا لکھ

سَو جان سے قربان ہو اِس ایک عطا پر ::: توصیفِ نبی حاصلِ کُل حرفِ عطا لکھ

نعلینِ شہِ دین کے سائے میں رہے گا ::: ممدوحِ الٰہی کی ثنا روزِ جزا لکھ

معطی کا پتہ جس نے دِیا مانگ لے اُس سے ::: ہر عرضِ تمنّا پہ مدینے کا پتہ لکھ

اس سے تو بڑا کوئی بھی اعزاز نہیں ہے ::: کچھ خود کو جو لکھنا ہے تو آقا کا گدا لکھ

سرکارِ مدینہ کا یہ اِرشاد ہے نشتؔر ::: جب جب بھی تُو لکھ نامِ نبی صَلّ علےٰ لکھ

***

بلال احمد لون

بلودرگنڈ، پلوامہ، وادیٔ کشمیر

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

دے کر نبیؐ سے دائمی الفت کی روشنی
بخشی خدا نے مجھ کو ہدایت کی روشنی

جب بھی جگر کے خون سے نعتِ نبیؐ لکھی
در آئی حرف حرف میں مدحت کی روشنی

تربت کی تیرگی کا کوئی ڈر نہیں مجھے
ہوگی جو ساتھ شمعِ رسالت کی روشنی

سرکارِ دوجہاںؐ کے وسیلے سے مل گئی
انسانیت کو رشد و ہدایت کی روشنی

عقبیٰ کی رفعتیں ہیں اسی کے نصیب میں
جس شخص کو ملے گی شفاعت کی روشنی

***

علی شیدا
وادیٔ کشمیر

صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

(کشمیری)

سردارِ جہاں شوب تہ شایان محمدؐ
رفتارِ زماں حُسنِ گُلستان محمدؐ

یتھ آسہ وچھاں عکس پنن اَنہ سراپا
تتھ فرشہ پیٹھُک عرشہ چھ شوبان محمدؐ

یتھ شایہ سیا نورہ ولتھ کُل تہ کُلکیٔ جُز
تتھ شایہ گہاں شمعِ فروزان محمدؐ

دانائے سُبل شوقہ وتن لولہ گہاں چھُم
مولاے جہاں ختم رسُل شان محمدؐ

یُس باعثِ تخلیقِ جہاں صاحبِ اسرار
سُے لوح قلم حاصلِ عنوان محمدؐ

یُس دائرسے منز چھ نہاں نوقطہ محیطک
سُے وسعتِ لا حرف دبستان محمدؐ

شیدؔا چھ کراں مالہ جراں شوق گلابکیٔ
خوشبوئے چھ نعتس مے یہ سوزان محمدؐ

پوشن نہ سمندر تہ ونن بُرزہ لیکھے نعت
تفسیرِ وفا پیکرِ قرآن محمدؐ

ٹھہروو زمانن تہ قدم رشکِ ملاقات
اللہ چھُ میزبان تہ میہمان محمدؐ

ناسوت چھ ملکوت چھ جبروت چھ لاہوت
بعد از چھ عیاں خاصہ ء خاصان محمدؐ

یم سۂ اُنئ دعا عرشہ عظیمس چھ کراں گتھ
زاناں چھ خدا امتک پرسان محمدؐ

یُس دراو ژھنڈتھ غار سرِتھ راز الٰہی
سُے دین تہ ایمان تہ عرفان محمدؐ

انہار چُھ یاسین تہ طٰہٰ تہ مزمّل
اظہار دپاں صاحبِ وجدان محمدؐ

شیداؔ چھ رچھاں خواب اَئے لولہ اُچھمن منز
تعبیر گُنے جان تہ جانان محمدؐ

***

شارق رشید

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ہوں گے کب مسرور اور سرشار ہم
ہیں شہِ دیں طالبِ دیدار ہم

اشکِ چشمِ نم سے جب واقف ہیں آپ
کیا کریں الفاظ سے اظہار ہم

بات ہو ناموسِ آقا کی تو ہیں
دشمنوں سے برسرِ پیکار ہم

منکرِ ختمِ نبوّت جان لے
مستعد ہیں سارے پہرے دار ہم

ہے نبھانا دعوئِ عشقِ نبیؐ
طے کریں ہر منزلِ دشوار ہم

فردِ عصیاں کی نہ ہو محشر میں شرم
ایسا کچھ اپنا رکھیں کردار ہم

جن سے امیدِ شفاعت صرف وہؐ
جن کے محشر میں ہیں وہ غمخوار، ہم

جن کے ہاتھوں میں شفا آقاؐ مرے
اور طلب گارِ شفا بیمار

دولتِ عشقِ نبی کام آئے گی
لُوٹ لیں گے حشر کا بازار ہم

حاضری کا اذن ہو شارقؔ چلیں
کب سے ہیں بیٹھے ہوئے تیار ہم

ڈاکٹر مقبول احمد مقبول

پروفیسر شعبہ اردو، مہاراشٹر اُودے گیری کالج اُودگیر ضلع لاتور (مہاراشٹر)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱)

آقا جب اپنی زیست کا عنوان ہو گئے
بے سمت سارے مرحلے آسان ہو گئے

سرکار کی عطا و عنایت کو دیکھ کر
دشمن بھی مثلِ دیدۂ حیران ہوگئے

تاریخ کی جبیں پہ حقیقت یہ ثبت ہے
ادنیٰ غلام، وقت کے سلطان ہوگئے

حسنِ سلوک آپ کا قربان جایئے
وحشی صفت بھی پیکرِ انسان ہو گئے

توحید کی ہوائے سُبک سیر یوں چلی
جزائے کفر وشرک پریشان ہو گئے

جاری ہوا وہ چشمۂ فیضانِ مصطفیٰ
صحرائے لق ودق بھی گلستان ہو گئے

باقی ابھی ہے روضۂ اقدس پہ حاضری
کیسے کہوں کہ پورے سب ارمان ہو گئے

مقبولؔ! جس نے ان کی سیادت قبول کی
اس کے تمام راستے آسان ہو گئے

(۲)

صداقت مل گئی مجھ کو ہدایت مل گئی مجھ کو
رسول اللہ کی رحمت میں جنت مل گئی مجھ کو

سکونِ قلب کی خاطر کسی جانب میں کیوں دیکھوں
مرے آقا کے دامن ہی میں فرحت مل گئی

مجھ کو محمد مصطفیؐ کا امتی ہوں فخر کرتا ہوں
سمجھتا ہوں کہ عقبیٰ کی زراعت مل گئی مجھ کو

ضرورت ہی نہیں مجھ کو کسی دانشوری کی اب
شہِ دیں سے کلیدِ گنجِ حکمت مل گئی مجھ کو

حیاتِ مصطفی سے اکتسابِ فیض کرتا ہوں
کرم اللہ کا ہے یہ سعادت مل گئی مجھ کو

بہ فیضِ نعت گوئی ہو گیا مقبول دنیا میں
بہ صدقے سرورِ کونین رفعت مل گئی مجھ کو

***

عابد خان عابد

جلگاوں جامود بلڈانہ برار مہاراشٹر

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عشقِ احمد مدام کرتے ہیں ::: زندگی ان کے نام کرتے ہیں

سر کٹاتے ہیں عشق احمد میں ::: کام ایسا غلام کرتے ہیں

لطف آتا ہے خلد کا ہم کو ::: جب مدینے میں شام کرتے ہیں

وہ دعا دیتے گالیاں سن کر ::: میرے آقا یہ کام کرتے ہیں

معجزہ ہے مرے نبی کا یہ ::: سنگ ان سے کلام کرتے ہیں

ناز کرتی ہماری قسمت بھی ::: جب مدینہ قیام کرتے ہیں

ہم درودوں کا ان پہ اے عابد ::: رات دن اہتمام کرتے ہیں

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سازالاطہر مارول، وادیٔ کشمیر

کیا ہے بروز حشر کل اپنی نجات کے لیے
آؤ نکالیں کوئی حل اپنی نجات کے لیے

اے دنیا راستہ بدل اپنی نجات کے لیے
نقش قدم نبی کے چل اپنی نجات کے لیے

یہ کون نفسی نفسی میں کہتا ہے ربی امتی
دامن اسی کا تھامیں چل اپنی نجات کے لیے

صحرا میں خاک چھانتا رسوا پھرے ہے قیس
کیوں طیبہ کی خاک پاک مل اپنی نجات کے لیے

آیا جو نام مصطفٰے میں نے درود پڑھ لیا
کافی ہے مجھ کو یہ عمل اپنی نجات کے لیے

میری بساط سازؔ کیا لکھوں جو مدحِ مصطفٰے
میں نے تو بس لکھی غزل اپنی نجات کے لیے

غلام احمد رضا نیپالی

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

شفائے ملت ہے جن کی آمد وہی ہیں احمد وہی محمد
ہے جن کو حاصل علوئے سرمد وہی ہیں احمد وہی محمد

نثار جن پر ہیں مان والے غلام جن کے ہیں شان والے
خدا کو محبوب ہیں جو بے حد وہی ہیں احمد وہی محمد

ملا جنہیں لازوال رتبہ کلامِ حق میں ہے جن کا خطبہ
خدا نے جن کو کیا مجد وہی ہیں احمد وہی محمد

مقام جن کا بلند و بالا صفِ پیمبر میں سب سے اعلیٰ
ہے جن کی خَتمِ الرُسُل کی مسند وہی ہیں احمد وہی محمد

نہیں ہے جن کے بدن کا سایہ بشر میں جن سا بشر نہ آیا
نہیں ہے جن کے کلام کا رد وہی ہیں احمد وہی محمد

نہیں ہے جن کے کرم کا آخر نہیں ہے کوئی بھی جن سا ماہر
نہیں ہے جن کا سفر مقیّد وہی ہیں احمد وہی محمد

زبان جن کی زبانِ قرآں بیان جن کا بیانِ قرآں
وہ دست جن کا خدا کا ہے ید وہی ہیں احمد وہی محمد

طریق جن کا طریق اعلیٰ رفیق جن کا رفیقِ اعلیٰ
وجود جن کا جہاں کا مقصد وہی ہیں احمد وہی محمد

ہے جن کا گلشن بہار والا قرار والا نکھار والا
ہے مرکزِ عشق جن کا گنبد وہی ہیں احمد وہی محمد

سلام کرتا ہے جن کو خالق درود پڑھتے ہیں جن پہ فائق
تو نعت لکھتا ہے جن کی احمد وہی ہیں احمد وہی محمد

***

باب

تاثرات

جہانِ حمد و نعت

نامہ ہائے شوق، رقعاتِ ذوق، نقطہ ہائے نظر

[صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے]

نامہ ہائے شوق

مشتاق فریدی ،

حافظ مقصود احمد ضیائی ،

ڈاکٹر ابو عائشہ ،

مفتی محمد اسحٰق نازکی ،

حامد حبیب ،

نامہ ھائے شوق، رقعاتِ ذوق، نقطہ ھائے نظر

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لیے

● **مشتاق فریدی**، ڈوڈہ سٹی، وادیٔ چناب

مدیر ''جہانِ حمد و نعت'' نے مجلّے کا تیسرا انتہائی فکر انگیز اور دیدہ زیب شمارہ منظر عام پر لاکر لائقِ تحسین وتقلید کارنامہ انجام دیا ہے۔ پہلے دو شماروں کی طرح یہ شمارہ بھی عاشقانِ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بابرکت تحفہ ہے۔ اس سلسلہ میں جناب انورالحسن خاور (لاہور) نے آن لائن طرحی مشاعرہ کا فیصلہ کر کے نعت گو شعرائے کرام کو شرق وغرب سے ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے نعتوں کی مہکتی ہوئی کائنات سجا کر عشقِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قندیلوں کو روشن کیا۔ حق بات یہ ہے کہ یہ عشق خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی معجزہ ہے۔ جناب خاور صاحب کے اس نورانی سفر میں قدوسی صاحب نے قدم سے قدم ملا کر ہزار بار سعادتوں کا اکتساب نور کیا ہے۔ اس کاوشِ جمیل کے لیے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ای- قدوسی صاحب نے سرورق کو فنی چابکدستی سے گلشن بہ دامان کر دیا ہے۔ جن خوش نصیب اور بلند اقبال شعرائے کرام نے فکر انگیز طرح پر نعتیں لکھیں، ان نعتوں کو بیک نظر دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شمارہ ''حمد و نعت'' کے قلمی معاونین دربارِ رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ چشمِ نم سر جھکائے صاف صاف اِستادہ ہیں اور نازاں ہیں کہ نعتوں اور زیرِ نظر شمارہ کی ترتیب و تدوین کے حوالہ سے دربارِ رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کھڑے ہیں۔ دعا ہے کہ ربِ ذوالجلال اس نورانی سفر کے رہروؤں کی کاوشہائے جمیلہ کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین۔
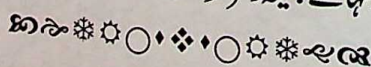
● **حافظ مقصود احمد ضیائی**، جامعہ ضیاء العلوم، پونچھ

مبارک اہل ارادت ! جہان حمد ونعت == خوش آمدید یہ سعد ارمغان حمد ونعت

اسلامی تاریخ کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ ہر زمانہ اور ہر عہد میں ہر میدان میں قابل فخر اور قابل ذکر لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں، جنہوں نے اپنی علمی، دعوتی، فقہی، ادبی، اصلاحی اور عملی فکر و بصیرت، جدوجہد اور توفیق خداوندی سے احیائے دین، اعلائے کلمۃ الحق اور قرآن وسنت کی ترجمانی کا شاندار فریضہ انجام

دیا ہے۔ ایسے ہی مردانِ عزیمت میں سے ہمارے عہد کا ایک نمایاں نام جناب ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحب مدیر ماہنامہ 'الحیاۃ' سرینگر کشمیر کا بھی ہے۔ قدرت نے آں موصوف کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ کتاب وقلم سے آپ کا رشتہ وجدانی قسم کا معلوم ہوتا ہے۔ ماہنامہ 'الحیاۃ' کی کئی خصوصی اشاعتیں آپ کے اس خداداد ذوقِ علم اور شوقِ قلم کی عظیم شاہکار ہیں۔ چند سال سے مجلہ 'جہان حمد ونعت' آپ کی توجہات کا مرکز ومحور ہے، الحمدللہ۔ اِس کی پہلی اشاعت، جو اشاعتِ خاص تھی، نے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتے ہی بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔ اس شمارے میں ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحب کی خصوصی عنایت سے اس عاجز کا مضمون: بعنوان" حمد ونعت کا تحلیلی مطالعہ" بھی شامل کیا گیا تھا۔ آں محترم کی منشاء پر اس عاجز کے قلم سے تاثراتی مضمون بعنوان: 'جہان حمد ونعت: ایک منفرد مجلہ' مختلف اخبارات میں شائع ہوا اور عزت کا باعث بنا اور اب ایک بار پھر چند روز قبل 'جہان حمد ونعت' کا دوسرا شمارہ شائع ہوا، الحمدللہ، جس کے بالاستیعاب مطالعہ سے میں ابھی ابھی فارغ ہوا ہوں۔

کاتب السطور کے مطالعہ کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ جو کتاب بھی زیر مطالعہ آئے، مکمل کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ ہو جائے اور بعد فراغت حاصل مطالعہ کے طور پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھنے کی کوشش رہتی ہے جو کہ حق بھی ہے۔ اس جذبہ کو مزید مہمیز تب ملی، جب سال گزشتہ ماہنامہ 'النخیل' کراچی کی اشاعت خاص" یادگار زمانہ شخصیات کا احوال مطالعہ" کا" حاصل مطالعہ" سے معنون مضمون مرتب ہو کر مقبولِ عام ہوا۔ بعد ازاں (مشک ورق) کے نام سے کتابی شکل بھی دی گئی۔ بہر حال 'جہان حمد ونعت' کی اشاعت خاص (دوم) حمد ونعت کا فقط کوئی منظوم مجموعہ ہی نہیں ہے، بلکہ اس مجموعہ میں منظوم کلام کے علاوہ مختلف مناسبتوں سے لکھے جانے والے مقالات ومضامین بھی شامل ہیں۔ اس مجموعہ کو بجا طور پر علم وادب کی ایک اہم کڑی کہا جا سکتا ہے۔

'جہان حمد ونعت' کی یہ دلآویز دستاویز سات ابواب میں منقسم ہے۔ کل صفحات 516 ہیں۔ حرف آغاز (اداریہ) مدیر محترم جناب ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحب کے قلم سے ہے۔ چھ صفحات میں حمدیہ ونعتیہ ادب کے فروغ واشاعت کے لیے منتخب اس عظیم الشان ادبی وتحقیقی مجلہ کا تعارف وتذکرہ سمندر بکوزہ کیا ہے۔ اداریے میں ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحب نے اس بات کی صراحت بھی کی ہے کہ" الحمدللہ بفضلہٖ تعالیٰ 'جہان حمد ونعت' (جو ریاست جموں وکشمیر میں حمدیہ ونعتیہ شعر وادب کے اولین کتابی سلسلہ کے طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے) کے اب تک کے دونوں شمارے اس حقیر پر تقصیر نے تن تنہا ترتیب وتہذیب، تدوین وادارت، تزئین وپروف خوانی اور اشاعت وطباعت کے جملہ مراحل سے گزار کر منظر عام پر

لانے کی کوشش کی، جو الحمدللہ ثم الحمدللہ کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ’جہان حمد ونعت‘ کے تیسرے شمارے کی اشاعت وطباعت کے یہ سبھی کام اب ایک ادارتی مجلس تحریر کے سرگرم تعاون سے انجام پذیر ہوں گے"۔ اس کے بعد پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید صاحب کے ’جہان حمد ونعت‘ سے متعلق دو منظوم کلام ہیں، جن کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے: "برصغیر کے سربرآوردہ نعت گو نعتیہ ادب کے ممتاز ترین محقق اور نظریہ ساز ناقد محترم المقام جناب پروفیسر ڈاکٹر مجید صاحب کے ’جہان حمد ونعت‘ سے متعلق شفقت ومحبت سے بھرپور جذبات واحساسات" اور پھر مستقل مضامین کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

باب اول: (تفکرات) کے عنوان سے ہے۔ اِکتشاف فکر؛ اقتضائے فن: (حمد ونعت گوئی کے فن اور آداب واسالیب پر مضامین) اس باب میں پندرہ مضمون نگاروں کو جگہ دی گئی ہے۔ اس باب کے عناوین اس طرح سے ہیں: حمدیہ شاعری: فکری واسلوبیاتی تجربے؛ اللہ کی حمد اور مدح کرنے سے مخلوق کی عاجزی؛ اردو رباعی میں حمد نگاری کے نقوش؛ حمد ونعت میں الفاظ کا مناسب استعمال؛ نعت: مفہوم اور تقاضے؛ فن نعت گوئی: چند غور طلب نکات؛ اردو میں نعت گوئی کا فن: ایک تاریخی جائزہ؛ نعتیہ شاعری کے آداب واسالیب؛ نعت نغمہ زندگی ہے!!!؛ نعت گوئی اور اس کے آداب؛ نعت گوئی کا فن اور اس کے تقاضے؛ نثری نعت: ایک تعارف؛ حقیقت نگاری: نعت گوئی کا ایک لازمہ؛ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت اور دل کی بات؛ اس باب کا آخری مضمون" نعت گوئی اور آداب نعت نگاری" اس عاجز کے قلم سے ہے۔ اس نوازش پر میں ’جہان حمد ونعت‘ کے اراکین کا شکرگزار ہوں۔

باب دوم: ’تدبرات‘: ’عکسِ تحقیق، نقش تنقید‘ کے عنوان سے ہے (حمدیہ ونعتیہ ادب پر تحقیقی و تنقیدی مضامین)۔ اس باب میں سترہ مضمون نگاروں کو جگہ ملی ہے۔ عناوین اس طرح سے قائم کئے گئے ہیں: حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں؛ کشمیری مراثی میں حمد ونعت کا شرعی معیار؛ شیخ محمد ابراہیم آزاد کی حمد نگاری؛ محمد علی اثر کی حمدیہ اور نعتیہ رباعیات؛ کشمیری شاعری میں نعتیہ عناصر؛ بیسویں صدی کے پانچ اہم نعت نگار؛ دیار ہند کے چند اہم ممتاز نعت گو شعراء؛ کشمیر کے سات عربی نعت گو شعراء؛ رسؔا جاودانی کی نعتیہ شاعری؛ نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مختصر جائزہ؛ جنوبی ہند کی دو خواتین نعت نگار؛ حفیظ الرحمن احسنؔ کی حمدیہ اور نعتیہ شاعری؛ الطاف حسین حالیؔ کی نعتیہ شاعری؛ لالہ صحرائی: ایک منفرد نعت گو شاعر ؛نعتیہ کلام کا ایک مختصر جائزہ؛ نظام الدین سحرؔ کی حمدیہ اور نعتیہ شاعری؛ مشتاق فریدی کی نعت گوئی۔

باب سوم: ’تفہیمات‘: ’انتقاد سخن، احتساب اسلوب‘: (حمدیہ ونعتیہ فن پاروں پر تبصرے و تاثرات)۔ اس باب میں چھ مضمون نگاروں کو جگہ ملی ہے۔ عناوین کی تفصیل اس طرح سے ہے

: ڈاکٹر اشفاق انجم کا کلام (صلوا علیہ و آلہ)؛ ہمارے عہد کے نعت گو؛ نعت رنگ کا شمارہ نمبر 28؛ نعتیہ ادب: مسائل و مباحث؛ کلیات نعت و مناقب؛ عصر حاضر کے نعت گو۔

باب چہارم: 'تصورات'؛ 'اقوال زریں؛ افکار روشن': (حمد و نعت سے متعلق اصحاب فکر و دانش کے منتخب اقوال)۔اس کے ذیل میں صرف ایک مضمون ہے، جو مدیر محترم کے قلم سے ہے، جس کا عنوان 'نعت کا فن اور اس کے لوازمات اور مقتضیات' ہے۔ مشاہیر کے اقوال و افکار اور آراء کی روشنی میں۔

باب پنجم: 'تخیلات': 'حمد و ثنائے ساقیٔ ازل، مدح و ثنائے ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم': (شعراء کرام کا منظوم حمدیہ و نعتیہ کلام)۔اس باب میں بائیس شعراء کا حمدیہ کلام اور چھالیس شعراء کا نعتیہ کلام شامل ہے۔

باب ششم: 'تاثرات': 'نامہ ہائے شوق، رقعات ذوق، نقطہ ہائے نظر': (صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے)، جس میں ۲۴ ناقدین، ادباء، شعراء اور اہل علم و دانش کے مکاتیب شامل کیے گئے ہیں۔اس باب میں صفحہ 484 پر راقم الحروف کا 'جہان حمد و نعت' کے ماقبل کے خصوصی شمارے کے تعلق سے لکھا گیا تاثراتی مضمون بھی شامل ہے۔

باب ہفتم: 'متفرقات': حمدیہ و نعتیہ ادب کی اہم شخصیات کا داغ مفارقت، اردو نعتیہ ادب کے رجل عظیم پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید کا انٹرویو۔اس باب میں چار مضمون شامل ہیں، جن میں ایک سانحہ ارتحال 'نعت اکادمی' کشمیر کے بانی و صدر؛ 'جہان حمد و نعت' کے سرپرست پروفیسر مرغوب بانہالی سے متعلق ہے۔

پروفیسر مرغوب بانہالی ماہ صیام میں اس دنیائے بے مایہ سے خدائے رحمن و رحیم کی جنت با مایہ کو کوچ کر گئے تھے۔آں مرحوم میدان علم و ادب کی ہستیٔ تاباں تھے۔اس شجر پر بہار کے قلم سیال سے جو کتابیں صادر ہوئیں، ان کے نام 'جہان حمد و نعت' کے اسی شمارے کی پشت پر درج ہیں ۔سابقہ شمارے کے تعلق سے جب اس عاجز کا تبصرہ روزنامہ 'کشمیر عظمیٰ' میں شائع ہوا، تو آں مرحوم نے مجھے فون کیا اور نصف گھنٹہ بات چیت جاری رہی۔دوران گفتگو فرمایا کہ آپ نے مجھ سے متعلق جو کچھ لکھا ہے، یہ آپ کا حسن ظن ہے اور یہ شعر پڑھا ؂

میں کچھ بھی نہیں تجھ کو بھلا لگتا ہوں == عاشقی میں اسی ادا کو عدل کہتے ہیں

اور فرمایا کہ آپ کو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ نئی نسل میں صاف ذہن کے لوگ موجود ہیں۔ پروفیسر مرحوم کی اردو گفتگو میں فارسی کی آمیزش بھی کچھ اپنی ہی قسم کا لطف لیے ہوئے تھی۔دوران گفتگو ایک معروف اخبار کا ذکر آیا تو فرمایا کہ عجیب زمانہ ہے کہ اخبار کا نام عورت کے نام سے منسوب ہے اور اخبار کی گود میں کیسے کیسے باکمال اور ذی علم مردان عزیمت کی نگارشات لگائی جا رہی ہیں۔سرینگر

جہاں ان کی رہائش گاہ تھی، وہاں کا پتہ بھی بتایا تھا کہ جب کبھی کشمیر آنا ہوا تو غریب خانے پر ضرور تشریف لائیں اور میری کتابیں بھی مل جائیں گی۔ فرمایا کہ میں نے زیادہ تر کشمیری زبان میں لکھا ہے۔ میرے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں نے محسوس کیا کہ وادی میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ یہ لوگ وادی کے علاوہ دوسرے کشمیریوں کو دوسرے نمبر کا کشمیری مانتے ہیں اور خود کو اوّل نمبر کا کشمیری مانتے ہیں۔ میرا تعلق بانہال سے تھا، اس لیے میں بھی ان کے یہاں دوسرے نمبر کے زمرے کا آدمی تھا اور اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ میں کئی سال کشمیر یونیورسٹی میں شعبے کا ذمہ دار رہا ہوں۔ اس طرح اس ''نقلی'' نے ''اصلیوں'' کے درمیان رہ کر کشمیری زبان میں درجنوں کتابیں لکھیں۔ یہ کہتے ہوئے آپ کا تبسم باقاعدہ ہنسی میں تبدیل ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت خوشگوار موڈ میں بے تکلف گفتگو فرمائی۔ ان کی زندگی میں ان سے بالمشافہ ملاقات نہ ہو سکی، جس کا مجھے قلق رہے گا؛ البتہ چند بار فون پر ملاقات رہی۔ طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے بات خیر و عافیت سے زیادہ بڑھ نہ پائی۔ بہر حال مرغوب بانہالی مرحوم تو چلے گئے ہیں، مگر اجالے اپنی یادوں کے چھوڑ گئے ہیں۔ اس وقت جب کہ 'جہان حمد ونعت' کے دوسرے شمارے کا تذکرہ زیر قلم ہے، مرغوب بانہالی صاحب بہت یاد آ رہے ہیں۔ یقیناً وہ ایک عظیم علمی شخصیت، ادیب اور پیکر علم وتہذیب تھے۔ ہم نے ان کو ان کی زبان و قلم سے ہی پہچانا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دور علمی قحط الرجال کا ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ قحط الرجال کا رونا بھی قتل الرجال کا پیش خیمہ ہے، جو قابل توجہ بات ہے۔ یوں تو انسانوں سے دنیا بھری پڑی ہے، لیکن اگر علم و تحقیق اور تہذیب وشائستگی اور کمال و جامعیت کی تلاش کی جائے تو انسانی بازار میں یہ متاع گراں مایہ مشکل سے ملے گی۔ مرغوب بانہالی بڑے ذی علم تھے۔ وہ برسوں جہل کے اندھیروں میں جگنوئے علم کی روشنی بکھیرتے رہے۔ بالآخر وہ تصویر بھی دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی کہ جو حماقتوں کے فیشن میں تہذیب وشائستگی کا پیکر بنی ہوئی تھی۔ وہ آواز خاموش ہو گئی، جو اہل علم وادب کے لیے بانگ درا تھی۔ یقیناً اہل ادب کے لیے یہ حادثہ غم دوراں نہیں، بلکہ غم جاناں ہے، کیوں کہ وہ اس طبقہ کے لیے پیکر خلوص، رہبر اور قدم بہ قدم شریک سرپرست تھے۔ حمد ونعت گو اور حمد ونعت شناس شخصیت پروفیسر مرغوب بانہالی ہمارے درمیان اب نہیں رہے، لیکن ان کی خوبیاں اور ان کی نہ بھولنے والی پرکشش یادیں باقی رہیں گی۔ ان شاء اللہ ان کی تصنیفات فکر ونظر کی روشنی بکھیرتی رہیں گی۔ آں مرحوم کے انتقال پر ملال کے وقت میں ان کا سانحہ ارتحال نہیں لکھ پایا تھا اور موقع کی تلاش میں تھا۔ 'جہان حمد ونعت' کے اس (دوسرے) شمارے پر تذکرہ وتبصرہ ایک موزوں موقع معلوم ہوا، اس لیے چند سطریں

مسطور ہوگئیں، جو کہ ان کا ہم پر حق بھی تھا۔ لہٰذا اب میں اس مقام پر پہنچا ہوں کہ جہاں یہ تذکرہ ختم کیا جاسکتا ہے۔ اس شعر پر یہ راہرو قلم اس تذکرے کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

اکیلا ہوں مگر آباد کر دیتا ہوں ویرانہ == بہت روئے گی میرے بعد میری شام تنہائی

اب پھر مجلہ 'جہان حمد ونعت' کی بات۔ اس مجلّے کا نقش ثانی قابل رشک وقابل ستائش ہے اور ہمیں امید ہے کہ اس کتابی سلسلے سے علمی، ادبی اور فکری حلقوں میں بھرپور استفادہ کیا جائے گا۔ مجلہ 'جہان حمد و نعت' حمدیہ ونعتیہ ادب کے فروغ واشاعت کے لیے وقف ایک ادبی و تحقیقی مجلہ ہے، جو چند سال سے شائع ہورہا ہے اور اس کی اشاعت کامیابی سے ہمکنار ہورہی ہے۔ قابل صد مبارک ہیں 'نعت اکادمی' کشمیر اور ادارہ 'جہان حمد ونعت' کے اراکین، جو فی الحقیقت نہایت مخلصانہ طور پر اس اہم ترین ذمہ داری کو نبھانے میں مصروف عمل ہیں۔ یقیناً ان کے حوصلوں اور ولولوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا، بقول اقبال مرحوم۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے == ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

'نعت اکادمی' کشمیر اور ادارہ 'جہان حمد ونعت' اور ماہنامہ 'الحیاۃ' کی علمی وادبی سرگرمیاں ایک ایسے وقت میں شباب پر ہیں، جب کہ مطالعہ رختِ سفر باندھے ہوئے ہے۔ پڑھنے پڑھانے کی روایتیں دم توڑ رہی ہیں؛ افادہ واستفادہ کا شوق چرمرا رہا ہے؛ کتابوں اور کتب خانوں کی جگہ فحش اور اخلاق سوز لٹریچر لے رہا ہے۔ نتیجہ یہ کہ صالح اور تعمیری ذہن کے بجائے نئی اسلامی پود کے حصے میں فاسد افکار اور منفی سوچ کا شیوع ہورہا ہے اور بقول جناب سعود عثمانی۔

کیا وجہ ڈھونڈتے ہو خرابوں سے عشق کی::: دل خود بڑی دلیل ہے خوابوں سے عشق کی

کاغذ کی یہ مہک یہ نشہ روٹھنے کو ہے::: یہ آخری صدی ہے کتابوں سے عشق کی

حقیقت یہ ہے کہ انسان جس چیز سے اور جس روایت سے محبت کرتا ہے، اسے مٹتے دیکھ کر تکلیف محسوس کرتا ہے اور اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اہل نظر اسی لیے یہ تکلیف محسوس کر رہے ہیں کہ وہ کتابوں سے عشق کرتے ہیں۔ اگلی نسلوں میں یہ عشق، یہ محبت بہت کم ہے۔ ان کے لیے یہ محض ایک ذریعہ تعلیم ہے۔ ضروری ہے کہ ان میں یہ محبت پیدا کی جائے۔ چنانچہ یہ محبت، یہ الفت، یہ مزاج جن اسباب اور ذرائع سے پیدا ہوگا، ان میں ایک اہم ذریعہ یہ تصنیف وتالیف کا کام بھی ہے، بلکہ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ کثرتِ تالیف امت محمدیہ ﷺ کا اعجاز ہے، لیکن حسن انتخاب انسان کے ذوق سلیم کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اہل علم کا کتب خانہ حسن انتخاب کا نمونہ ہونا چاہیے۔

سرور علم ہے کیف شراب سے بہتر::: کوئی رفیق نہیں ہے کتاب سے بہتر

وبالاختصار!......'جہان حمد ونعت' کا زیر نظر شمارہ دلکش حمدیہ ونعتیہ منظومات اور بیش قیمت مضامین پر مشتمل بہترین گلدستہ کی شکل میں خوب صورت ٹائٹل اور عمدہ کتابت، بہترین کاغذ کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے۔ بلاشبہ یہ شمارہ اصحابِ ذوق کے لیے پاکیزہ تحفہ ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ اسے پڑھا جائے اور دینی وعصری دانش گاہوں کے کتب خانوں اور لائبریریوں تک اس کی رسائی کو ترغیب وتحریک کے ذریعے ممکن بنایا جائے اور یہی اس علمی اور ادبی دستاویز کا حق بھی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ عوام و خواص سب کے لیے مفید اور قابل مطالعہ کتاب ہے۔ خدا کرے ڈاکٹر جوہر قدوسی اپنی ادبی کاوشوں کو بڑھاتے رہیں......ع...... اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

● **ڈاکٹر ابو عائشہ** ، پارمپورہ، سری نگر، وادیٔ کشمیر

''مجلہ ''جہانِ حمد ونعت'' کا دوسرا شمارہ مطابق ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ (جولائی ۲۰۲۱ء) سامنے ہے، حسب سابق یہ شمارہ ڈاکٹر جوہر قدوسی کی فہم رسا، تبحر علمی، مدیرانہ ژرف نگاہی، مضامین کے حُسنِ انتخاب اور ترتیبی نُدرت کے علاوہ حمد ونعت گوئی سے ان کی طبعی مناسبت اور اس ضمن میں ان کے مقالات و مضامین کی جدّت طرازی کا غماز نظر آتا ہے۔ مجلہ حرفِ آغاز (از مدیر) اور ڈاکٹر ریاض مجید کی بہت ہی عمدہ اور فنّی تبحر پر مبنی ایک نظم (جس کے اخیر میں شاعر نے مجلّے کی سال اشاعت کی تاریخ بھی نکالی ہے) کے علاوہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ بابِ تفکرات: اس میں حمد ونعت نگاری کے فن اور آداب واسالیب پر مضامین شامل ہیں۔

۲۔ بابِ تدبرات: اس میں حمدیہ ونعتیہ شاعری پر تحقیقی وتنقیدی مضامین شامل ہیں۔

۳۔ بابِ تفہیمات: اس میں حمدیہ ونعتیہ فن پاروں پر تبصرے اور تاثرات شامل ہیں۔

۴۔ بابِ تصورات: اس میں حمد ونعت سے متعلق اصحابِ فکر ودانش کے منتخب اقوال شامل ہیں۔

۵۔ بابِ تخیّلات: اس میں شعرائے کرام کا منظوم حمدیہ ونعتیہ کلام شامل ہے۔

۶۔ بابِ تاثرات: اس میں نامہائے شوق، رقعاتِ ذوق اور مختلف نقطہ ہائے فکر پر مشتمل تحریرات شامل ہیں۔

۷۔ باب متفرقات: اس میں بعض اہم شخصیات کی وفات پر تعزیت درج ہے اور اُردو نعتیہ ادب کے رجل عظیم پروفیسر ریاض مجید کا انٹرویو شامل ہے۔

حرف آغاز (ادارے) میں مدیر محترم نے مجلّے کی ترتیب وتدوین کی روداد درج کی ہے۔ علاوہ

ازیں حمد و نعت کی حقیقت و ماہیت پر بھی سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔ نعت گوئی میں جن فکری و اعتقادی کجروی نے مرورِ ایام سے جگہ بنالی ہے جس سے اسلام کے عقیدۂ توحید میں شگاف ہونے کا خطرہ لاحق ہوا ہے، مدیر محترم نے اس پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اُردو میں غیر اسلامی نظریات، ہندی، ہندوستان اور ہندوانہ اثرات، غیر شرعی عناصر، مشرکانہ عقائد، باطل اعتقادات اور کجروی سے بھرپور فکری رویوں کے علاوہ ایک اور پہلو جس کی جانب توجہ مبذول کرانا مطلوب ہے نعتوں کی قرأت اور پیشگی کے انداز و آہنگ سے تعلق رکھتا ہے''۔ (ص ۱۱)

۵۱۲ صفحات پر مشتمل ضخیم مجلّے کی ترتیب و تدوین کوئی آسان کام نہیں۔ اس میں کتنی مشکلات در پیش آتی ہیں اس کا اندازہ اس راہ کے سالک ہی لگا سکتے ہیں۔ یہ نہایت صبر آزما اور فکر و نظر کو جذب کرنے والا کٹھن اور آزمائش کُن عمل ہوتا ہے۔ مدیر محترم پوری علمی و فکری و ادبی برادری کی طرف سے لائق صد تحسین و تبریک ہیں کہ انہوں نے تن تنہا اس دشوار گذار گھاٹی کو کامیابی کے ساتھ عبور کیا جو ان کے اجتہاد و اخلاص، تحمل اور مزاجِ شکیبائی کا مظہر ہے۔ پروفیسر ریاض مجید کی نظم ان کے فنی تبحر اور صنعت شعر گوئی پر مجتہدانہ گرفت کی طرف اشارہ کر رہی ہے ؎

خوش آمدید یہ سعد ارمغان حمد و نعت
مبارک اہلِ ارادت جہانِ حمد و نعت
سرینگر کے افق پر کس اہتمام کے ساتھ
ہوئی ہے جلوہ نما کہکشانِ حمد و نعت

انہوں نے سالِ اشاعت کی تاریخ بھی نکالی ہے ؎

ملا کے ''جنتِ فردوس'' کے عدد سے نکال
تو مالِ فرخِ طبع جہانِ حمد نعت

اس میں جنت فردوس کے نون کو بہ تخفیف پڑھنے سے ۸۰۳ کا عدد بر آمد ہوتا ہے اور جہانِ حمد و نعت سے ۶۳۷ کا عدد بر آمد ہوتا ہے۔ ان کے مجموعے سے ۱۴۴۰ کی تاریخ بر آمد ہوتی ہے۔

بابِ تفکرات کا پہلا مضمون سید عرفان اللہ کا ہے، جو حمدیہ شاعری کا فکری اور اسلوبیاتی تجزیہ کرتا ہے۔ اس میں سید عرفان نے یہ شکایت درج کی ہے کہ شعری منظر نامے میں حمد کے لیے الگ سے کوئی مشاعرہ منعقد نہیں ہوتا ہے۔ دوسرا مضمون جاوید حسین کا ہے اس میں نہج البلاغہ کے حوالے سے یہ بات

کہی گئی ہے کہ اللہ کی حمد و مدح کرنے سے مخلوق عاجز ہے۔ اس میں حضرت علیؓ کے اس قول سے استشہاد کیا گیا ہے "لا یبلغ مدحته القائلون"۔ "اردو رباعی میں حمد نگاری کے نقوش"، یہ امیر حمزہ کا مضمون ہے۔ مضمون نگار نے اُردو رباعیات میں حمدیہ پیشکش پر قلم فرسائی کی ہے۔ انہوں نے انیس، دبیر، امجد، فراق، جوش، ظہیر غازی پوری، اصغر ویلوری، ناوک حمزہ پوری، فراغ روہوی، حافظ کرناٹکی، التفات امجدی جیسے شعراء کی رباعیات پر اظہار خیال کیا ہے۔ تنویر پھول کا مضمون "حمد و نعت میں الفاظ کا نامناسب استعمال" اس باب کا اگلا مضمون ہے۔ مضمون نگار نے اُن الفاظ کے استعمال پر گرفت کی ہے جو نعت جیسی پاکیزہ صنف کے شایانِ شان نہیں۔ البتہ اس ضمن میں انہوں نے پاکستان کے کسی اسکالر شکیل احمد ضیا کی تالیف اسلامیات حصہ دوم کے صفحہ ۳۱۰ سے ایک اقتباس نقل کیا ہے۔ ذیل میں پہلے وہ اقتباس نقل کیا جاتا ہے اس کے بعد تنقیدی زاویے پر اس پر ایک نگاہ ڈالی جائے گی۔

"کتب احادیث میں روایات صحیحہ کے ساتھ ساتھ اس قسم کی حدیثیں بھی موجود ہیں جن کی صحت پر ایمان لانے کے بعد کوئی شخص ہرگز مسلمان نہیں رہ سکتا۔ مثلاً مشکوٰۃ شریف میں امام بخاری کی حسب ذیل روایت صریح کفر کی حامل ہے۔

"عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ بعثت من خیر قرونِ بنی آدم قرناً فقرناً حتی کنت من القرن الذی کنت منه"۔

مترجم مشکوٰۃ ہی سے صاحبِ کتاب نے اس کا یہ ترجمہ نقل کیا ہے۔

"ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مجھ کو بنی آدم کے بہترین طبقوں میں قرن کے بعد قرن (یعنی ہر قرن) میں پیدا کیا گیا ہے یہاں تک کہ میں اس قرن میں ہوا جس قرن سے کہ میں ہوں"۔

اس پر ضیاء صاحب نے یہ گرہ لگائی ہے۔

"یہ حدیث کسی ایسے شخص کی وضع کردہ معلوم ہوتی ہے جو ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ (آواگون) کا قائل ہوتا۔ میں تمام دینی اور علمی ذمہ داریوں کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ جو اس کے تمام معنوی مضمرات کو سمجھ لینے کے بعد بھی اس پر ایمان رکھتا ہے، وہ صریحاً کافر ہے"۔

حدیث بالا امام بخاری نے کتاب المناقب باب صفة النبی میں نقل کی ہے۔ یہ حدیث سنداً اور متناً بالکل صحیح ہے البتہ ناقل جناب شکیل احمد ضیاء کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عربیت میں ذوق کی کمی اور قلتِ فہم حدیث کے سبب انہوں نے اس کے بالکل غلط معنی سمجھے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے یہ

حدیث تقریباً پچھلے ڈیڑھ ہزار سال سے بخاری شریف میں موجود ہے۔ بخاری شریف کو ہر زمانے میں پڑھا گیا، اس کی شرحیں لکھی گئیں، بڑے بڑے کبار فقہاء، محدثین، محققین و مدققین نے اس پر اپنی وسیع اور شاندار تعلقات و شروحات رقم کیں۔ ان میں سے کسی ایک نے اشارتاً اور کنایتاً بھی یہ بات نہیں کی ہے جو آج شکیل احمد ضیا صاحب پر الہام ہوئی ہے۔ اگر ضیا صاحب واقعی اپنی دینی اور علمی ذمہ داری سمجھتے ہوتے تو کم از کم ثقہ اور مستند علماء سے رابطہ کر کے اس کے معنی دریافت کرنے کی کوشش کرتے اور اپنی کمزور فہم کے باوصف دھڑلے سے یہ دعویٰ نہ کرتے کہ یہ حدیث کسی ایسے شخص نے وضع کی ہے جو ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ کا قائل ہوگا۔ اس حدیث کے معنوی مضمرات تو واقعی ضیاء صاحب کے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں اور یقیناً ان پر کفر ہی کا اطلاق ہونا چاہیے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ذات مقدس کے بارے میں یہ بات نہیں فرمارہے ہیں کہ میں ہر قرن میں موجود تھا اور اب اس قرن میں میرا ظہور ہوا ہے۔ **نعوذ باللہ من هذه الهفوات**۔ یہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے آباء واجداد کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ میرا تعلق جن آباء واجداد اور قبائل و خاندانوں سے رہا ہے وہ سب اپنے اپنے زمانے میں سب سے بہترین شخصیات اور بہترین قبیلے رہے ہیں یہاں تک اب جس خاندان و قبیلے میں، میں پیدا ہوا ہوں یہ بھی تمام قبائلِ عرب میں سب سے بہترین قبیلہ ہے۔ یہی مطلب ہے اس عبارت کا

"بعثت من خير قرون بنی آدم قرناً فقرناً حتیٰ كنت من القرن الذی كنت منه"

یعنی مجھے بنی آدم کے ہر قرن میں گذری ہوئی بہترین نسل میں پیدا کیا گیا ہے یہاں تک کہ مجھے اس قرن میں بھی سب سے بہترین نل میں پیدا کیا گیا جس میں سے میں اب ہوں۔ یہ مضمون کئی احادیث میں بیان ہوا ہے۔ اگر ضیاء صاحب کی نظر ان احادیث پر ہوتی تو ایسی فاش غلطی کا ارتکاب نہ کرتے۔

طبرانی نے معجم وسیط میں ابو ہریرہ ہی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"ان الله حين خلق الخلق بعث جبريل، فقسم الناس قسمين، فقسم العرب قسماً و قسم العجم قسماً، وكانت خيرة الله فى العرب، ثم قسم العرب قسمين فقسم اليمن قسماً و قسم مضر قسماً، و كانت خيرة الله فى قريش ثم اخرجنى من خير ما أنا منه (قال الهيثمى فى مبلغ الأدب سندهٗ حسن)۔

اللہ تعالیٰ نے جب مخلوقات کو پیدا کیا تو جبرئیل کو بھیجا۔ اس نے لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ عرب اور عجم، چنندہ لوگ عربوں میں تھے، پھر عرب کو تقسیم کیا۔ یمن اور قریش، چنندہ

لوگ قریش میں گذرے، پھر مجھے سب سے افضل خاندان میں سے نکالا جس میں سے میں اب ہوں۔ امام ہیثمی نے مبلغ الأدب میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

مسلم شریف میں واثلہ بن اسقع سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔

ان اللہ اصطفی کنانۃ من ولد اسماعیل واصطفی قریش من کنانۃ و اصطفی من قریش بنی ہاشم و اصطفانی من بنی ہاشم

اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں کنانۃ کو منتخب کیا، اور کنانۃ میں قریش کو منتخب کیا، پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب کیا اور پھر بنی ہاشم میں مجھے منتخب کیا۔

گویا اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی شرافت نسبی بیان فرما رہے ہیں نہ یہ کہ میں عقیدۂ تناسخ کے مطابق ہر زمانے میں موجود تھا اور اب میرا ظہور ہوا ہے۔ میں بہت متعجب ہوں کہ اتنی کج فہم کے باوجود ضیاء صاحب اور ان کی قماش کے دوسرے لوگ اسلامیات کے موضوع پر خامہ فرسائی کی زحمت ہی کیوں اٹھاتے ہیں۔

اس حدیث کی بعض لوگوں نے ایک صوفیانہ شرح بھی کی ہے وہ یہ کہ اس حدیث میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آدم علیہ السلام سے لے کر آگے آنے والی نسلوں میں منتقل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی جو نور آدم علیہ السلام کی پشت میں ڈالا گیا اور جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کی پیشانی پر چمکا پھر اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قالب میں ظہور کیا اور اس میں اُسی نور کے ہر صدی و قرن کے بہترین خاندانوں اور قبیلوں میں منتقلی کی خبر دی گئی ہے۔ بہر حال مآلِ کار دونوں کا ایک ہی ہے کہ آواگون کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

آگے تنویر پھول صاحب نے اپنی گرہ لگائی ہے۔

''غالباً اسی روایت کا سہارا لے کر مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو اُسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا جنم قرار دیتے ہیں''۔ (نعوذ باللہ)

میں پھول صاحب سے کہنا چاہتا ہوں کہ یہ کوئی اصول نہیں کہ جو حدیث سنداً اور متناً صحیح ہو اور پھر کوئی باطل شخص اس سے اپنے مزعومات پر دلیل لے تو ہم اس روایت ہی کو جعلی قرار دیں۔

''غالباً'' کا لفظ بتا رہا ہے کہ خود تنویر پھول صاحب کو بھی یہ یقین نہیں ہے کہ مرزا ملعون نے اپنی ہفوات پر اس حدیث سے بھی دلیل لی ہے یا نہیں۔ انہیں چاہیے کہ اس موضوع پر ابھی مزید مطالعہ کریں۔

اس باب کا اگلا مضمون ڈاکٹر تابش مہدی کا ''نعت: مفہوم اور تقاضے'' ہے۔ تابش مہدی ایک کہنہ

مشق قلمکار، ادیب و دانشور ہیں۔ انہوں نے تفصیل کے ساتھ ان ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں کا ذکر کیا ہے جو صنفِ نعت میں اکثر واقع ہوتی ہیں۔

''فنِ نعت گوئی: چند غور طلب نکات'' اس کے مضمون نگار ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری ہیں۔ اس میں نعت گوئی کے حوالے سے اکثر نعت گو حضرات سے صادر ہونے والی اعتقادی لغزشوں پر تنقیدی نگاہ ڈالی گئی ہے۔ ڈاکٹر فتح پوری لکھتے ہیں:

''اگر شاعر کے ہاتھوں ذات اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قاب قوسین وادنیٰ کی حد بندی توڑ کر الوہیت میں مدغم ہو جاتی ہے تو یہ شرک ہے''۔ (ص ۵۲)۔

اگلا مضمون علیم صبا نویدی کا ہے ''اُردو میں نعت گوئی کا فن: ایک تاریخی جائزہ''۔ اس مضمون میں مضمون نگار نے اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر قلی قطب شاہ سے نعت گوئی کی تاریخ بیان کی ہے۔ مضمون نگار نے لکھا ہے کہ اگرچہ ہر دور میں صوفی شعراء کے کلام میں نعتیہ اشعار ملتے تھے مگر باقاعدہ نعت گوئی نہیں تھی۔ اس کے بعد جوں جوں وقت گذرتا گیا نعت گوئی بھی ایک مستقل صنف کی صورت میں سامنے آتی گئی۔ اس ضمن میں شاعر نے ولی دکنی، سوداؔ، میرؔ، مومنؔ، غالبؔ وغیرہ کی کوششوں کو سراہا ہے۔ انہوں نے حافظ لطف علی خان بریلوی، امیر مینائی اور محسن کاکوروی کو اس سفر کا اہم ترین سنگ میل قرار دیا ہے۔ انہوں نے نعت گو شعراء کی ایک فہرست بھی دی ہے اور ان کے نعتیہ مجموعوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ مضمون کافی معلوماتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی کا مضمون ''نعتیہ شاعری کے آداب اور اسالیب'' اس باب کا اگلا مضمون ہے۔ اس میں بھی نعت گوئی کے ضمن میں شرعی حدود و قواعد کو پیشِ نظر رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔

اگلا مضمون ڈاکٹر محمد معروف شاہ کا ہے اس کا عنوان ہے 'نعت نغمۂ زندگی ہے (فیض احمد فیض کے خصوصی حوالے سے)۔ اس مضمون کا لب لباب یہ ہے کہ ہر چند فیض پر ان کی دہریت اور جدلی مادیت پر ایمان کے الزامات عائد کئے گئے ہیں تاہم ان کی نعت اعلیٰ پایہ کی ہے۔

عبداللہ سلمان ریاض کا مضمون ''نعت گوئی اور اس کے آداب'' اس سلسلے کا اگلا مضمون ہے۔ اور اسی ملک مروارید سے تعلق رکھنے والا دوسرے مضامین میں ریاض احمد کا ''نعت گوئی کا فن اور اس کے تقاضے'' نثری نعت ایک تعارف (از ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی) شامل ہیں۔

اس باب کا اگلا مضمون مدیر جہاں حمد و نعت کا ہے۔ اس کا عنوان ''حقیقت نگاری: نعت گوئی کا ایک لازمہ'' ہے۔ جیسا کہ عنوان ہی سے ظاہر ہے کہ اس میں نعت گوئی میں حقیقت نگاری کے حوالے گفتگو کی گئی

ہے۔ نعت گوئی میں ہر چند مبالغہ نے کوئی مفرض نہیں لیکن اس مبالغہ آمیزی میں بھی ایک حد و معیار کی بہر حال ضرورت ہے۔ جو کہ شریعت اسلامی نے پہلے ہی طے کر رکھا ہے۔ مضمون نگار نے مفتی محمد شفیع، مولانا مودودی، علامہ یوسف بنوری، مولانا محمد گوندلوی کے اقوال بھی اپنے موقف کی تائید میں نقل کیے ہیں۔

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت اور دل کی بات" یہ علی محمد عاجز کا مضمون ہے۔ یہ مضمون گویا قرآن کریم کی آیت ان اللہ و ملئکتہٗ... کی توضیح و تفسیر ہے۔ اس میں صلوٰۃ کے لغوی اور اصطلاحی معانی پر گفتگو کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ اقدس میں غلو سے احتراز پر بھی تنبیہ ملتی ہے۔

اگلا مضمون حافظ مقصود احمد ضیائی کا "نعت گوئی اور آدابِ نعت گوئی" ہے۔ اس میں بھی دیگر مضامین کی طرح نعت گوئی کے آداب پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس پر باب تفکرات ختم ہوتا ہے۔

اگلے باب تدبرات کا پہلا مضمون راقم کے قلم سے ہے جس میں حسانؓ بن ثابت کی نعت گوئی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے مختلف ابعاد پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس کے بعد غلام علی گلزار کا مضمون "کشمیری مراثی میں حمد و نعت کا شرعی معیار" ہے۔ مراثی کے شروع میں حمد و نعت کا رواج قدیم زمانے ہی سے رائج ہے۔ البتہ کشمیری زبان میں جو مراثی کہے گئے ہیں ان کی ابتداء میں حمد و نعت کے معیار پر مضمون نگار نے یہ مضمون قلمبند کیا ہے۔

اس باب کا اگلا مضمون رئیس احمد صمدانی کا بعنوان "شیخ محمد ابراہیم آزاد کی حمد نگاری" ہے۔ شیخ محمد ابراہیم آزاد کا نعتیہ دیوان "ثنائے محبوب خالق" کی شروعات حمد نگاری سے کی گئی ہے۔ اس کو مضمون نگار نے اپنا موضوع بنایا ہے۔

اگلا مضمون علیم صبا نویدی کا "محمد علی اثر کی حمدیہ اور نعتیہ رباعیات" ہے۔ فنِ رباعی یوں بھی نقادوں کی نظر میں ایک مشکل فن ہے جب اس میں حمد و نعت کے مضامین نظم کیے جائیں تو مشکلیں اور زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔ لیکن اثرؔ نے اس میدان میں بہترین مثالیں قائم کی ہیں۔ مضمون نگار نے اثر کی حمدیہ اور نعتیہ رباعیات کو اپنا موضوع بنایا ہے۔

اگلا مضمون کشمیری شاعری میں نعتیہ عناصر ہے۔ اس کے مضمون نگار ڈاکٹر حیات عامر ہیں۔ یہ مضمون دراصل شیخ نورالدین ولی ریشی کے عارفانہ کلام کے نمونے پیش کرتا ہے اور جس میں مضمون نگار نے شیخ کی نعت گوئی کے ابعاد کی نشاندہی کی ہے۔

اگلا مضمون ڈاکٹر تابش مہدی کا ہے۔ اس مضمون میں کا عنوان ہے "بیسویں صدی کے پانچ اہم نعت نگار"۔ اس میں ماہر القادری، حمید صدیقی لکھنوی، شہباز صدیقی امروہوی، ابوالمجاہد زاہد اور مولانا ثانی

حسنی ندوی کی نعت گوئی کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں ۔ یہ کافی معلوماتی مضمون ہے ۔ مذکورہ بالا پانچ کہنہ مشق نعت نگاروں کی نعتیہ خصوصیات کو اس مضمون میں قلمبند کرنا مضمون نگار کی دقت نظر اور اسلوب نگاری کی ایجازی خصوصیات پر دال ہے۔

اس باب کا اگلا مضمون ہے ''دیارِ ہند کے چند ممتاز نعت گو شعراء'' ۔اس کو علیم صبا نویدی نے تحریر کیا ہے۔ مضمون نگار نے محبوب راہی، قمر سنبھلی، سیفی سرونجی، امجد حسین حافظ کرناٹکی، محمد علی اثر، رئیس احمد نعمانی اور ارشد میناپوری کی نعت گوئی پر اظہار خیال کیا ہے۔ یہ مضمون بھی کافی معلوماتی ہے اور فن نعت گوئی کی تنقید سے مضمون نگار کی مناسبت اور گہری واقفیت پر روشنی ڈالتا ہے۔ مضمون نگار نے درج بالا نعت گو شعراء حضرات کے کلام کا نمونہ بھی پیش کیا ہے۔

علیم صاحب نے مولانا کوکب نورانی کا ایک اقتباس نقل کیا ہے جو نعت گوئی کی تنقید کے حوالے سے لائقِ مطالعہ ہے۔

> ''نعت شریف کا ذکر ہو تو لفظ و بیان، طرز و بیان اور معانی و مفاہیم ہی نہیں، عقائد و نظریات کی بھی بات ازبس لازمی ہے۔ قرآن و حدیث، سنن و آثار، معجزات و غزوات اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکار ہوتے ہیں۔ (نعت کہے تو) عقیدہ و عقیدت کا اور خیال و حقیقت کا فرق معلوم ہوا اور معلومات کی صحیح اور پوری فہم کے ساتھ کہے'' ۔(ص ۲۰۶)

اگلا مضمون مفتی محمد اسحق نازکی قاسمی (استاد دار العلوم رحیمیہ بانڈی پورہ) کا ہے۔اس کا عنوان ہے ''کشمیر کے سات عربی نعت گو شعراء'' ۔اس میں کشمیر کے ان سات شعراء کی حیات اور کلام کے بارے میں باختصار اظہار خیال کیا گیا ہے۔ یہ شعراء درج ذیل ہیں: حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت ملا نازک کشمیریؒ، حضرت مُلا طیب نقشبندی کشمیریؒ، حضرت شیخ میر سید عبداللہ بیہقیؒ، میر سید معین الدین تارہ بلی منطقی بیہقی حسینیؒ، مولانا محمد امین صاحب واجدیؒ، حضرت مولانا عبدالرشید صاحب شوپیانیؒ۔ مفتی صاحب اپنے مختصر پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

> ''احقر نے بکمالِ اختصار اپنے اسلاف میں سے صرف سات حضرات کے حمدیہ و نعتیہ کلام عربی کو یہاں نقل کیا ہے۔ پہلے ہر ایک کا مختصر تعارف کرایا ہے، پھر ان کا تخلیقی کلام صحتِ اعراب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد ترتیب کے ساتھ نمبروار سلیس ترجمہ (آزاد ترجمہ) کیا ہے، ہر صاحب کلام کی خدمت میں ایک شعر بطور نذرانہ بھی پیش کیا ہے'' ۔

''رسا جاودانی (عبدالقدوس) کی نعتیہ شاعری'' ، یہ اس باب کا اگلا مضمون ہے۔ اس کو ڈاکٹر محمد

اسد اللہ وانی نے تحریر کیا ہے۔ ''رسؔا جاودانی'' جموں وکشمیر کے ادبی منظرنامے کی ایک معتبر شخصیت تھے۔ انہوں نے اُردو اور کشمیری میں طبع آزمائی کی اور بہت جلد ان کا شمار اساتذہ میں ہونے لگا۔ مضمون ہٰذا میں مضمون نگار نے رسؔا کی نعت نگاری پر اظہار خیال ہے۔ ابتداء میں مطلق نعت گوئی پر بات کی گئی ہے۔ پھر رسا جاودانی کے بارے میں مضمون نگار نے اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ مضمون نگار لکھتے ہیں:

''کلیاتِ رسا جاودانی میں اُردو اور کشمیری کا جو حصہ رسؔا کے نعتیہ کلام پر مشتمل ہے وہ محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تئیں اُن کے جذبات واحساسات کا ترجمان اور عکاس ہی نہیں بلکہ عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سند بھی ہے''۔

مضمون نگار نے رسؔا کے اُردو اور کشمیری کے نعتیہ کلام کے نمونے بھی پیش کیے ہیں۔

اس سلسلے کا اگلا مضمون پروفیسر حمید نسیؔم رفیع آبادی کا ہے۔ اس مضمون میں مضمون نگار نے علامہ اقبال کے خصوصی حوالے سے نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ مضمون بھی کافی معلوماتی ہے اس میں اولاً فن نعت گوئی کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اس میں مضمون نگار نے ڈاکٹر عارف قاضی، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی کے اقتباسات اور حسانؓ بن ثابت، کعبؓ بن زہیر، صفیہؓ بند عبدالمطلب، امام بوصیریؒ، مولانا عبدالرحمان جامیؒ، سعدیؒ، رومیؒ، مولانا احمد رضاؒ خان صاحب بریلوی، مولانا ماہر القادریؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ اور حامد بریلویؒ کے نمونۂ کلام پیش کئے ہیں۔ اس کے بعد علامہ اقبال کی نعت گوئی کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:

''علامہ اقبال نے سب سے جُداگانہ انداز اختیار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بطورِ اُسوۂ حسنہ اور اُسوۂ کاملہ بنا کر اپنے شعروں میں پیش کیا۔ اس کے برعکس اکثر وبیشتر شعراء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اُسوہ پر زور دینے کے بجائے معجزات کو زیادہ موضوعِ بحث بنایا ہے۔ مگر اصل جو نعتیہ شاعری کا عربی لب ولہجہ دورِ رسالت میں سامنے آتا ہے وہ معجزات سے زیادہ اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کے ان پہلوؤں کو زیادہ نمایاں کرتا ہے اور طرز عمل سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مقصدِ نعت خوانی کو پیوست کر دیتا ہے یہاں اسلام کا دفاع اور دشمنانِ اسلام کو مقصدِ نبوت سے آشنا کرنے کا اہتمام بھی ہے اور محبت کی عجیب سرمستی، اعتدال وتوازن کی ایک نادر ادا لیے موجود ہے''۔ (ص ۲۴۹)

پروفیسر صاحب نے علامہ اقبال کے چُنیدہ اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

علیم صبا نویدی کا ایک مضمون ''جنوبی ہند کی دو خواتین نعت نگار'' شاملِ باب ہے۔ اس میں ایک

خاتون بی بی عاجزہ کا تعلق تمل ناڈو سے رہا ہے۔ دوسری خاتون ''نواب بیگم اُمۃ الحی مبشر النساء حیاؔ'' کا تعلق آرکاٹ کے شاہی خاندان سے تھا۔ صباؔ نے دونوں خواتین کا علمی پس منظر بیان کیا ہے اور اُن کے کلام کے نمونے بھی دیئے ہیں۔

دیگر مضامین میں ڈاکٹر غفور شاہ قاسم کا ''حفیظ الرحمٰن احسنؔ کی حمدیہ ونعتیہ شاعری''، مدیر مجلہ کا ''الطاف حسین حالیؔ کی نعتیہ شاعری''، پروفیسر شفیق کھوکر کا لالۂ صحرائی: ایک منفرد نعت گو شاعر''، علی محمد عاجز کا ''جہانِ حمد ونعت کے اوّلین شمارے میں شامل نعتیہ کلام کا ایک مختصر جائزہ'' خاکی محمد فاروق کا ''نظام الدین سحر اور اُن کی حمدیہ ونعتیہ شاعری''، شمس الدین شمیم کا ''مشتاق فریدی کی نعت گوئی'' ہے۔

یہ تمام مضامین بھی نہایت اہم اور تحقیقی نوعیت کے ہیں۔

''تفہیمات'' کے باب میں مختلف مجلّات یا مجموعات پر اہلِ قلم کے تنقیدی وتجزیاتی تبصرے شامل ہیں۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری نے ڈاکٹر اشفاق انجم کا مجموعہ کلام ''صلوا علیہ وآلہٖ'' پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اشفاق انجم کا شعر درج ذیل نقل کیا ہے:

تن بے سایہ ایسی لطافت کس کی ہے
نور کا پیکر نور کی صورت کس کی ہے

اس شعر میں ''تنِ بے سایہ'' واقعہ کے مطابق نہیں ہے کیونکہ کہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ تھا۔

ڈاکٹر اسماعیل نے ''انا نور من نور اللہ'' کو حدیثِ رسول قرار دیا ہے حالانکہ یہ حدیث نہیں ہے۔ ہاں ''اوّل ما خلق اللہ نوری'' کے الفاظ بعض روایتوں میں وارد ہوئے ہیں لیکن علماء نے ان کے وضعی ہونے کی تصریح کی ہے۔ واللہ اعلم۔

ڈاکٹر اسماعیل نے اشفاق انجم کے مجموعۂ نعت کے ص ۴۱ پر تحریر ایک نعت میں وارد لفظ ''گنبدِ خضراء'' پر گفتگو کی ہے۔ ان کے نزدیک گنبد فارسی ہے اور مذکر ہے اور خضریٰ عربی ہے اور مونث ہے۔ ان کو مرکب توصیفی کی صورت میں لازماً درست نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بہت سے اہلِ زبان اس طرح کی سوچ رکھتے ہیں اور بظاہر مضمون نگار نے ان ہی کا تتبع کیا ہے لیکن بعض علماء کی یہ تجویز بھی قابلِ غور ہے کہ اس ترکیب میں چنداں قباحت نہیں کیونکہ اُردو عربی اور فارسی سے ایک الگ اور منفرد اور مستقل زبان کا درجہ رکھتی ہے۔ یہاں تراکیب کے استعمال میں عربی وفارسی قواعد کی پابندی ضروری نہیں۔

''علمہٗ شدید القویٰ'' میں علمہ کا ضمیر اللہ کو قرار دیا ہے جب کہ جمہور مفسرین کے نزدیک

یہاں فرشتہ مراد ہے۔ مضمون نگار کو امی کا ترجمہ ان پڑھ کرنے پر بھی تحفظ ہے۔ حالانکہ ان پڑھ ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے حق میں عیب نہیں خوبی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ دنیوی شخصیات میں کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استاد نہیں۔

اس سلسلے کا اگلا مضمون شاہ محمد اجمل فاروق ندوی کا ''ہمارے عہد کے نعت گو شخصیات'' کا ہے۔ ملک نواز احمد اعوان نے سید صبیح الدین صبیح رحمانی کے مرتب شدہ مجلہ ''نعت رنگ'' پر تبصرہ کیا ہے۔

تصورات کے باب میں مشاہیر علماء ادباء کے فن نعت کے متعلق اقوال وارشاد نقل کئے گئے ہیں۔ باب تخیلات میں مختلف شعراء کا حمدیہ و نعتیہ کلام شامل کیا گیا ہے۔ باب تاثرات میں علماء و ادباء اور اہل ادب وقلم کے خطوط شامل کئے گئے ہیں۔ ان خطوط میں مجلّے کے تئیں اظہار رائے بھی کیا گیا ہے اور مقالات ومضامین پر تنقیدی نظر بھی ڈالی گئی ہے اور ساتھ ہی تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔ مضمرات و مجملات کی توضیح بھی ملتی ہے۔ آخری باب متفرقات کے عنوان سے ہے۔ اس میں شاعرِ توحید پروفیسر مرغوب بانہالی، پروفیسر حامدی کاشمیری کے تئیں اُن کی وفات پر خراج تحسین پیش کیا گیا ہے اور ان کی علمی وادبی خدمات کا تعارف دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اُردو نعتیہ ادب کے رجل عظیم پروفیسر ریاض مجید کا انٹرویو بھی شامل کیا گیا ہے۔

❋ ❋ ❋

● مفتی محمد اسحٰق نازکی، بانڈی پورہ، کشمیر

حمد ونعت کا جہان، مجھے لگتا ہے، اتنا ہی قدیم ہے، جتنا قدیم خود حضرت انسان کا وجود ہے۔ بالفاظِ دیگر بنی نوع انسان کا اصلِ اصول اور بنیاد سیدنا حضرت آدم (علیہ السلام) کی ذات والا صفات ہے۔ آپؑ قرآن وسنت، احادیث وآثار اور اجماعِ امت وجدید تحقیقات کی روشنی میں پہلے انسان اور پہلے پیغمبر ہیں۔ اس اوّل انسان کی زبان مبارک پر خالق ارض وسماء اور مالک زمین وزمان کا نام تھا، اسی کی حمد وثنا کے نغمے تھے، اسی کی تسبیح وتہلیل، اسی کی تمجید وتکبیر اور اسی کی توحید کے گیت تھے، اسی کی عظمت و کبریائی اور شام وسحر ولیل ونہار، اسی کے گن وہ گاتے تھے۔ جنت میں آپ اپنی اہلیہ محترمہ یعنی پوری انسانیت کی ماں کے ساتھ ایک مدت تک رہے، کوئی کام آپ کا اس کے علاوہ نہیں تھا، پھر جب آپؑ کو ربانی مصلحتوں کے تحت دنیا میں بھیجا گیا تو یہی دھن تھی اور اسی میں مگن تھے۔ ساتھ ہی ساتھ یہاں تلاش معاش کے حوالے سے کشاورزی کرنی پڑی۔ چنانچہ آپ کا پیشہ کاشتکاری تھا، مگر اپنے مولائے حقیقی سے

کبھی بھی غافل نہ رہے اور ''جہانِ حمد وثنا'' کو برابر آباد کرتے رہے۔

آپؑ مجموعی طور پر دنیا میں ایک ہزار سال زندہ رہے۔ اولاد بھی کافی تعداد میں تھی۔ اپنی اولاد کو اور ان کی معرفت سے دنیا کو حضرت نبی آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام و کام کے ساتھ تذکرہ فرمایا کہ ان کا نام ''محمد'' ہوگا، یعنی قابل تعریف ذات اور مستحقِ نعت و منقبت ذات، جن کی تعریف کی گئی۔ جن کا تذکرہ ہو رہا ہے اور آئندہ بھی اہل زبان ان کے تذکرہ کرتے رہیں گے۔ اس طرح کوئی سات ہزار سال سے ''جہانِ حمد وثنا'' کے ساتھ ''جہانِ نعت'' آباد ہے اور آباد رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ جیسا کہ حدیث قدسی ہے : کُلَّمَا ذکرت ذکرتَ۔ اے میرے محبوب! جب تک میرا یعنی حضرت اللہ جل مجدہٗ کا تذکرہ ہوتا رہے گا، آپ کا بھی میرے ساتھ تذکرہ ہوتا رہے گا۔ اور اس کا عینی مشاہد سارا عالم ہے۔ بحر و بر ہو، صحرا و بیابان ہو، عرب و عجم ہو، جہاں کہیں انسانی آبادی ہے، وسعتِ افلاک میں جہاں تکبیر مسلسل ہے، یعنی جہاں حمد وثنا ہے، وہاں عقیدۂ توحید کے ساتھ ساتھ عقیدۂ رسالت محمدیہ اور نبوت احمدیہ (علیٰ صاحبہا التسلیمات) کی نغمہ سرائی بھی ہوتی ہے۔ اس طرح تسلسل کے ساتھ یہ ''جہانِ حمد ونعت'' آباد رہے اور آباد رہے گا۔ ولو ثقل علی المنافقین۔ جی ہاں اگر زمین کے سارے درخت قلم بن جائیں اور دنیا بھر کے سب سمندر روشنائی بن جائیں، تب بھی ''جہانِ حمد وثنا'' ختم نہیں ہوگا، جیسا کہ سورۂ لقمان کی آیت نمبر ۲۷ میں اس کی وضاحت آئی ہے۔

وَلَو اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ۔

عارف رومی حضرت شیخ جلال الدینؒ کیا خوب فرما گئے ہیں ؎

لا یمکن الثنا کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر(۱)

اسی طرح ''ذکرِ رب'' اور ''ذکر مربوب'' سے یہ ''جہانِ حمد ونعت'' آباد رہے گا۔ وَلَو کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔ اِدھر قرآنی شہادت ہے: وَرَفعنا لك ذكرك۔ اور ہم نے (اے ہمارے پیارے!) آپ کے تذکرے کو (آپ کے نام و کام کو، آپ کے مشن کو، آپ کے پیغام کو، آپ کی سیرت و صورت کو

(۱) : اس شعر کو (جو دراصل ایک نعتیہ رباعی ہے) بعض لوگوں نے شیخ سعدی شیرازی کی طرف منسوب کیا ہے اور بعض نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی طرف۔ ایک قول جو بظاہر مرجوع ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی طرف منسوب کرتا ہے۔ میری معلومات کی حد تک اس کو کسی نے بھی مولانا رومی کا شعر نہیں کہا ہے۔ واللہ اعلم مفتی صاحب زید مجدہ کا ماخذ کیا ہے؟[م]

اور آپ کے دین کو ہر اعتبار سے) بلند کیا ہے۔ (اس کو رفعت آسمانی عطا کی ہے)۔ اور حدیث نبوی میں پیشن گوئی ہے: لَا تقوم الساعة حتیٰ یقال فی الارض الله الله۔ جی ہاں! یہ زمین و زمان، یہ ارض وسماء اور ساری کائنات تب تک ہے، جب تک اس کائنات میں اور اس عالم رنگ و بو میں اللہ کا نام لیا جائے گا۔ اس طرح یہ جہانِ حمد وثنا اور جہانِ نعت آباد رہے اور آباد رہے گا۔ ولو کرہ المشرکون۔ کیونکہ ''اللہ اللہ'' کی یہ نغمہ سرائی ببرکت فیضانِ نبوت ورسالت ہے۔

ہر دور کے اہل اللہ نے اس صنفِ کلام کو عبادت سمجھ کر اور ذکر جان کر اختیار کیا ہے۔ اسی طرح نہ صرف اسلامی شعراء وادباء نے اس صنفِ کلام کو پروان چڑھایا ہے، بلکہ غیر مسلموں میں ایسے شعراء وادباء کی کمی نہیں ہے، جو اِس میں طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ لگے ہاتھوں ان کی ایک بہت ہی مختصر سی فہرست آپ بھی دیکھ لیں:

(۱) مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ، حیدرآباد (۲) شیام سندر، لاہور (۳) پنڈت جگن ناتھ پرشاد آنند (۴) منشی پیارے لال رونق دہلوی (۵) لالہ رام سروپ شیدا (۶) مہندر سنگھ بیدی (۷) راجہ کرشن پرشاد (۸) پنڈت جگر اٹال (۹) مہندر اشوک نجیب آبادی (۱۰) ہری چند اختر (۱۱) ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ دہلوی (۱۲) پنڈت چندر پرکاش جوہر بجنوری (۱۳) لالہ لال چند فلک (۱۴) کالیکا پرشاد (۱۵) کرشن بہاری نور لکھنوی (۱۶) ادب سیتاپوری (۱۷) پنڈت رانا بھگوان داس (۱۸) لالہ چھنومل نافذ دہلوی (۱۹) چودھری دلورام کوثری حصاروی (۲۰) پنڈت جگن ناتھ آزاد (۲۱) رویندر جین (پیدائشی نابینا تھے) (۲۲) شری لکشمن نرائن واستوسخا (۲۳) لال چند پرشاد شیدا دہلوی (۲۴) رانا بھگوان داس رانا (۲۵) گور بخش سنگھ مخمور (۲۶) راجندر بہادر موج (۲۷) ناتھ نشتر لکھنوی۔ ان کے ترانۂ حمد وثنا اور ان کی نعت خوانی کی نغمہ سرائی کے کیا کہنے! ذرا چند نعتیہ اشعار آپ بھی سماعت فرمائیں ؎

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کردیا — کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کردیا
زندہ ہوتے ہیں جو مرتے ہیں ان کے نام پر — اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کردیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِّ یتیم — اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولیٰ کردیا

(ہری چند اخترؔ)

ذکرِ سرکارِ دوعالم کا سنا تھا اک دن — عمر بھر میرے خیالات سے خوشبو آئی
میرے جذبے کی صداقت پہ یقین آنے لگا — نعت جب میں نے پڑھی تو منہ سے خوشبو آنے لگی
سوگیا تھا میں مدینے کا تصور کرکے — رات بھر اشک میری ذات سے خوشبو آئی

(مہندر اشک نجیب آبادی)

بس حُسنِ مصطفیٰ ہے اک بحر بیکراں   اس کے ساحل تک کوئی شیریں زبان پہونچا نہیں

(پرشاد آنند)

ریت کے ذرّوں کو بارود کی طاقت بخشی   خاک ناچیز کو اکسیر بنادیا تو نے

(لالہ لال چند فلک)

کیا مدینے کے چمن سے ہوکے آئی ہے ابھی   کس لیے یہ دلکشی؟ قمری! تیری کوکو میں ہے

جی ہاں! مجھے کہنے دیجیے؛ ہمارے مولائے حقیقی، سجود خلائق اور معبودِ برحق حضرت اللہ جل مجدہٗ رب العالمین ہے۔ نبیٔ برحق، شفیع اعظم، تاجدار ختم نبوت کبریٰ، علم بردارِ شفاعت عظمٰی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اور عالمین عالم کی جمع ہے۔ صاحب شرح عقائد نفسیہ شیخ الاسلام علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے عالم کی یہ تعریف کی ہے۔ (از ۷۲۲ھ تا ۷۹۲ھ)

مَا سِوَیٰ اللهِ تَعَالیٰ مِنَ الْمَوْجُوْدَاتِ مِمَّا يُعْلَمُ بِهِ الصَّانِعُ (ص ۲۳)

یعنی حضرت اللہ جل مجدہٗ کے علاوہ یہ عرش وکرسی، یہ لوح وقلم، یہ افلاک وسیارے اور یہ شمس وقمر یعنی سارا فلکی وعرشی نظام اور یہ زمین ومکان، یہ صحرا و دریا اور ساری آبادیاں اور غیر آباد علاقے، ذی روح وغیر ذی روح جن وانس وملک یعنی سارا ارضی وعنصری نظام عالم ہے اور متنوع ہونے کی وجہ سے عالمین اور ذی روح وذی عقل وشعور کو غیر ذی روح اور غیر ذوی العقول والشعور پر غلبہ دیا گیا ہے۔ اسی طرح ہر عالم مربوب ہے اور ہر ہر عالم پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت کا پرتو ہے۔ لہٰذا جہاں ہم الحمد للہ رب العالمین پڑھ کر لکھ کر اور سن کر جہانِ حمد وثنا کو آباد کرتے ہیں، وہاں ہم والصلاۃ والسلام علیٰ رحمۃً للعالمین پڑھ اور لکھ کر اور سن کر ''جہانِ نعت'' کو بھی آباد رکھتے ہیں۔ الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ۔

وادیٔ کشمیر میں اس حوالے سے حمدیہ ونعتیہ ادب کے فروغ واشاعت کے لیے وقف ادبی وتحقیقی مجلہ ''جہاں حمد ونعت'' کے اب تک تین شمارے باصرہ نواز ہوئے ہیں۔ یہ ایک اعتبار سے تجدیدی کام ہے اور اس تسلسل کے احیا کی خدمت حضرت اللہ جل مجدہٗ اس دور میں رفیق محترم مشہور ادیب ومحقق جناب ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحب سے لے رہے ہیں۔

پہلا شمارہ ۵۱۲ صفحات پر محیط ہے، مجلس مشاورت کے ارکان کو دیکھیں تو یقیناً ''جہانِ حمد ونعت'' کو آباد دیکھتے ہیں۔ تفکرات، تدبرات، تفہیمات، تصورات، تخیلات، تاثرات اور متفرقات کی موٹی موٹی

سرخیوں کو دیکھیں تو ''مدیر محترم'' کی سیمابی فطرت کا اندازہ ہوتا ہے۔نظم ونثر کے حسین اور سنہرے لباس میں ملبوس یہ شمارہ یقیناً اربابِ ذوق کے لیے کسی نئی نویلی دلہن سے کم نہیں لگتا۔کیا ظاہری رعنائی اور کیا باطنی گہرائی وگیرائی، سبحان اللہ۔اس کا پہلا شمارہ ماہِ رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ مطابق مئی جون ۲۰۱۹ء زیورِطباعت سے آراستہ ہو کر ڈاکٹر صاحب کی شفقتوں کے نتیجے میں ہمارے ہاتھوں آ گیا ہے۔

پھر دوسرا شمارہ بھی اسی اسلوب اور ڈھنگ پر منصۂ شہود پر آیا، بماہِ ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰۲۱ء۔البتہ اس بار افقِ ادارہ کے روشن تارے اور ہیں اور ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔مجلس مشاورت (مقامی) میں شرکاء تمام کے تمام اپنی ادبی صلاحیتوں کی بنا پر 'صدور مجلس' ہیں اور مجلس مشاورت عالمی کے ارکان کے کیا کہنے! اب تیسرا شمارہ نذرِ نظر قارئین ہے، ان ہی خصوصیات، بلکہ مزید خصوصیات اور امتیازات کے ساتھ بمصداق ع

یَزِیْدُكَ وَجْهُهٗ حُسْناً اِذَا مَا زِدْتَّهٗ نَظَراً

یعنی نرخ بالا کن ہنوز ارزات است

البتہ اس کی ترتیب وتدوین کا کام محترم المقام جناب ابوالحسن خاور صاحب آف لاہور نے کیا ہے، جس میں عالمی طرحی نعتیہ مشاعرے میں کہی گئی عصر حاضر کے ۳۲۳ نامور اور نو رآموز شعراء کی نعتیں ہیں۔یعنی ایک نایاب نعتیہ دستاویز، لعل وجواہر سے بھرا ہوا خزانہ ''جہانِ حمد ونعت'' زندہ باد۔یہ ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔اللھم زدفزد۔آمین۔

● حامد حبیب، فتح کدل، سرینگر

اُردو زبان میں حمد ونعت کا جو گرانقدر ورثہ ہمارے لئے سرمایۂ افتخار ہے، اُسے سمیٹ کر آنے والی نسلوں تک پہنچانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔لہذا حمد ونعت کے فروغ میں کوئی قابلِ ذکر کام انجام دینا بذات خود ایک عظیم الشان کارنامہ ہے جسے انجام دینے کی ایک قابلِ تحسین کوشش 'نعت اکادمی، جموں وکشمیر کے ذریعے شایع کردہ ادبی وتحقیقی مجلہ اور کتابی سلسلہ ''جہانِ حمد ونعت'' ہے، جو حمد ونعت کے متعلق تنقیدی مضامین اور روح پرور کلام کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے، جس سے عشاقانِ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔'جہانِ حمد ونعت'، حمدیہ اور نعتیہ ادب کے فروغ، اشاعت، ترقی اور ترویج کے لیے وقف کیا گیا ادبی اور تحقیقی مجلہ ریاست جموں وکشمیر کا اوّلین کتابی سلسلہ ہے۔قابل ذکر ہے کہ 'نعت اکادمی'، جموں وکشمیر کے زیر اہتمام اُردو نعتیہ صحافت کے اُفق پر "جہانِ حمد ونعت"

کا پہلا شمارہ جون 2019ء میں شائع ہوا۔اس کے بعد سال 2021ء میں اس مجلّے کے مزید دو شمارے منظر عام پر آ گئے۔ یہاں پر تیسرے شمارے سے متعلق چند معروضات پیش کرنا مقصود ہے۔

''جہانِ حمد و نعت'' کا تیسرا شمارہ 2021ء ہی میں ستمبر کے مہینے میں شائع ہوا۔ یہ شمارہ 400 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ شمارہ دراصل عالمی سطح کے ایک آن لائن طرحی نعتیہ مشاعرے میں موصول ہونے والی نعتوں کا مجموعہ ہے۔اس میں لکھا ہے کہ نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے کوشاں ایک فورم نے طرحی مصرع ''ہر شعبۂ حیات میں امکان نعت ہے'' پیش کیا تو آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت گوئی کے شیدائیوں کا (دُنیا بھر میں) شوق اور ذوق دیدنی تھا۔ ہر شاعر محبت اور وفورِ عشق میں حضرتِ حسان بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کی طرح اپنی محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قرض اتارنے اور فرض پورا کرنے کی کوشش میں لگا نظر آیا۔ بہت سے نعتیہ مشاعرے ہوتے رہے ہیں لیکن جتنی کثرت سے یہاں شعراء نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا، وہ ابھی تک کہیں اور نظر نہیں آیا۔اس لحاظ سے یہ تاریخی اور ریکارڈ ساز مشاعرہ معلوم ہوتا ہے، جس میں زائد از تین سو شعراء کا اس مصرعے پر اپنا کلام پیش کرنا اک خواب ہی معلوم ہوتا ہے۔اس شاندار کامیابی کو یادگار اور محفوظ بنانے کی غرض سے اس مشاعرے کو کتابی شکل میں پیش کرنے کا بھی انتظام کیا گیا۔ بقول ابوالحسن خاور: ''ایک ہی مصرع پر عصر حاضر کے نامور و نوآموز شعراء کے تین سو تئیس (323) کلام ۔شعر کو شعر بنانے کا کونسا اسلوب اور قرینہ ہے جو اس کتاب میں نہیں ہوگا؟ کیا آپ کی نظر سے اس سے پہلے کوئی ایسا طرحی شعری گلدستہ گذرا ہے؟ یہ اہم اور منفرد نعتیہ دستاویز ہے، جو نعت کے شیدائیوں کے لیے ضروری ہے۔

مجموعی طور پر ''جہانِ حمد و نعت'' کے تینوں شمارے اس کے مدیر ڈاکٹر جوہر قدوسی کی اختراعی کاوشوں، ادارتی مہارت اور محنتِ شاقہ کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ موصوف بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں کشمیر کا پہلا نیوز میگزین ''تکبیر''؛ رواں صدی کی آمد پر منفرد دینی جریدہ ''الحیاۃ'' اور کشمیر کا سب سے پہلا انفوٹیک میگزین Globe جاری کرنے کے بعد Crescent اور ''البنات'' جیسے رسالوں کی بنیاد ڈال کر اپنے ادبی، صحافتی و تخلیقی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں۔ امید ہے کہ ''جہانِ حمد و نعت'' حمدیہ و نعتیہ ادب کے فروغ میں آئندہ بھی اپنا حصّہ ادا کرتا رہے گا۔

***

باب

متفرقات

'دائرۂ ادب' نیویارک کا حمدیہ اور نعتیہ مشاعرہ

اُردو کی نئی بستیوں
میں مقیم شعراء کے
حمدیہ و نعتیہ کلام
کے چند نمونے

محسن علوی

نیویارک

'دائرۂ ادب' نیویارک کا حمدیہ اور نعتیہ مشاعرہ

دائرہ ادب نیویارک کے زیر اہتمام راقم الحروف نے ایک حمدیہ اور نعتیہ مشاعرہ کروایا۔اس مشاعرے کوڈاکٹرعبدالرحمن عبدؔ، جوتقریباً چالیس سال سے نیویارک میں مقیم ہیں، انھوں نے اس کو نیویارک کا ایک تاریخی مشاعرہ قرار دیا۔مشاعرے میں پاکستان سے دبستان وارثیہ کے روح رواں جناب قمؔر وارثی صاحب (جن کی دو نعتیہ کتب کو حکومت پاکستان سے ایوارڈ مل چکا ہے) نے بہ حیثیت صدر مشاعرہ شرکت فرمائی۔ مہمان خصوصی 'عالمی اردو مرکز' جدہ کے بانی اور ماہر اقبالیات ڈاکٹر منور ہاشمی صاحب تھے۔اس کے علاوہ سعودی عرب جدہ سے شعراء: نواز جنجوعہ، زمرد خان سیفی، علیگڑھ سے خالد فریدی، خواتین شاعرات میں ٹورنٹو کینیڈا سے صبیحہ خان صبیحہ، راولپنڈی پاکستان سے: تسنیم سراج، لکھنو سے شمعؔ ظفر مہدی' ورجینیا سے نورین طلعت عروبہ (جن کی تین نعتیہ کتب کو حکومت پاکستان سے ایوارڈ مل چکا ہے) شریک ہوئیں۔باقی شعرائے کرام میں راقم الحروف کے علاوہ شکاگو سے رشید شیخ، کراچی سے مختارؔ حیات، نیویارک سے ڈاکٹر عبد الرحمن عبد اور تنویر پھول شریک ہوئے۔صدر مشاعرہ کی دعا پر مشاعرے کا خوش اسلوبی سے اختتام ہوا۔

مشاعرے کے منتخب اشعار محسن علوی ناظم مشاعرہ

حمد

جو تخلیق خدا ہے کس طرح خاموش ہو جائے
ہم اپنی سانس میں ہر پل برابر حمد کہتے ہیں
خدا کی حمد بھی قسمت کی خوبی سے مزین ہے
حقیقت یہ ہے قسمت کے سکندر حمد کہتے ہیں

نعت

زہے قسمت کہ انؐ کے ذکر سے یہ گھر چمکتا ہے
وہؐ جن کا ذکر ہر اک قلب کے اندر چمکتا ہے

وہ لمحہ حاضری کا کیا بھلائے گا کوئی محسنؔ
وہی لمحہ تو میری نعت میں ڈھل کر چمکتا ہے

نواز جنجوعہ ، جدہ

پڑھیں صل علیٰ تو حسن کا منظر چمکتا ہے
لکھیں صل علیٰ تو نعت کا پیکر چمکتا ہے
ضیائے سیرت اطہرؐ سے ہیں دونوں جہاں روشن
دیا ذکر رسول پاکؐ کا گھر گھر چمکتا ہے

صبیحہ خان صبیحہ، ٹورنٹو

آپؐ منزل مری راستہ آپؐ ہیں
راہ طیبہ مری رہنما آپؐ ہیں
سرور انبیاءؑ اور رسول خداؐ
ساری امت کے حاجت روا آپ ہیں

زمرد خان سیفی، جدہ

جس سمت بھی جاؤں مری منزل ہو مدینہ
بس عشق محمدؐ ہی مرا راہ نما ہو
بے ربط دھڑکنوں کو سلیقے سکھا دیے
مضطر دلوں کا چین ہے راحت ہے حاضری

محترم خالد فریدی ، علیگڑھ

آپؐ کی بزم میں کیوں نہ بیٹھیں ملک
علم و عرفاں کے روح رواں آپؐ ہیں
نور انور کے جلووں سے عقدہ کھلا
ہر طرف نور کا سائباں آپؐ ہیں

مختار حیات، کراچی

میں پیش روضہ اقدسؐ کھڑا ہوں
بہت چھوٹا ہوں پر کتنا بڑا ہوں

میں ان کا امتی ہوں آخرکار
سنو میں جنتی ہوں آخر کار

رشید شیخ ، شکاگو

خوش زمیں ہے آسماں ہے آپؐ سے
اور خوش کون و مکاں ہے آپؐ سے
نور ایماں بھی یہاں ہے آپؐ سے
اور شفاعت بھی وہاں ہے آپؐ سے

تسنیم سراج، راولپنڈی

میں کروں کیسے بیاں شان رسولؐ عربی
میں تو ہوں سخت گنہ گار رسولؐ عربی
میں نے دیکھا تھا تصور میں بہار آئی ہے
دل سے آئی یہ صدا ہیں یہ رسولؐ عربی

نورین طلعت عروبہ، ورجینیا

جو چشم تر کو ہی کافی خیال کرتے ہیں
وہ عرض حال اضافی خیال کرتے ہیں
کوئی بھی کام جو ثابت نہیں محمدؐ سے
اسے وفا کے منافی خیال کرتے ہیں

شمع ظفر مہدی ، لکھنؤ

دیکھا ہے جب سے روضۂ اقدس حضورؐ کا
ان خوش نصیب آنکھوں میں اب خواب اور ہیں
یاں سر کے ساتھ دل کی حضوری بھی چاہیے
اس شہر دل نواز کے آداب اور ہیں

ڈاکٹرعبد الرحمن عبد، نیو یارک

حمد

مقام ایسا جہاں میں اے مکین لامکاں دے دے
سراپا عبد ہوجاؤں مجھے وہ جسم و جاں دے دے
مرے ہر قول کو ہر فعل کو رنگ عبادت دے دے
مرے آقا مجھے شیطان کے شر سے اماں دے دے

نعت

خواہش نہ اعتبار سے جینے کی جس میں ہو
وہ دل ہی کیا تڑپ نہ مدینے کی جس میں ہو
ایمان نا تمام ہے جز حب مصطفیٰؐ
وہ تاج کیا چمک نہ نگینے کی جس میں ہو

تنویر پھول، نیو یارک

حمد

پروردگار بھی ہے وہ کارساز بھی ہے
بندوں کا ہے وہ آقا بندہ نواز بھی ہے
وہ ہے علیم و شاکر اور واحد و صمد بھی
بندوں کا قدر داں ہے اور بے نیاز بھی ہے

نعت

نعت کہنے کے لیے حسن عقیدت چاہیے
انؐ کے قدموں میں سدا رہنے کی نیت چاہیے
تفرقے سارے مٹاؤ ملت واحد بنو
پھر مواخات مدینہ کی اخوت چاہیے

ڈاکٹر منور ہاشمی ، پاکستان

حمد

جو اٹھا کہ بار گناہ ہم تری بارگاہ میں آ گئے
نہ کوئی خطر نہ کوئی حذر کہ تری پناہ میں آ گئے
ہوئی ہر طرف نئی روشنی ترے ذکر کی تری فکر کی
کئی ماہتاب خیال کے جو شب سیاہ میں آ گئے

نعت

یہاں دھڑکنوں کا درود ہے یہاں آنسوؤں کا سلام ہے
یہاں بات اونچی نہ کیجئے یہ بڑے ادب کا مقام ہے
یہاں گردشوں کا اثر نہیں یہاں رنج و غم کا گزر نہیں
یہاں کائنات سے مختلف کوئی دوسرا ہی نظام ہے

قمر وارثی، پاکستان

حمد

حمد ہو تیری بیاں اے خالقِ کون و مکاں
یہ ہنر مجھ میں کہاں اے خالقِ کون و مکاں
سایہ رحمت کا طالب ہوں کرم کا منتظر
میں غریب و ناتواں اے خالق کون و مکاں

نعت

اور کرتا بھی کیا دیکھ کر شان رفرف سوار آسماں
ہوگیا پیکر نور کے راستے میں غبار آسماں
دم بخود رہ گیا آسماں بھی کہ جب عرش پر ایک شب
رونما نقش پائے نبیؐ سے ہوئے بے شمار آسماں

***

شمارہ : 01   516 صفحات

شمارہ : 02   516 صفحات

شمارہ : 03   404 صفحات

شمارہ : 04   324 صفحات

شمارہ : 05   452 صفحات

Design-o-Print
AL-HAYAT
PRINTOGRAPHERS
GAWKADAL SGR #9419403126